زندہ صداقت

بابوجیؒ

سوانح حیات

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز

گولڑہ شریف

حبیبِ ربِّ عُلا ہے غلام محی الدینؒ
چراغِ نورِ ہدیٰ ہے غلام محی الدینؒ
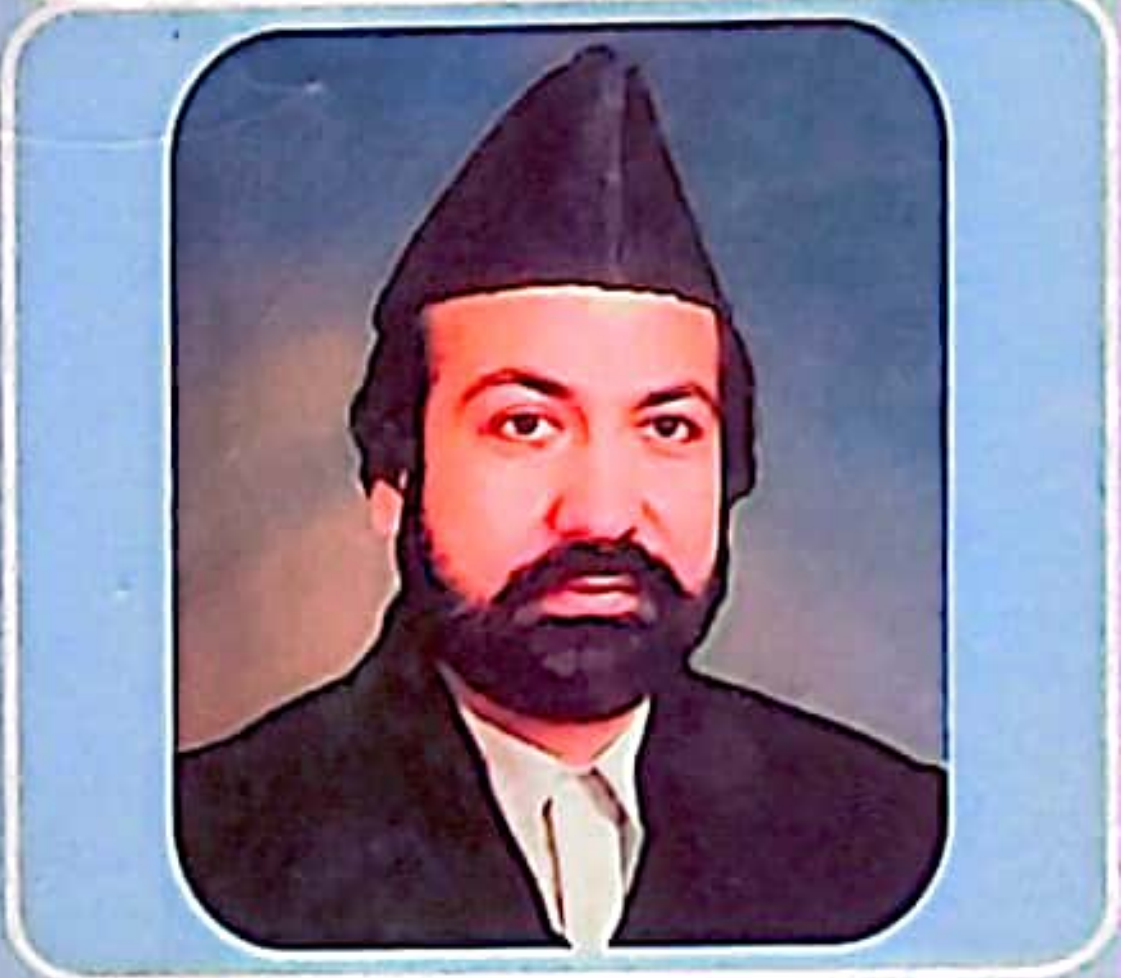
وہ صدرِ بزمِ حقیقت کے نکتہ دانوں کا
امیرِ اہلِ صفا ہے غلام محی الدینؒ

قبول کیجیے خواجہؒ! یہ ارمغانِ معینؔ
دلِ حزیں کی صدا ہے غلام محی الدینؒ!

مطبوعاتِ ایوانِ مہرِ علی شاہؒ

نمبر	نام		کیفیت	مصنف / مرتب
1	ماہنامہ مہرِ منیر	اجراء فروری 1999ء		
2	سبحان اللہ ما اجملک	(مجموعہ کلام)	مطبوعہ	پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی
3	حرفِ ناطق جلد اوّل		زیرِ طبع	پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی
4	انوار العارفین		زیرِ طبع	پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی
5	یادوں کے دریچے		زیرِ ترتیب	پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی
6	شرح نعت شریف ۔۔۔۔ کتھے مہرِ علیؒ کتھے تیری ثنا		زیرِ طبع	علامہ مفتی محمد خان قادری
7	صحیح مسلک		مطبوعہ	علامہ مشتاق احمد چشتی
8	زندہ صداقت		مطبوعہ	پروفیسر محمد عیسیٰ خان
9	مولائے رومؒ		زیرِ ترتیب	محمد یونس سیٹھی وفا
10	فتح مبین در اثباتِ نبوت		مطبوعہ	غضنفر عباس قیصر فاروقی
11	مطلعِ انوار	(ترجمہ الاسرار)	زیرِ ترتیب	فیاض باقر

ملنے کا پتہ: مکتبہ ایوانِ مہرِ علی شاہؒ درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف اسلام آباد پاکستان
فون نمبر 92-051-2214488

19-2-2009

۲۲-۲-۱۴۳۰

بروز جمعرات

زندہ صداقت

بابو جیؒ

سوانح حیات

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز

باجازت

حضرت پیر سیّد شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی

سجادہ نشین درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

باہتمام

پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی

پیشکش

ایوانِ مہر علی شاہؒ

زندہ صداقت

سوانح حیات حضرت پیر سیّد غلام محی الدین بابو جیؒ گیلانی

(اردو ترجمہ۔THE LIVING TRUTH)

مصنف: پروفیسر محمد اسمٰعیل سیٹھی مرحوم

سابق وائس چانسلر پشاور و گومل یونیورسٹی

مترجم: پروفیسر محمد عیسیٰ خان

سابق چیئرمین شعبہ ادبیات انگریزی گورنمنٹ سپریئر سائنس کالج پشاور

مجلسِ اشاعت: محمد صدیق ساجد علوی

فیاض باقر

میجر (ر) غضنفر عباس قیصر فاروقی

مقامِ اشاعت: گولڑہ شریف۔اسلام آباد

تاریخ اشاعت: بارِ اول۔۲۹ صفر ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۳ مئی ۲۰۰۲ء

بارِ دوم۔۲۷ رمضان ۱۴۲۳ھ جو بمطابق ۳ دسمبر ۲۰۰۲ء

طابع: عمران پرنٹرز، اسلام آباد، فون نمبر: 0333-5100929

ناشر: ایوانِ مہر علی شاہؒ اسلام آباد

ملنے کا پتہ: مکتبہ ایوان مہر علی شاہؒ درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف۔اسلام آباد

فون: 92-051-2214488

کمپوزنگ/ڈیزائننگ: آصف سلیم قریشی

بسمِ اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

''دی لونگ ٹُروتھ'' کے مترجم کے بارے میں

''زندہ صداقت'' کے مترجم جناب پروفیسر محمد عیسیٰ خان پشاور میں 1937ء میں پیدا ہوئے۔ 1955 میں اسلامیہ ہائی سکول پشاور شہر سے میٹرک' 1965 میں اردو ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور 1967 میں انگلش ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے انگلش کیا۔ 1967 سے درس وتدریس کا پیشہ اپنایا اور گورنمنٹ کالج نوشہرہ میں انگریزی ادب کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ اُس وقت جناب محمد اسماعیل سیٹھی صاحب (The Living Truth کے مصنف) گورنمنٹ کالجز کے ڈپٹی ڈائریکٹر تھے۔ اُسی وقت سے اُن کے ساتھ شناسائی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ جناب سیٹھی صاحب موصوف قبلہ بابوجیؒ کے راسخ عقیدت مندوں میں سے تھے۔ یہ قبلہ بابوجیؒ کا فیضان ہی تھا جس کی بنا پر جناب سیٹھی صاحب سیکرٹری ایجوکیشن' سیکرٹری ہیلتھ' ممبر پبلک سروس کمیشن (صوبہ سرحد)' وائس چانسلر گومل یونیورسٹی اور وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی جیسے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ 1970 میں پروفیسر محمد عیسیٰ خان کا پشاور شہر کے جید عالم مولوی گل فقیر احمد صاحبؒ پشاوری کی صاحبزادی سے رشتہ ازدواج قائم ہوا۔ جو کہ گولڑہ شریف کے اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے نہایت عقیدت مند شاگردوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہیں اعلیٰ حضرتؒ کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی۔ اسی عقیدت کی بنا پر انہوں نے ''ملفوظاتِ مہریہ'' کا پہلا حصہ فارسی میں ترتیب دیا تھا۔ پروفیسر محمد عیسیٰ خان نے 20 دسمبر 1970 کو قبلہ بابوجیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

1975 میں بطور لیکچرر پانچ سال کیلئے ڈیپوٹیشن پر لیبیا چلے گئے۔ 1984 میں بطور ایجوکیشن آفیسر دو سال کیلئے ڈیپوٹیشن پر نائیجریا گئے۔ تیس سالہ سرکاری ملازمت کے دوران مختلف سرکاری کالجوں میں بطور لیکچرر' اسسٹنٹ پروفیسر' ایسوسی ایٹ پروفیسر اور بطور پرنسپل دیانت داری اور محنت سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

جناب مترجم کو چار مرتبہ سرزمین حرمین شریفین یعنی سعودی عرب کے سفر کا شرف حاصل ہوا۔ 1977 میں پہلا عمرہ ادا کیا۔ مجموعی طور پر تین عمرے' اور ایک حج ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں شام' یونان' تونس' الجزائر' مراکش' جزیرہ مالٹا' اٹلی اور انگلینڈ کے سفر کا موقع ملا۔

20 مارچ 1997 کو گریڈ 20 میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اور یکم ستمبر 1997ء کو ایڈورڈز کالج پشاور میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ دو سال بعد یکم ستمبر 1999 کو امینہ ڈگری کالج برائے طالبات حیات آباد پشاور میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جہاں تا حال تدریس جاری ہے۔ جناب محمد عیسیٰ خان ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ حضور پاکؐ کے ساتھ بے پناہ محبت اور اولیائے کرام کے فیضان پر کامل اعتماد اور دربار گولڑہ شریف کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ حضرت بابو جیؒ کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اور وہی ذاتِ بابرکات اُن کیلئے ماویٰ و ملجا اور ذہنی اور قلبی سکون کی آماجگاہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے ترجمے میں انہوں نے جس عرق ریزی اور محبت و عقیدت، دلی لگن اور محنت کا مظاہرہ کیا وہ ہر لحاظ سے قابلِ داد ہے۔ حضرت بابو جیؒ کی ذات والا صفات یقیناً اس قابل ہے کہ اس پر اس جیسی کئی کتابیں منظرِ عام پر لائی جائیں۔ یہ کتاب اپنی جگہ ایک مستند دستاویز ہے اور اس کا اردو ترجمہ نہ صرف وقت کی ضرورت ہے بلکہ ایک عظیم دینی خدمت بھی ہے جس کیلئے فاضل مترجم ہدیہ تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔

مشتاق احمد چشتی

(شیخ الحدیث) مدرسہ انوار العلوم ملتان

عرضِ حال

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

کچھ عرصہ قبل حضرت پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی مدظلہ العالی نے مجھ ناچیز راقم الحروف کو ارشاد فرمایا کہ حضرت پیر سیّد غلام محی الدین شاہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات پر مشتمل انگریزی میں لکھی ہوئی The living truth کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ میرا دل فوراً پکار اُٹھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے اُسے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔ بھلا اللہ کے فضل سے کون انکار کرسکتا ہے چنانچہ میں نے فوراً شکریے کے ساتھ حامی بھر لی۔

اس ضمن میں عرض ہے کہ مترجم کا کام اپنی حدود میں رہ کر کسی تحریر کو ایک زبان سے دوسری زبان میں اس طرح ڈھالنا ہے کہ قاری اس تحریر کی اصل عبارت اور مفہوم کو بھانپ لے۔ اس کے سوا ترجمان کو مزید گوہر افشانی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ واقعی پابہ زنجیر ہوتا ہے۔ اس لئے ترجمہ کرنا ایک کٹھن کام ہوتا ہے۔ خاص طور پر حضرت بابو جیؒ جیسی عظیم شخصیت کے حالات پر لکھی گئی کتاب کا ترجمہ میرے لئے کافی دشوار تھا کیونکہ اس میں تصوف کی باریکیوں اور وحدت الوجود کے نظریے پر بحث کی گئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ دشواری میرے لئے آسان کر دی۔ میں نے اپنے طور پر پورے خلوص اور ذمہ داری کے ساتھ ترجمانی کے منصب کو نبھانے کی کاوش کی ہے اور اس میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ آسان اور سلیس زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش اور بے جا لفاظی سے گریز کیا جائے۔ کتاب کے فاضل مصنف جناب اسماعیل سیٹھی صاحب کا قبلہ بابو جیؒ کی زندگی کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ اور حیاتِ طیبہ کے تمام گوشوں کو یکجا کر کے بطریقِ احسن پیش کرنا' سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ جس کے لئے وہ قابل صد ستائش ہیں۔ اُن کا یہ مطالعہ اور مشاہدہ کم وبیش پینتیس سال پر محیط ہے۔ اس دوران انہیں قبلہ بابو جیؒ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

جناب محمد اسماعیل سیٹھی پاکستان کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ وہ 1921 میں پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ وہ سیٹھی خاندان کے چشم و چراغ تھے 1944ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم

اے کیا۔ وہ ایک ماہر تعلیم تھے اور محکمہ تعلیم میں مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور وائس چانسلر کے عہدے تک پہنچے۔ جناب سیٹھی صاحب صوبہ سرحد کے نہایت قابل، ذہین و فطین اور ایک فرض شناس و دیانت دار افسر تصور کیے جاتے تھے۔ سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے اللہ کی رسی کو بھی مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اور اپنی کردار سازی کے لئے اپنے پیرِ کامل قبلہ بابو جیؒ کا دامن پکڑے رکھا۔ پشاور کے سیٹھی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے ان کا تعلق گولڑہ شریف کے ساتھ بچپن سے ہی رہا ہے لیکن قبلہ بابو جیؒ سے اُنکی پہلی ملاقات 1939ء میں ہوئی اور تعلق کا یہ سلسلہ قبلہ بابو جیؒ کے وصال یعنی 1974 تک قائم رہا۔ جناب سیٹھی صاحب کے عقیدت اور احترام کا یہ تعلق وقت کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا گیا۔ چنانچہ 1964 سے 1974 تک انہیں قبلہ بابو جیؒ کے ساتھ ہر حج اور عمرے پر جانے کا شرف حاصل رہا ہے۔

جناب محمد اسماعیل سیٹھی صاحب کے خاندان کے افراد حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہؒ کی پہلی بار پشاور آمد پر آپؒ کے حلقہء ارادت میں شامل ہوئے اس کی تفصیل یوں ہے کہ دیوان غیاث الدین صاحبؒ اجمیر شریف سے پشاور تشریف لائے تو وہاں کے علمائے کرام نے ان سے سماع کے متعلق بحث کرنا چاہی اور جواب کو شافی نہ پا کر موصوف کو پریشان کیا۔ انہوں نے حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہؒ کی خدمت میں بذریعہ تار پے در پے عرض کی کہ آ کر مجھے ان سے بچائیں۔ چنانچہ آپؒ تشریف لے گئے۔ وہاں اس وقت کے علماء سے مناظرہ ہوا جو ہفتہ بھر جاری رہا اور علماء لاجواب ہو کر حضرت اعلیٰؒ کے قائل ہوئے اور اتنے متاثر ہوئے کہ بعض نے شرف بیعت حاصل کیا۔ اس علمی مناظرے میں خان بہادر حاجی کریم بخش سیٹھی اور ان کے چچازاد بھائی حاجی عبدالرحیم سیٹھی جو کہ کئی پشتوں سے اپنے علاقے کے رئیس التجار اور خود بھی بے حد دیندار، متشرع اور عالم و حافظ تھے اور تجارت کے علاوہ دین سے بھی بہت زیادہ شغف رکھتے تھے شامل رہے۔ بعد میں دربار شریف میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور اخص الخواص بنے۔ حضرت اعلیٰؒ پہلی مرتبہ پشاور تشریف لائے تو اسٹیشن پر ریل گاڑی کے ڈبہ سے باہر سواری تک سرخ بانات کا فرش بچھایا اور جب آپؒ فٹن پر سوار ہوئے تو خود کھینچ کر لے جانا چاہا مگر حضرت اعلیٰؒ نے انکار فرمایا۔ پھر ایک کوچوان بن کر اور دوسرے سائیس

بن کر آپ کی سواری کو محلہ سیٹھیاں تک لائے۔ بازار سے گھر تک تمام محلے میں سرخ بانات اور قالین بچھے تھے حضرت اعلیٰؒ نے یہاں حاجی کریم بخش سیٹھی صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ دورانِ قیام پشاور کے علمائے کرام سے آپ کی علمی مجالس رہیں اور لوگ مستفیض ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ قبلہ بابو جیؒ کو سیٹھی خاندان کے اس حُسنِ عقیدت کی بنا پر پشاور کے ساتھ خاص لگاؤ ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپؒ کئی مرتبہ پشاور تشریف لائے اور جناب اسماعیل سیٹھی صاحب کے ہاں قیام فرماتے رہے۔ اس دوران یوں بھی ہوا کہ قبلہ بابو جیؒ بعض اوقات تقریباً ہر اتوار کو پشاور تشریف لے آتے تھے۔

اب ایک طائرانہ نظر کتاب پر۔ قبلہ بابو جیؒ کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آپؒ سنت اور شریعت محمدیؐ کے کامل نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی کے کسی شعبے پر کسی شخص کو انگشت نمائی کا موقع میسر نہیں آیا حتیٰ کہ آپؒ کے مخالفین بھی یہ کہتے ہوئے نہ ہچکچاتے کہ قبلہ بابو جیؒ واقعی دوست اور بندہ نواز ہستی ہیں۔ بچوں کو کھیل کود سے فراغت نہیں ہوتی جبکہ قبلہ بابو جیؒ کو بچپن سے ہی اللہ کے گھر یعنی مسجد سے لگاؤ ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہر جمعہ کی رات اپنے چند سنگیوں کے ہمراہ گولڑہ شریف کے قریب ایک گاؤں میرا کی ایک مسجد میں ایک رات بسر کرتے۔ آپ کے سنگی آس پاس کے محلے سے روٹی مانگ کر لاتے اور قبلہ بابو جیؒ کے ساتھ مل کر وہ روکھی سوکھی روٹی کھاتے۔ یہاں سے آپؒ کی اجتماعی اور عاجزانہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ بہترین تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہؒ کی نصیحت کو ہمیشہ کے لیے اپنے پلے باندھے رکھا کہ عالم باعمل بننا ہے۔ چنانچہ قبلہ بابو جیؒ نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ دنیا والوں میں رہ کر ان کے دکھ درد، غم و خوشی میں شریک ہو کر معاشرتی حقوق و فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت خدا کو یاد رکھنا ہی اصل منتہائے زندگی ہے۔ ذیل کا شعر ان کی زندگی کا محور رہا ہے۔

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
بہر جائیکہ باشی با خدا باش

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا والوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے تنہائی کی زندگی بسر کرو بلکہ جہاں بھی رہتے ہو ہمیشہ خدا کو یاد رکھو یعنی ہتھ کار ول۔ دل یار ول۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت دردمند دل عطا

فرمایا تھا کہ آپؒ دربار شریف میں حاضر ہونے والے تمام زائرین کو ''مہمان'' تصور فرماتے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ ہر طرح سے ان کا خیال رکھنا' ان کی امداد اور تسلی وتشفی آپؒ کی زندگی کا معمول بن گیا تھا۔ آپؒ کو مخلوق خدا کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور ہمہ وقت سوچتے رہتے تھے کہ انہیں کیسے اور کس طرح آرام وسکون پہنچایا جائے۔

شجاعت اور سخاوت سادات کرام کی شناخت و پہچان تصور کئے جاتے ہیں جو کہ آپؒ کی بھی شخصیت کا طرہ امتیاز رہے ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ آپؒ پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں آپؒ بال بال بچ گئے۔ آپؒ کے سنگیوں نے مشورہ دیا کہ آئندہ حفاظتی تدبیر فرمالیا کریں لیکن آپؒ نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ آپؒ کا فرمان تھا کہ موت کا ایک دن معین ہے اور آپؒ کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ کی ذات پاک نے لی ہے۔ وہی آپ کا حامی و ناصر ہے آپؒ کے خیال میں امانت صرف وہ چیز نہیں ہوتی جو دوسرے لوگ کسی کو سونپ دیتے ہیں بلکہ ہمارا جسم بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس امانت کا کماحقہٗ خیال رکھنا ہر انسان کا فرض بنتا ہے اسی خیال کے پیش نظر آپؒ نے ایک بھرپور زندگی بسر کی۔ چوبیس گھنٹوں میں تین چار گھنٹے سونا اور بقیہ سارا وقت بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں صرف کرنا ایک بہترین ''امین'' کی نشانی ہے۔ آپؒ ہر حال میں اللہ کے حضور تسلیم و رضا کے قائل تھے آپؒ ہمہ وقت اللہ کا شکر بجا لاتے اور اپنے مرشد اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی تلقین ہمیشہ ذہن نشین رکھتے کہ اپنی ''خودی'' کو مٹائے رکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو عجز وانکسار بہت پسند ہے۔ اللہ آقا ہے اور انسان اپنے انتہائی عروج کے باوجود ماتحت اور تابع ہی رہے گا جبکہ اللہ ہر حال میں آقا اور قادر مطلق رہے گا۔

آپؒ کو حضور پاکؐ کے ساتھ بے انتہا محبت تھی یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ آپؒ کا ماویٰ وملجا بن چکا تھا۔ حج ہو یا عمرہ آپکی پوری کوشش ہوتی کہ پہلے مدینہ منورہ جایا جائے۔ آپؒ کی نظر میں اس پوری کائنات میں آپؒ کے لئے عزیز ترین اور محبوب ترین ہستی حضور پاکؐ کی ہستی ہے۔ آپؒ وفا کے پیکر تھے آپکے خیال میں محبت کا دعویٰ صرف زبانی جمع خرچ تک نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہیے حضور پاکؐ آپکے آئیڈیل تھے۔ آپؒ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ

حضور پاکؐ کی صفات کو اپنائیں۔ جن میں سے دو صفات آپکی سیرت میں صاف صاف نمایاں نظر آتی ہیں ایک صداقت دوسری امانت۔ انسانی کردار کی یہ ایسی دو خوبیاں ہیں جنہیں کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ آپؒ کے مخالفین بھی ان دونوں خوبیوں کے قائل تھے۔ قبلہ بابو جیؒ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو جسے آپکی زندگی کا محور کہنا چاہیے اور جس کے گرد ان کی پوری زندگی، گھومتی نظر آتی ہے وہ ہے آپؒ کی بنی نوع انسان سے محبت جس میں ''خود پرستی اور خودنمائی'' کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ دراصل آپؒ نے خودی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ انسانوں سے آپؒ کی محبت، مذہب، ذات پات، اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات سے بالاتر تھی۔ وہ ''پاکیزہ''، ''مطہر اور منور تھی''، موقع کی مناسبت سے آپؒ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور پارسی سبھی کی امداد فرماتے جس کی وجہ سے آپؒ جگت پیر کہلائے۔ بلکہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قبلہ بابو جیؒ سراپا محبت تھے۔ مجسم محبت، کیونکہ محبت تمام اچھائیوں کا سرچشمہ ہے۔ آپؒ نے ہر انسان کے ساتھ محبت کی۔ حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی اور یقیناً اسی کا نام ''زندہ صداقت'' ہے اور بالآخر آپؒ حیات جاوداں پا گئے۔ آپؒ ایک ایسی دلکش، دلپذیر اور دلربا شخصیت تھے کہ آپؒ کی حیات میں آپؒ کے عقیدت مند آپؒ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیتے تھے جبکہ آپؒ کے وصال کے بعد آج مخلوق خدا آپؒ کے مرقد منورہ کے بوسوں سے جسم و روح کی بالیدگی کا سامان کرتی ہے۔

نیاز مند

پروفیسر محمد عیسیٰ خان

حیات آباد۔ پشاور

من بندهٔ آں قوم کہ خود را دانند
ہر دم دلِ خود را زِ غلط برہانند
از ذات و صفات خویش خالی گردند
وز لوح وجود خود انا الحق خوانند

میں ان لوگوں کا غلام ہوں جو خود شناس ہیں۔ اور جو ہر لحہ اپنے دلوں کو خطاؤں سے باز رکھتے ہیں۔ وہ اپنی ذات وصفات کو ترک کرتے ہیں اور اپنی لوح وجود سے انا الحق کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(دی ٹرائمفل سن) ڈاکٹر شمل صفحہ ۴۴۳ رباعیات قصائد حلاّج آر ۱۷

رباعیات ۸۲۸ صفحہ ۱۳۹۱ ’کلیاتِ دیوانِ شمس تبریزی‘ مطبوعہ مکتبہ ایران

دیباچہ

باباجیؒ کے ساتھ میری پہلی ملاقات 1939ء میں ہوئی اور ملاقاتوں کا سلسلہ وقتاً فوقتاً ان کے وصال کے سال 1974ء تک جاری رہا۔ اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں جو کچھ میں نے اخذ کیا ہے اس بنا پر میں نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کی شخصیت ان لوگوں کے سامنے پیش کرسکوں جو آج کی عملی زندگی میں شریعت اور سنت نبوی ﷺ کا کامل اور مستند نمونہ دیکھنے کے متمنی ہیں۔ باباجیؒ کا سوانح نگار ان کی غیر معمولی دانش اور فضیلت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرا ایمان ہے کہ دنیا کا نظام روحانی ہستیوں کی بدولت چل رہا ہے۔ وہ لوگوں کے جذبوں کو تحریک دینے کی لامحدود صلاحیت رکھتے ہیں۔ تاکہ انہیں اس مشترکہ مقصد کی جستجو کی ترغیب دلا سکیں اور لوگوں کو اس کیلئے تیار کریں جو اللہ اور اس کے پاک نبی ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مدد معاون ثابت ہو۔

ایک انگریز فلسفی ولیم جیمز نے کہا ہے کہ حقیقی قیادت وہ ہوتی ہے جو انسان کی سوچ اور عمل دونوں پر مبنی ہو اور ایسی قیادت ہی فرد وملت کے درمیان برقی رو کی مانند ان میں ربط پیدا کر کے ان کی روح کو گرماتی ہے اور ایسی ہی قیادت تاریخ کا رخ موڑنے کے قابل ہوتی ہے۔ باباجیؒ ایک ایسے ہی قائد اور رہنما تھے جنہوں نے اپنے دینی جوش و جذبہ سے اپنے دوست احباب اور پیروکاروں میں مذہبی اور نسلی رواداری اور انسانی حقوق کی پاسداری کا پرچار کیا۔ انہیں یقین تھا کہ فنون لطیفہ، حسن واخلاق اور انسانی روح کو گرمانے والے جذباتِ عقیدت ہی انسان کو ذات پات کی تفریق سے آزادی دلاتے ہیں۔ وہ انسانی بھائی چارے اور رواداری کے پرجوش حامی تھے۔

باباجیؒ ایک ایسے روحانی پیشوا تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی قوم وملت کی فلاح و بہبود میں صرف کر کے اسے زندگی کی اصل حقیقت سے روشناس کرایا اور یوں خود بھی ایک ''زندہ صداقت'' بن گئے۔

اس ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں لکھنا اور متعلقہ مواد جمع کرنا واقعی ایک مشکل سعی ہے لیکن میری یہ کوشش محض اس بنا پر ثمر بار ہوئی کہ اس سلسلہ میں ہر طرح اور ہر طرف سے میری رہنمائی کی گئی۔ اگرچہ اکثر ایسا لگا کہ اس قدر ولولہ انگیز اور عظیم ہستی کے تمام پہلوؤں کو کماحقہٗ اجاگر کرنے کے

لئے الفاظ میرا ساتھ دینے سے قاصر ہو گئے۔

میں پیر سیّد غلام معین الدین قدس سرہ العزیز اور پیر شاہ عبد الحق مدظلہ العالی کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے نہایت شفقت و مہربانی سے اپنی لائبریری سے متعلقہ مواد یکجا کرنے اور بابو جیؒ کے غیر مطبوعہ مکتوبات ملاحظہ کرنے اور "گفتگو" کا شرف حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ میں ان تمام احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اپنے ساتھ گفتگو کے لئے قیمتی وقت دیا اور بابو جیؒ کے ساتھ اپنی خط و کتابت سے آگاہ کیا اور ضروری معلومات فراہم کیں۔ خاص طور پر میں جناب اللہ بخش ملک کا شکر گزار ہوں جن کے پرخلوص تعاون کے بغیر اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔

میں ڈاکٹر محمد فاضل خان کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میں کسان آرٹ پریس کے مالک کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب کی اشاعت میں بھرپور مدد کی۔

پروفیسر محمد اسماعیل سیٹھی

سابقہ وائس چانسلر، پشاور یونیورسٹی، پشاور

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین بابوجیؒ

شجرہ عالی نسب

سیّد غلام محی الدین شاہ (بابو جیؒ) بن سیّد مہر علی شاہؒ بن سیّد نذر دین شاہؒ بن سیّد غلام شاہؒ بن سیّد روشن دین شاہؒ بن سیّد عبدالرحمٰن نوریؒ بن سیّد عنایت اللہؒ بن سیّد غیاث علیؒ بن سیّد فتح اللہؒ بن سیّد اسد اللہؒ بن سیّد فخر الدینؒ بن سیّد احسانؒ بن سیّد درگاہیؒ بن سیّد جمال علیؒ بن سیّد محمد جمالؒ بن سیّد ابی محمدؒ بن سیّد میراں محمد کلاںؒ بن سیّد میراں شاہ قادر قمیص ساڈھورویؒ بن سیّد ابی الحیاتؒ بن سیّد تاج الدینؒ بن سیّد بہاء الدینؒ بن سیّد جلال الدینؒ بن سیّد داوٗدؒ بن سیّد علیؒ بن سیّد ابی صالح نصرؒ بن سیّد تاج الدین ابوبکر عبدالرزاقؒ بن سیّدنا غوث الاعظم میراں محی الدین عبدالقادر جیلانیؓ بن سیّد ابو صالحؒ بن سیّد عبداللہ جیلیؒ بن سیّد یحیٰ زاہدؒ بن سیّد شمس الدین ذکریاؒ بن سیّد ابوبکر داوٗدؒ بن سیّد موسیٰ ثانیؒ بن سیّد عبداللہ صالحؒ بن سیّد موسیٰ الجونؒ بن سیّد عبداللہ محضؒ بن سیّد حسن مثنیٰؒ بن سیّدنا امام حسن المجتبیٰؓ بن سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم

رواں دواں بسوئے دلبراں

گولڑہ شریف پر ایک طائرانہ نظر

ریل کی پٹڑی کو عبور کرتے ہی جب کار بل کھاتی ہوئی سڑک پر چل پڑتی ہے تو چٹیل پہاڑوں کے دامن میں سینکڑوں ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہوا سرسبز و شاداب خطہ دیکھنے میں آتا ہے۔ایک طرف لہلہاتی ہوئی فصلوں کی بھینی بھینی خوشبو لطف اندوز کرتی ہے تو دوسری طرف ریل کے انجن کی پُر کیف سیٹی کی گنگناتی آواز کانوں کو بھاتی ہے۔کالے بادل سروں پر منڈلاتے ہیں اور آسمان کو اور بھی پُر کیف بنا دیتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت میں مسافر گولڑہ سٹیشن کے قریب سے گزر رہے ہوتے ہیں۔

کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی ہوا اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے اور یہی احساس انسان کو بے خودی کے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔اسی نازک احساس، وجد آور کیفیت اور بے قرار دل کے ساتھ مسافر کی نگاہ دور اپنی منزل کی جانب پڑتی ہے اور وہ ایک سر بہ فلک مینارہ دیکھ سکتا ہے۔ ہر سُو سبزہ ہی سبزہ دیکھتے ہوئے بالآخر دور سے مارگلہ کی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ اپنے دامن میں ہریالی ہی ہریالی لئے ہوئے ہیں۔اب سڑک بغیر پیچ و خم کے کار کو سیدھا اپنی منزل کی جانب رواں دواں کئے ہوئے ہے۔ لیجئے کچھ لمحوں میں مسافر دربار شریف کے قرب و جوار میں کہیں اُتر چکے ہیں۔ یہاں آ کر مسافر سکھ کا سانس لیتا ہے۔شہری زندگی کی تمام نفسانفسی سے آزاد، یہاں کا ماحول خاموش اور پُرسکون منظر پیش کرتا ہے جس سے انسان کی آنکھوں، اعصاب، جسم و روح ہر ایک کو توانائی ملتی ہے۔

منفی خیالات اور جذبات رکھنے والے لوگ اندرونی کثافتوں سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں بغداد شریف کی حاضری کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے وہ اس قسم کے منظر کو بغداد شریف کے ماحول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کچھ یوں محسوس کرتے ہیں کہ گویا یہ مدینہ منورہ کا براہِ راست عکس ہے۔ بہرحال یہ تینوں ایک ہی ہیں۔

جس طرح شہد کی مکھیاں گھومتی پھرتی بھنبھناتی ہوئی شہد پیدا کرتی ہیں اسی طرح یہ وادی اپنی پُر کیف خوشبو کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دیتی اور لبھاتی معلوم ہوتی ہے۔ دربار شریف کا

گوشہ گوشہ خلوص والتفات کا فرش بچھائے ہوئے ہے۔ فلک بوس مینارہ بے تابی سے ہر آنے والے کا منتظر نظر آتا ہے۔ وہ ہر آنے والے پر شفقت آمیز نظریں جمائے ہوئے ہوتا ہے۔ گویا سب سے پہلے وہی مہمانوں کے لئے میزبانی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ گولڑہ شریف کی میزبانی میں محبت کی خوشبو شامل ہوتی ہے اور سب رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اب آسمان صاف ہو جاتا ہے۔ سورج کی شعاعیں پہاڑیوں کی چوٹیوں سے ٹکراتی ہیں۔ دربار شریف کا بیرونی منظر کچھ اس طرح ہے کہ ہر طرف گہما گہمی کا عالم ہے۔ چائے خانوں سے مہکتی ہوئی چائے کی خوشبو اُٹھ رہی ہے۔ بسوں، ٹیکسیوں، کوچوں اور کاروں کا آنا جانا لگا ہوا ہے۔ مسافروں کا آنا جانا مسلسل جاری ہے۔ دوکاندار اپنی دوکانیں سجائے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ ہر سُو نظم وضبط کا عالم ہے کہیں کوئی بدنظمی نظر نہیں آتی۔ دائیں جانب ایک چھوٹی سی سڑک ہسپتال کو نکلتی ہے جہاں مریضوں کا مفت علاج ہوتا ہے۔ ذرا اور آگے چلیں تو ٹھنڈے پانی کے نالے کے اوپر پُل پر سے گزرنا ہوتا ہے۔ یہاں سے ''پار'' بابو جیؒ کی منزل ہے۔

اب تھوڑی دیر کے لئے وقت کی رفتار رکتی ہے۔ ایک نوجوان لڑکا ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ مولانا محمد غازی صاحب اپنی اونچی نشست پر تشریف رکھے ہوئے ایک طالب علم کے اپنے گھر کی جانب جاتے ہوئے اس پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ قدرت بھی ان نظروں کا ساتھ دیئے ہوئے ہے۔ پھر اُس طالب علم بچے کی نگاہ اُس ندی کے بہتے ہوئے شفاف اور چمکدار پانی پر پڑتی ہے۔ دوسرے ہی لمحے وہی نوجوان اپنے استاد کے ہاتھوں سخت سزا پا رہا ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ پیر مہر علی شاہؒ کے صاحبزادے جو کہ مستقبل کے درویش بننے والے تھے اپنی توجہ سے غافل ہو سکتے یا نظم وضبط کے معمول سے روگردانی کرتے۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ نہ ختم ہونے والے انسانوں کے اس سلسلے کی صبح وشام بابو جیؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آمد ورفت جاری ہے۔ لیکن لوگوں کے بڑے ہجوم کے باوجود کوئی دھکم پیل نہیں۔ کوئی کسی کا راستہ نہیں روکتا۔ کوئی شخص بڑبڑاتا نہیں، ہر طرف مکمل نظم وضبط پر مبنی تربیت کی روایت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ بیٹھک کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک کھلا صحن ہے جہاں

بابو جیؒ چٹائی پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ جہاں سے فیض عام کے خزانے لٹتے ہیں۔

بابو جیؒ اپنے آرام وسکون کا خیال رکھے بغیر غریب وامیر' چھوٹے بڑے سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے۔ یہاں کی روایت ہے کہ کوئی مہمان کھانا کھائے بغیر نہ جائے۔ کیونکہ دراصل وہ سب غوث پاکؒ کے مہمان ہوتے ہیں۔ مہمانوں کی رہائش اور آرام کے لئے سرائے بنی ہوئی ہیں جن کے ساتھ ملحقہ کار پارکنگ کے لئے جگہ مختص ہے۔ حضرت قبلہ بابو جیؒ کے بعد اُن کے گرامی قدر صاحبزادوں نے بھی اُنہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے' روحانی روایات کا تسلسل جاری رکھا ہوا تھا۔ اور آج بھی وہ فیض عام جاری ہے۔

ظہر کی نماز کے لئے دوکاندار اپنی دوکانیں کھلی چھوڑ کر مزار شریف سے ملحقہ مسجد میں نماز ادا کرنے جاتے ہیں۔ ایسے میں خوبصورت' باوقار اور انتہائی اُجلے کپڑوں میں ملبوس دو نوجوان جن کی پیشانیاں نورِ سعادت سے جگمگا رہی ہیں' تحمل اور بُردباری سے لوگوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے گزرتے ہیں۔ زائر کو پوچھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت قبلہ بابو جیؒ کے پوتے ہیں۔ ہر قسم کا انتظام چلانا اور سب کی دیکھ بھال یہاں کی خاندانی روایت ہے۔ ایک کامل انتظام اور بھرپور رواداری انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ نوجوان صاحبزادے بھی اپنے گفتار وعمل میں اپنے اجداد کا مظہر ہیں اور دینداری اور حُسنِ انتظام کی روایات کو آگے بڑھانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔

جونہی مزار شریف کے احاطے میں قدم رکھتے ہیں سب سے پہلے باوضو ہونے کا خیال آتا ہے۔ یہاں پانی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ چوبیس گھنٹے پانی موجود ہے۔ وضو کے بعد جب روضہ شریف کی جانب قدم بڑھتے ہیں تو ایک عجیب سی وجد آور روحانی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ روضہ پاک کا پورا احاطہ سنگ مرمر سے مزین ہے۔ نظریں اٹھا کر دیکھئے ہر سُو فیض ہی فیض چھلکتا نظر آئے گا۔ خوشبو سے معطر مسجد کے بالکل سامنے گھنا سایہ دار درخت' دائیں پہلو میں قدیم مسجد اور طلباء کی درسگاہ اور اس کے اندر پیر مہر علی شاہؒ کے والد محترم ''اجیؒ'' صاحبؒ کا مرقد منور موجود ہے۔ بائیں جانب مجلس خانہ اور دائیں جانب صاف وشفاف پانی سے لبریز تالاب ہیں۔ ان کا مجموعی تاثر

آنکھوں کوٹھنڈک پہنچا تا ہےاور روح کو گرماتا ہے۔ مسجد کے بائیں کونے میں بلند وبالا مینار دیکھنے میں آتا ہے۔ اور پھر صحن کے بالکل سامنے اپنی پوری لطافت اور شان لئے روضہ مبارک اپنے خالص سفید سنگ مرمر سے بنے ہوئے سفید گنبد کے ساتھ ایک معطر ومزین بارگاہ کا منظر پیش کرتا ہے۔ جہاں ہر زائر محسوس کرتا ہے کہ یہاں کا مکینؒ مہربان اور کریم ہے جو اُسے اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے اپنے گلے لگا رہا ہےاور اپنا رہا ہے۔ جس پر وہ زائر بے ساختہ بول اٹھتا ہے۔

"لبیک--- لبیکُ"

"اے میرے آقا میں یہاں ہوں آپ کے قدموں میں۔ میں حاضر ہوں اے میرے آقا میں حاضر ہوں۔"

یہ لیجئے بابو جیؒ آپ کے اور میرے سامنے موجود ہیں۔ اُن کی حضوری کا متاثر کن احساس روح کو جھنجوڑتا ہے۔ ہمارے قلب وروح بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں صلِ علیٰ صلِ علیٰ۔

ہر طرف ایک بے کراں سکوت کا عالم ہے۔ بے قرار دل اور نمناک آنکھوں کے ساتھ انسان روضہ شریف کے اندر داخل ہوتا ہےاور پھر پیر مہر علی شاہؒ اور اُن کے جگر گوشے بابو جیؒ کی قدم بوسی کرتا ہے۔ جس پر اس کے من کا فانوس روشن ہو جاتا ہے۔ اب یہ فانوس کبھی نہیں بجھے گا کیونکہ اسے ایسی ہستیوں نے روشن کیا ہے جو اسے کبھی بجھنے نہیں دیں گی۔ بابو جیؒ کے قدمین شریفین کے سامنے ایک ایسی ہستی کا مرقد انور ہے جو اپنے روحانی فیض سے عوام الناس کو مستفید فرما رہی ہیں اور یہ ہیں بابو جیؒ کی چہیتی صاحبزادی۔ سورج اپنے یومیہ فریضہ سے سبکدوش ہوا چاہتا ہے۔ شب کی آمد آمد ہے۔ چاند پوری آب وتاب سے وادیٔ گولڑہ پر جلوہ گر ہوا چاہتا ہے۔ اور پھر وہ دیکھئے اس وادی کے دائیں جانب لاکھوں روشن قمقمے قطار اندر قطار۔ جو اس کے جڑواں شہر اسلام آباد کے حسن میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا ان منظم قمقموں کا کارواں اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے تھامے پیر مہر علی شاہؒ اور بابو جیؒ کے روضہ شریف پر حاضری دینے والوں کا خیر مقدم کر رہا ہو۔

بابو جیؒ حضور پاکؐ کے دین مبین کا کامل مظہر تھے۔ وہ دین اسلام کے مستند ترجمان اور

اس کا سچا نمونہ تھے۔ چاہے ایک عالم دین کی حیثیت سے ہوں، ایک خلف الرشید صاحبزادے کی حیثیت سے ہوں، ایک فیض رساں مرشد کی حیثیت سے' یا ایک مشفق والدِ محترم کی حیثیت سے ہوں۔ بہترین ناظم کی حیثیت سے' یا ایک تاریخ ساز سماجی کارکن کی حیثیت سے ہوں۔ بابو جیؒ زندگی کے ہر شعبے میں حضور پاکؐ کے سچے پیروکار تھے۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ سرکارِ مدینہ ﷺ نے وادی گولڑہ کو مدینہ منورہ سے منسلکہ حصہ سے تعبیر فرمایا جیسا کہ بابو جیؒ کے دیرینہ پیروکار مدنی صاحبؒ نے حضور پاکؐ کو خواب میں یہ فرماتے سنا اور جس کا ذکر انہوں نے بابو جیؒ سے کیا۔

اس قدر ہمہ گیر شخصیت کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنے کے لئے الفاظ ماند پڑ جاتے ہیں اور یہ کہنا پڑتا ہے:

در دست نہ تیر است نہ بر دوش کمان است
ایں سادگی ہست کہ بسمل دو جہان است

☆☆☆☆☆

تمہید

(الف) گولڑہ شریف۔محلِ وقوع: گولڑہ شریف مارگلہ پہاڑیوں کے دامن میں سطح سمندر سے تقریباً 1707 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ مارگلہ کے پہاڑوں کی مغربی جانب گندھارا تہذیب کا مرکز ٹیکسلا شہر ہے جو گولڑہ شریف سے تقریباً بیس کلومیٹر دور ہے۔ یہ تقریباً پانچ ہزار سال پرانا شہر ہے جو کہ بدھ مت کے زمانے میں تہذیب و ثقافت کا ایک عظیم مرکز تھا۔ کئی بیرونی حملہ آوروں نے اس پر حملے کئے جیسے یونانی، ایرانی، افغان، سفید ہنز، مغل، سکھ اور انگریز۔ گولڑہ شریف کے مشرق میں اسلام آباد اور جنوب مشرق میں راولپنڈی کے شہر آباد ہیں۔

(ب) سیاسی پس منظر: احمد شاہ ابدالیؒ اس علاقے کے آخری مسلمان حکمرانوں میں سے ایک تھا۔ جس نے 1747ء سے 1773ء تک حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے تیمور شاہ نے 1793ء تک حکومت کی۔ اُسے مرہٹوں، سکھوں اور انگریزوں کی طرف سے دریائے ستلج کے مقام پر سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر 1818ء سے 1849ء تک اس علاقے پر سکھوں کی عمل داری رہی۔ جن کے بعد انگریز اس پر قابض ہو گئے۔ یہ دور سیاسی انقلاب اور ناپائیداری کا دور تھا۔ بعض گروہ جنہیں قزاق بھی کہہ سکتے ہیں وہ مختلف جرائم کے عادی اور جنگجو تھے۔ انہوں نے فساد اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور اپنی طرف سے کالے قوانین کے ذریعے انہوں نے درہ مارگلہ کی جنوبی سڑک پر لوگوں پر ٹیکس لگا رکھے تھے۔ شرافت اور نیکی تیزی سے روبہ زوال تھی، اقدار کے فقدان نے سماجی اور روحانی انحطاط پیدا کر دیا تھا۔ خود حکومت ناانصافی اور ظلم و ستم پر مبنی تھی۔ اس افراتفری اور بربادی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم نوازی سے اس علاقے میں ولیوں اور بزرگوں کو بھیجا تاکہ اس علاقے کے لوگوں کی صحیح رہنمائی کریں اور نیکی کا راستہ بتائیں۔

اجداد کرام: برصغیر میں حضرت قبلہ بابوجیؒ کے جدِ امجد سیّد میراں شاہ قادر قمیصؒ کا سلسلہ نسب حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ ان کے آباء و اجداد پندرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان ہجرت کر کے آئے تھے۔ خود حضرت سیّد میراں شاہ قمیص سولہویں صدی میں پہلے گنگوہ میں آباد

ہوئے بعد میں ضلع انبالہ کے قصبہ ساڈھورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی بارہویں پشت سے ایک صاحب سیّد عبدالرحمٰن نوری پیدا ہوئے جن کے دو بیٹے پیر سیّد روشن دین اور پیر سیّد رسول شاہ تھے۔ سیّد عبدالرحمٰن نوری حج پر تشریف لے گئے۔ واپسی پر بصرہ کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی وصیت کے مطابق وہیں دفن کر دیا گیا۔ والد محترم کی وفات کا سن کر ان کے صاحبزادے پہلے بصرہ پھر بغداد شریف گئے۔ واپسی پر اُنہوں نے گولڑہ شریف میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

1815ء میں پیر سیّد روشن دینؒ کے صاحبزادے پیر غلام شاہؒ کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا جس کا نام انہوں نے سیّد نذر دین شاہؒ رکھا۔ جنہیں عام طور پر لوگ ''اجی صاحبؒ'' کے نام سے پکارتے۔ ''اجی صاحب'' نوے سال کی عمر میں 1905ء بمطابق 24 رجب 1324ھ میں وفات پا گئے اور اپنے پیچھے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی چھوڑ گئے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سیّد ولایت شاہؒ، سیّد محمود شاہؒ اور سیّد مہر علی شاہؒ۔ پیر سیّد مہر علی شاہؒ 14 اپریل 1859ء کو اس دنیا میں تشریف لائے جن کے ہاں بابوجیؒ پیدا ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆
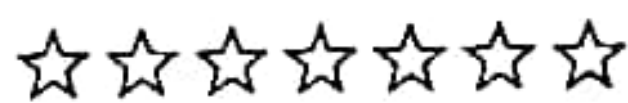
حضرت پیر سیّد نذر دین شاہ ''اجّی صاحب'' کا مرقدِ منورہ

باب اوّل

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین بابو جیؒ گولڑہ شریف

حضرت سیّد غلام محی الدین گیلانیؒ دسمبر 1891ء میں گولڑہ شریف (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہؒ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ جنہیں آپؒ پیار سے بابو جیؒ کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہؒ برصغیر ہندو پاک کے ایک جید عالمِ دین اور کامل ولی اللہ تھے۔ جن کا سلسلہ نسب 39 ویں پشت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ جب صاحبزادہ کی ولادت کی خبر حضرت پیر سیّد مہر علی شاہؒ کو سنائی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ممنون ہیں کہ اس ذات پاک نے انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔ لیکن ان کی خوشی و انبساط اپنے اندر ایک خاص نوعیت رکھتی ہے کیونکہ جس روح کی آمد ان کے ہاں ہوئی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت سے نوازا ہوا ہے۔ یعنی وہ ایک اللہ اللہ کرنے والی روح ہے۔ ان کی یہ بات ہو بہو سچ ثابت ہوئی کیونکہ اس روح یعنی بابو جیؒ نے اپنی پوری زندگی یادِ الٰہی میں بسر کر دی۔

دیکھا جائے تو پیر مہر علی شاہؒ کی یہ ایک طرح کی پیش گوئی تھی۔ جس پر خود بابو جیؒ نے اپنی تعلیمات کی مہر ثبت کر دی ہے جو ان مکتوبات سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اپنے ''سنگیوں'' کو وقتاً فوقتاً لکھے (بابو جیؒ اپنے پیروکاروں کو مرید کہہ کر نہیں پکارتے تھے بلکہ سنگی یعنی دوست کہہ کر پکارتے اور بلا امتیاز ذات پات، رنگ و نسل سب لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھتے تھے)۔

ذیل کا یہ شعر قبلہ بابو جیؒ کی زندگی کا آئینہ دار ہے۔

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
بہر جائیکہ باشی باخدا باش

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لو بلکہ جہاں بھی رہو خدا کو یاد رکھو۔

بابو جیؒ نے رہبانیت کو کبھی بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ خود دنیا میں عملی زندگی کی جو قدر

ومنزلت ہے اس کی جگہ وہ طرز زندگی نہیں لے سکتا جس کی اساس ''جبریت'' پر رکھی گئی ہو۔ انسانی معاشرے کا حصہ بن کر' اس کی تمام الجھنوں کو قبول کرتے ہوئے' اپنے بھرپور سماجی فرائض بجالاتے ہوئے زندگی بسر کرنا اور پھر ایک کامیاب انسان کی طرح ابھر کر سامنے آنا جو کہ روحانی' جسمانی' ذہنی اور اخلاقی طور پر سنت نبویؐ اور شریعت محمدیؐ کا کامل نمونہ پیش کرے' ایک ایسی سچائی اور اعلیٰ منزل ہے۔ جسے حاصل کرنا ہی انسانی مقصود اور معراج ہے۔ سماجی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے جی چرا کر' دنیا والوں سے کترا کر' کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر خدا کی تلاش کرنا کوئی بڑا کارنامہ نہیں۔ جس طرح اصلی جوہر اپنی روشنی سے اردگرد کے ماحول کو اجالا دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ذمہ دار انسان اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دکھی انسانیت کی خدمت کرتا ہے۔ اس جوہر کی مانند اپنے فیض سے بنی نوع انسان کو منور کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو معاشرے سے منقطع نہیں کرتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور خود وہ اپنے آپ کو اس مخلوق کا ایک حصہ سمجھتا ہے۔

ایک فرد کی حیثیت سے ہوں' ازدواجی حیثیت سے ہوں یا لوگوں کے معاملات طے کرتے ہوئے' آپ بابوجیؒ کی ذات اور شخصیت کو چاہے جتنی اکائیوں میں بانٹ دیں وہ ہمیشہ ایک کامل شخصیت کی حیثیت سے ہمارے سامنے ابھر کر آتے ہیں جو ہمیں پندرہویں صدی کے ایک انگریز نقاد سر فلپ سڈنی کے اس عقیدے اور فلسفے کی یاد دلاتا ہے کہ:

''حصولِ کمال اور پاکیزگی سے انسانی وجود محض ذاتِ حق کا عکس ہی نہیں بن جاتا بلکہ وہ بذاتِ خود عینِ حق ہو جاتا ہے۔''

مختلف انتظامی امور کا بجالانا' امتِ مسلمہ کی فکر' لنگر اور رہائش گاہ کا انتظام' گھر میں ایک باپ کی حیثیت سے بچوں کی کڑی تعلیم و تربیت' رات کے وقت ایک ایک دروازے پر جا کر وہاں سے روٹی کے سوکھے ٹکڑے اکٹھے کرنا تا کہ معاشرتی غربت کا اندازہ لگ سکے۔ مفلس و نادار لوگوں کے مسائل معلوم کرنا تا کہ ان کا حل تلاش کیا جا سکے۔ ایک والد' شوہر' آقا اور سخی انسان کے طور پر خاندانی رشتوں کی پاسداری اور اپنے اہلِ خاندان کی گھریلو حاجات کی دیکھ بھال' یہ وہ امور ہیں جن کو یکجا کر کے نبھانے والا فرد ہی معاشرے کا کامیاب حصہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ ان امور کو

اس طرح بخوبی سرانجام دینا کہ دنیا والے اسے اپنا معیار بنالیں۔کمالِ انسانیت کی دلیل ہے۔بابو جیؒ ہمہ گیر خوبیوں کے مالک تھے۔ان کی شخصیت غیر معمولی' یکتا اور لاثانی تھی۔اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بلاشبہ ایک انسان کامل تھے۔

سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ نے اپنے صاحبزادے کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا یہ اس کا ایک پہلو تھا۔دوسرا پہلو روحانیت کا پہلو تھا۔وہ اپنے صاحبزادے کی جس روحانی کیفیت کو اور جذبوں کی گہرائی کو بھانپ سکتے تھے۔وہ اب آشکار ہونے لگیں تھیں یعنی ان کا حال' مستقبل اور اس حتمی سچائی کا ''بتدریج ارتقاء'' جوسب دنیا والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اور اب ایک نظر اس عظیم صاحبزادے کی طرف کہ کس طرح انہوں نے اپنے والد محترم کی اس بات کا بھرم رکھا کہ اپنی ذاتی اور سماجی زندگی پورے خلوص اور لگن کے ساتھ اس طرح بسر کی کہ کوئی بدخواہ دشمن بھی ان کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔دوستانہ ستائش میں جانب داری اور مبالغہ آمیزی کی گنجائش ہوسکتی ہے۔لیکن سب سے زوردار' بے باک اور مصدقہ ثبوت ہمیں نکتہ چینوں اور مخالفین کے اس اعتراف سے ملتا ہے۔جب وہ بابوجیؒ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک مردِ کامل ہیں۔اور ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں۔وہ ایک سچے درویش ہیں۔دوسری طرف بابوجیؒ نے زندگی میں کبھی کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھا۔اگر کسی شخص نے اپنے دل میں ان کے لیے عناد یا منفی جذبہ رکھا تو بھی وہ بابوجیؒ کی عظمت کو تسلیم کرنے کی راہ میں اُس کے آڑے نہ آسکا۔

جب بابوجیؒ اس فانی دنیا سے رحلت کر گئے تو ان کے پیروکاروں کو گہرے رنج والم سے دوچار ہونا پڑا۔اب تو بابوجیؒ کی شخصیت کا ایک اور پہلو نظر آنے لگا۔ان کا ہر سنگی اس قدر غم زدہ تھا کہ گویا بابوجیؒ صرف اور صرف اس کے تھے۔وہ اس کے ہمدرد اور غم خوار تھے وہ دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتا تھا کہ گویا اس دنیا میں بابوجیؒ وہ واحد ہستی تھے جنہوں نے اپنے پیار و شفقت سے صرف اسے نوازا تھا۔یہ ایک ایسا سچا تجربہ ہے جس کا احساس اُس وقت ہوتا ہے جب انسان تنہائی میں اللہ کے ساتھ لو لگانے کے بعد اپنے آپ کو اس کے قریب تر پاتا ہے اور اپنے اندر موجود ابدی بقا کو دریافت کر لیتا ہے۔یا شاید خود بابوجیؒ کو۔

اس قسم کے تجربے کا تجزیہ ہم کچھ اس طرح کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آرٹسٹ خواہ وہ مجسمہ ساز ہو یا ظروف ساز ہو، خام مواد کو ایک شکل دیتا ہے اور اس کے ذریعے نیست سے ہست میں لاتے ہوئے اس موادکو ایک خیال دیتا ہے۔ اس طرح وجود میں آنے والی ہر مخصوص شکل ایک مطلق حقیقت کا ہی اظہار ہوتی ہے۔

اس موضوع کو مزید گہری نظر سے دیکھیں تو عموماً اس قسم کے تجزیے علمی اختلافات کا باعث بنتے ہیں اس لیے مختلف مکاتبِ فکر کے غیر ضروری نزاعِ لفظی سے بچنے کے لیے فقط یہی کہنا کافی ہے کہ بابو جیؒ حق وصداقت کا ایک منفرد اظہار تھے۔

مثلِ تو جُویم ہر زماں ' تا باشدم آرامِ جاں
بے مثل بودی درجہاں ' مثلِ تو پیدا چوں کنم

وقت خود ایک آزمائش ہے۔ زندگی میں انسان کو آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایک عام انسان سے لے کر بزرگ، ولی اور پیغمبر تک اس آزمائش سے گزرتے ہیں۔ عارضی اور وقتی طور پر ان کا تصادم اپنے زمانے کے لوگوں سے ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ لوگ ذاتی شرافت اور اپنی عظمت کا ثبوت دیتے ہوئے ہر آزمائش پر پورا اترتے ہیں۔ اور انہی لوگوں سے اپنی عظمت منوا کر انہی سے تصدیق کی مہر ثبت کروا دیتے ہیں۔ جس کی ایک زندہ مثال خود پیر مہر علی شاہؒ ہیں۔ جن کے نام پر ایسی ہی تصدیق کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔ وہ اپنی حیاتِ ظاہری سے دورِ حاضر تک اپنے کردار و افکار کے ذریعے ہر زمانے میں زندہ جاوید ہو کر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ایک عظیم عالم دین ہیں۔ اور زندگی کی عملی اور روحانی مصروفیات کو سنتِ نبویؐ اور شریعت محمدیؐ کے تابع کر کے روشنی کا مینار ثابت ہوئے ۔لیکن انہوں نے کبھی اپنی زبان سے اپنے آپ کو ولی نہیں کہا۔ اگرچہ ان کا ہر لفظ اور زندگی کا ہر عمل شریعت کے عین مطابق ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ پیر مہر علی شاہؒ بابو جیؒ کو اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتے دیکھ کر فرمانے لگے کہ اگرچہ صاحبزادے گھوڑا دوڑانے میں مصروف ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں بھی مصروف ہیں۔ وہ ایک ایسی روح کا عکس ہیں جو اللہ کو ہردم یاد رکھتے ہیں۔ وہی ان کا ماویٰ و مونس بنا

رہتا ہے۔ جو کچھ پیر صاحبؒ نے اپنے صاحبزادے کی پیدائش پر فرمایا تھا یہ اس تاثیر کا ایک مصدقہ ثبوت ہے اب دراصل وہ اپنے صاحبزادے کے بتدریج روحانی ارتقاء کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جو اپنی پوری رفتار سے جاری تھا۔ اور اُس کی تحسین بھی فرمارہے تھے۔

دوسرے کسی بھی والد کے برعکس جو شاید اپنے بیٹے کے کسی جسمانی یا کسبی کمال کو سراہتا ہو' پیر مہر علی شاہؒ جس خوبی کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ وہ بابو جیؒ کا وہ رشتہ تھا جو اللہ اور ان کے درمیان قائم تھا۔ یعنی وہ اللہ والے بن چکے تھے:۔

ہماری عام نظر جو کہ صرف ظاہری دنیا کو دیکھ رہی ہوتی ہے اور اسی میں منہمک رہتی ہے اس میں وہ سکت نہیں ہوتی جو ایک روحانی نظر دیکھتی ہے اور کسی نتیجے پر پہنچ سکتی ہے۔ جس طرح زر کی پہچان زرگر کو اور جوہر کی پہچان جوہری کو ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کو اللہ والوں کی پہچان ہوتی ہے۔ ایسے لوگ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ جس جوہرِ یگانہ کو وہ تلاش کر چکے ہیں وہ ہمارے اردگرد' ہمارے بیچ موجود ہے لیکن وہ عام لوگوں کو نظر نہیں آتا اور عام نظر سے اوجھل ہے۔

بہ مصداق:۔

یہ لوگ تو نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

یعنی لوگوں کی کورچشمی کے سبب منتخب روزگار لوگ اپنی تمام تر وجاہت کے باوجود ان کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔

دوسرا باب

ابتدائی تعلیم

حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے اپنی پوری توجہ اپنے صاحبزادے کی تعلیم وتربیت پر مرکوز کی اور لائق وفائق اساتذہ انہیں پڑھانے کے لیے مقرر کیے۔

پیر مہر علی شاہؒ خود قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر مذہبی شعبوں میں ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے۔اس کے باوجود اپنے صاحبزادے کے لیے اساتذہ اور اتالیق مقرر کرنا، ذہنوں میں سوال پیدا کرتا ہے کہ ایسا کیوں؟

اگر تجزیاتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کا فلسفہ اپنے وسیع تر پس منظر میں واضح ہو جاتا ہے کہ بابوجیؒ کی تعلیم وتربیت کے لیے دوسرے علماء کو کیونکر ان کا اتالیق مقرر کیا گیا۔

حصول علم کے دوران ایک طالب علم پر کچھ لوازمات عائد ہوتے ہیں جن پر کاربند ہونا ضروری ہوتا ہے۔مثلاً نظم وضبط، ادب آداب، خدمت اور اعتماد وبھروسہ۔جن کے حصول کے لیے سخت ماحول اور عملی تربیت گاہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طالب علم اس ماحول میں رہ کر مذکورہ لوازمات کو بروئے کار لا سکے اور مطلوبہ ہدف پانے میں کامیاب ہو سکے۔اگر پیر مہر علی شاہؒ صاحب ایک والد کی حیثیت سے بیٹے کی تعلیم کی نگرانی صرف اپنی حد تک محدود رکھتے تو شاید پدری شفقت آڑے آتی جو نظم وضبط کے راستے میں رکاوٹ بنتی۔جبکہ یہ کسی بھی شاگرد کی شخصیت کی تراش خراش کے لیے اس کی منزل کا بنیادی زینہ ہوتا ہے۔

درسری اہم بات یہ تھی کہ باہمی احترام کا سماجی اور روحانی رشتہ اور شاگرد اور استاد کا خصوصی تعلق، یعنی استاد اور شاگرد کے درمیان باہمی ترسیل علم کا عمل متاثر ہو سکتے تھے۔اس کے لئے ایک محنت، پابندی، وسعت اور اعلیٰ ضرورتوں پر مبنی انتظام کی ضرورت تھی۔ایک باپ کے لیے استاد کا منصب بھی سنبھال لینا مشکل کام ہے۔یہ وہ بنیادی اسباب تھے جن کی بنا پر والد محترم نے اپنے صاحبزادے کے لیے اتالیق مقرر کیے۔

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گیلانی المعروف بابو جیؒ

آغازِ شباب کی ایک نادر تصویر

علاوہ ازیں پیر مہر علی شاہؒ صرف حضرت بابو جیؒ کے والدِ محترم ہی نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک درویش اور ولی بھی تھے۔ جس کی بنا پر ان کی کچھ دوسری ذمہ داریاں بھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کے ناطے وہ اس کے سامنے جواب دہ بھی تھے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ذمہ داری بھی ان پر عائد تھی۔ یعنی بنی نوع انسان کی خدمت۔ ان کی بھلائی اور رہنمائی۔ ایک طرف آپؒ نے اللہ کے حقوق بھرپور انداز میں ادا کیے یعنی اللہ کی عبادت ذکر اور فکر کے ذریعے روحانی ارتقاء کا حصول' دوسری جانب بنی نوع انسان کی خدمت میں بھی ہمہ تن مصروف رہے۔ ان دونوں حقوق کی بجا آوری میں انہوں نے حد درجہ توازن برقرار رکھا۔ جس کی بنا پر انہوں نے انسان کامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اور اپنے ہمہ جہت کردار کو احسن طریقے سے نبھایا۔

بابو جیؒ کے اساتذہ

حضرت بابو جیؒ نے قرآن مجید کی قرآت قاری عبدالرحمٰن جونپوریؒ سے سیکھی۔ دیگر دینی علوم مولانا محمد غازیؒ سے سیکھے۔ روحانی علوم آپؒ نے اپنے والدِ محترم حضرت پیر مہر علی شاہؒ سے حاصل کئے۔ جنہوں نے ان کی رہنمائی ایک ایسی راہ کی طرف کی جو انسان کو اللہ کی وحدانیت کی طرف لے جاتی ہے۔ ان کے اپنے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جو اساسی اصول انہیں بتائے گئے ان کی اہمیت کا ان اسباق سے پتہ چلتا ہے جو ذیل میں درج ہیں۔

☆ آپ کو اللہ تعالیٰ کا ممنون رہنا چاہیے جس نے آپ کو ایک عظیم عالم دین کی رہنمائی میں علم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔

☆ ہمیشہ پوری عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کریں۔

☆ جب آپ دنیاوی معاملات نبھا رہے ہوتے ہیں تب بھی آپ اللہ کے سچے بندے ہوتے ہیں آپ کو اپنی تخلیق کے متعلق غور کرنا چاہیے۔

☆ ''خلق'' کا عالم اور ''امر'' کا عالم دونوں آپ کے اندر موجود ہیں۔ آپ کا جسم خلق کے عالم سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ آپ کی ''روح'' امر کے عالم سے۔ ''عالمِ کبیر'' کی تشبیہات آپ کے اندر دیکھی جا سکتی ہیں۔''

☆ آپ اپنے اساتذہ، خاندان کے افراد اور ملاقاتیوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں۔

اپنے ایک خط میں پیر مہر علی شاہؒ نے بابو جی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کائنات کے بارے میں "غور و فکر کے ساتھ ساتھ شکر کریں اور پوری چاہ اور لگن کے ساتھ غور و فکر کریں اور اللہ کے ظہور کو محسوس کریں۔" انہوں نے فرمایا کہ بنی نوع انسان اپنی روحوں کے ابلاغ کے ذریعے آپس میں رابطہ قائم کر سکتے ہیں چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ودود یعنی اپنے بندوں سے کے ساتھ پیار کرنے والا نہیں اور کوئی حکیم نہیں جو کہ حاضر و ناظر حکمت والا ہو۔ کل عالم کی اشیاء اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ شدت احساس، خلوص کی گہرائی اور خاموش مشاہدات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ذریعہ ہے جس سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ ارد گرد کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ فہم و ادراک کے ذریعے انسان کا ذہن دنیا کو سمجھنے کے بعد بتدریج انتہائی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ جو ایک عام ذہن کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے کیونکہ عام ذہن الجھتا اور عقل تذبذب میں مبتلا ہوتی ہے۔ ایک انگریز شاعر کیٹس (keats) نے کہا ہے:

"یہ نگاہ (فہم و ادراک) انسانی ذہن جسم اور روح کے باہمی تصرف سے حاصل ہوتی ہے۔ جب خالق اور مخلوق ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک ہو جاتے ہیں۔"

اسی طرح ایک آئرش شاعر کہتا ہے:

"تکمیل کا ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب انسان رقاص اور رقص کے فرق کو نہیں سمجھ پاتا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا باب

بنی آدم از علم یابد کمال
نہ از حشمت و جاہ ومال و منال

بابو جیؒ کا فلسفہ تعلیم

بابو جیؒ کے خیال میں اصل اور حقیقی علم وہ ہے جو انسان کو خدا کا عرفان نصیب کرا دے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان مختلف کثافتوں سے اپنی روح کو پاک کر لے اور روحانی ارتقاء حاصل کر لے لیکن بابو جیؒ دنیاوی علم حاصل کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے مگر دنیاوی علم کا حصول انسان کا اصل مطمع نظر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمہ جہت زندگی کو محض ایک یا دو مقاصد کے لیے محدود نہیں کرنا چاہیے اس کے کئی لوازمات ہیں جنہیں بھرپور انداز میں پورا کرنا چاہیے۔

بابو جیؒ کی اپنی زندگی پوری طرح اسی طرز پر کاربند تھی۔ انکے دنیاوی معاملات، سماجی اور معاشرتی فرائض، روحانی اور مذہبی ذمہ داریاں، پانچ وقت نماز کی ادائیگی، وظائف اور تسبیحات کا ورد غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس میں بابو جیؒ دلچسپی نہ لیتے ہوں اور اسے پورے ذوق وشوق سے ادا نہ کرتے ہوں وہ اپنی زندگی بھرپور انداز میں بسر کرتے تھے۔ ان کی زندگی صبح تا شام چلتے پھرتے، ہمہ وقت اس طرح بسر ہوتی گویا جسم اللہ کی مخلوق کے لیے وقف ہے لیکن روح اللہ کے لیے وقف ہے۔ ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہتے اور وہ بہر جائیکہ باشی باخدا باش کی سچی تصویر بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

انتہائی پیچیدہ نظام قدرت کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی زندگی کی تہہ تک پہنچنے کے لیے جو مسلسل اللہ کی یاد میں بسر ہو رہی ہو۔ لفظ ''باخدا'' کی جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اس کی مزید وضاحت اس واقعہ کی روشنی میں کی جا سکتی ہے جب پیر مہر علی شاہؒ کی ملاقات میانوالی کے جنگلات میں ایک مجذوب سے ہوئی۔ واپسی پر مجذوب انکے ساتھ کشتی میں بیٹھے ایک ندی عبور کر رہے تھے۔

پیر مہر علی شاہؒ نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت ہوا سے بھری ہوئی ربڑ کی ٹیوب کے سہارے

وہی دریا عبور کر رہی ہے۔ اس عورت کی جرأت کو دیکھ کر پیر صاحب حیران ہوئے اور دل ہی دل میں اسے داد دینے لگے۔ عین اس وقت اس مجذوب نے زور کی تالی بجائی کیونکہ اس مجذوب کو معلوم ہو گیا کہ کس طرح پیر مہر علی شاہ کا رابطہ جو انہوں نے اللہ کے ساتھ قائم کر رکھا تھا۔ اس وقت منقطع ہو گیا جب ان کا خیال اس بوڑھی عورت کی طرف مبذول ہو گیا۔ تالی کی آواز محض اس مجذوب کے روحانی رتبے کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ لفظ ''باخدا'' کے فلسفے کی حقیقی نوعیت کو ظاہر کرتی ہے۔

پیر مہر علی شاہ نے فرمایا:

اپنی تمام حرکات و سکنات میں چاہے وہ ایک مسکراہٹ ہو یا اپنے کسی ''سنگی'' کی مدد کرنا ہو۔ اللہ کی رضا چاہو۔'' بابو جی اسی فلسفے کا ہو بہو عکس تھے۔

بابو جی کا قاعدہ تھا کہ وہ رات کو کافی دیر سے سوتے تھے اکثر رات کے کھانے پر سنگی ان کے ساتھ ہوتے۔ انہیں سماجی حقوق کا گہرا احساس ہوتا تھا۔

اگرچہ طبی نقطہ نظر سے رات کو دیر سے کھانا صحت کے لیے مضر ہے اور طبی قواعد اور ضوابط کے لحاظ سے مانع اور خطرناک ہے۔ لیکن سماجی اور روحانی زاویہ سے دیکھا جائے تو ان کا یہ عمل نہایت سود مند تھا۔ ان کے پیش نظر یہ مقصد پنہاں تھا۔ کہ اگر کوئی سنگی دیر سے آئے اور مدد طلب کرے تو اس موقع پر ان کا موجود رہنا ضروری ہے۔ دوسرے اگر کوئی سنگی یا ملاقاتی جلدی فارغ ہو کر واپس جانا چاہتا ہے یا ضروری فوری ملاقات کرنا چاہتا ہے تو بابو جی کی غیر موجودگی اس کیلئے مایوسی کا سبب نہ بن جائے۔ علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے مل سکیں تاکہ انکے مسائل معلوم کر کے ان کا حل تلاش کر سکیں۔

بابو جی پورے وثوق اور یقین کے ساتھ اس نظریے کے حامل تھے کہ ''لنگر'' غوث پاک کا ہے اور ہر شخص جو لنگر کا کھانا کھاتا ہے وہ درحقیقت غوث پاک کا مہمان ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس معاملہ میں ذرہ برابر غفلت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ لنگر کا انتظام بہترین طریقے سے چلتا تھا لیکن یہ بابو جی کا غوث پاک کے لیے حد درجہ احترام تھا کہ انہوں نے لنگر کے انتظام کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ ان کی حب انسانیت کسی ایک فرقہ یا مذہب تک محدود نہیں تھی وہ نہایت وسیع القلب انسان تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی اختلاف کے باوجود وہ ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ

بڑھاتے ہے اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام زبانوں کو سمجھتا ہے اور چونکہ وہ ہر ایک کے دل میں رہتا ہے۔ اس لیے کسی کے جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات ہماری دینداری کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور خدا کی ناراضگی کا سبب بن سکتی ہے۔ تمام بنی نوع انسان خدا کی مخلوق ہیں۔ وہی ان کا مسبب الاسباب اور سہارا ہے۔

کوئی شخص مسلمان یا غیر مسلم جب اللہ سے تعلق قائم کرتا ہے یا اللہ کے بارے میں کوئی بات کرتا ہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر اور موجود ہے۔ عموماً لوگ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں البتہ ایسا ضرور ہے کہ وہ ذات حقیقی کو کلی طور پر سمجھ نہیں پاتے اور نہ ہی مکمل طور پر عرفانِ ذات حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنی ذہانت اور قابلیت کا درست استعمال کرے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے ساتھ ہم آہنگ کرے۔ قرآن حدیث، تفسیر اور فقہ کا پڑھنا حقیقی علم کہلاتا ہے۔

علم ... صاحبِ کمال

فقہ و تفسیر ... احادیث رسولؐ

یہ کائنات کتاب کی مانند ہے۔ اسکے مطالعے سے اسکے اسرار و رموز آشکار ہوتے ہیں جن سے ہماری رہنمائی ہوتی ہے لیکن اسے سمجھنے کے لیے عقل کی گہرائی اور قلب کی وسعت کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(پارہ ۲۷۔ سورۃ الذاریات۔ آیت ۵۶)

"یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا" یہ ایک پاکیزہ فریضہ ہے۔ جو انسان کو سونپا گیا ہے۔ تحصیل علم کے دوران تخلیق کا مقصد اپنے ذہنوں میں موجود رکھنا چاہیے۔ علم وہ جو انسانیت کی خدمت کرنا سکھائے۔

علم وہ جو انسان کو خودغرضی اور محدود سوچوں سے آزادی دلائے۔ حقیقی علم بے غرض سوچ

اور گہری نظر پیدا کرتا ہے۔ وہ انسان کو اپنی محدود ذات کے شکنجے سے نکال کر کائناتی سوچ وفکر عطا کرتا ہے۔ اور یوں وہ ذرے سے آفتاب بن جاتا ہے۔

علم یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ''نابود'' سے ''بود'' بنایا۔ اس لیے مخلوق کا فرض بنتا ہے کہ وہ خالق کی مخلوق کا بغور مشاہدہ اور مطالعہ کرے جبکہ خود انسان اللہ تعالیٰ کی عجیب تخلیق کا نمائندہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا شاہکار بھی ہے۔

حقیقی تعلیم کی بنیاد یقین اور ایمان ہے۔ علم کا حصول تمام مسلمانوں کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ سعدیؒ نے فرمایا:

؎ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

''یعنی علم کے بغیر انسان خدا کو نہیں پہچان سکتا''

علم وجود اور ہستی کے اسرار ورموز کا ادراک عطا کرتا ہے اور انسان وخدا کے درمیان حقیقی رشتے کو آشکارا کرتا ہے۔ جس میں ارکان ایمان اور ارکان اسلام لازمی جزو ہیں۔ دوسری قسم کا علم تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ انسان کے دو نفس ہیں۔ بلند اور پست۔ بلند نفس کو النفس الناطقہ اور پست نفس کو النفس الحیوانیہ کہتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

موتوا قبل ان تموتوا

''یعنی مر جاؤ اس سے پہلے کہ تمہیں موت آجائے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس حیوانیہ کو نفس ناطقہ کے تابع کرنا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے نفس کے علم کے بارے میں فرمایا:

من عرف نفسه فقد عرف ربه

''یعنی علم کا ایک درجہ یہ ہے کہ جس انسان نے اپنے نفس کو پہچان لیا گویا اس نے اللہ کو پہچان لیا'' وہ نفس جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ابتدائی معاہدے کا پاس رکھا ''**الست بربکم قالوا بلیٰ**'' ''یعنی جب اللہ نے اپنی مخلوق سے یہ سوال کیا'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' پوری مخلوق

نے جواب دیا۔ ''بے شک تو ہمارا رب ہے'' جس نفس نے اس دنیا میں اپنے وعدے کو پورا کیا اس نے عرفان حاصل کرلیا۔ تخلیق کا اصل مقصد عرفان حاصل کرنا ہے۔ جب عرفانِ نفس حاصل ہو گیا تو یہی عرفانِ رب ہے اور عرفانِ رب ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ حدیث قدسی ہے:

کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف

''یعنی میں ایک چھپا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ اسے آشکارا کروں اس لیے میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ وہ مجھے پہچانیں''

عبادت کے ذریعے انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا سکتا ہے۔ اور نفس ناطقہ کو اپنے تابع کرسکتا ہے۔ اور نفس مطمئنہ کا درجہ حاصل کرنے کے بعد اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر دیتا ہے اور نہایت مسرت وانبساط کے ساتھ اپنے رب کی جانب لوٹ جاتا ہے۔ ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یایتھا النفس المطمئنۃارجعی الیٰ ربک راضیۃمرضیۃفادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

(پارہ ۳۰۔ سورۃ الفجر۔ آیات ۲۷۔۳۰)

''یعنی اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف چل۔ اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ پھر (اُدھر چل کر) تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا کہ (یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور میری جنت میں داخل ہو جا''

☆☆☆☆☆☆☆

وحدت الوجود

چشم یکشا کہ جمال یار ہیں

ہر طرف ہر سو رخ دلدار ہیں

من ندیدم غیر جاناں در جہاں

در حقیقت رؤیت پیدا و نہاں

بابو جیؒ نظریہ وحدت الوجود (یعنی وجود صرف ایک ہے) پر کامل یقین رکھتے تھے۔ بقول اُن کے اس کائنات کے مختلف صورتوں میں رونما ہونے والے تمام اعمال کے پس پردہ اللہ تعالیٰ کی اٹل اور ابدی مرضی کارفرما رہتی ہے۔ ایک ہندو فلسفی کہتا ہے۔

بھیک سمندر بھاپ اُڑے بادل بن آئے

ندی نالے بن بہے پھر سمندر بن جائے

یعنی سمندر سے بادل بنتے ہیں اور بادل سے بارشیں ہوتی ہیں جن سے ندی نالے بنتے ہیں اور پھر وہی ندی نالے واپس بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں۔

چوں حباب از قید خود واں میشود

رابست میگویم (که) دریا می‌شود

مولائے رومؒ اس صداقت کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش

باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

یعنی جو کوئی اپنے مرکز سے دور چلا جاتا ہے پھر لوٹ کر اس سے آملتا ہے اور یکجا ہو جاتا ہے ذریعہ ایک ہی ہے اس میں دوئی کی کوئی گنجائش نہیں مظاہر قدرت کئی ہیں لیکن موجود وجود سے مختلف ہے۔

جب ذاتِ باری کے "عیاں" ہونے کا مقام آجائے تب ہم اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر لیتے
ہیں تو اس مشاہدے کے وقت فقط ذاتِ واحد کا جلوہ ہوتا ہے کوئی دوسرا وجود موجود نہیں ہوتا۔ فقط
ایک ذاتِ حقیقی ہوتی ہے جو تمام موجودات کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ اس معنی میں حاضر و ناظر ہے کہ وہ مظاہرِ قدرت میں لامحدود حد تک موجود ہوتا
ہے۔ وہ اصل حقیقت اور چیزیں اس کا عین ہیں۔ لیکن وہ خود اس مادی کائنات تک محدود نہیں۔
محبوب کے دل میں رہتا ہے اور شاہ رگ سے بھی قریب تر۔ البتہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہر چیز اللہ کی ذات
ہے بلکہ ہر چیز اس کی "عین" ہے مگر [illegible]

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنهار لآیٰت لاولی
الالباب [illegible]

(پارہ ۴۔ سورت آلِ عمران۔ آیت ۱۹۰)

یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق اور رات اور دن کی تبدیلی میں عقلمندوں کیلئے نشانیاں ہیں۔
اسی طرح عناصر اربعہ اور سات آسمان ہمارے اندر موجود ہیں۔ بیرونی دنیا چھوٹی دنیا ہے
جبکہ ہماری اندر کی دنیا بڑی دنیا ہے۔ اللہ نے سب کچھ ہمارے اندر ودیعت کر رکھا ہے۔ ہم اپنے
اندر جھانک کر اس بڑی دنیا کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ [illegible]

[illegible] الٰہی کیا کیا تو نے کہ عالم میں تلاطم ہے [illegible]
[illegible] غضب کی ایک مشتِ خاک زیرِ آسماں رکھ دی [illegible]
[illegible] (اصغر گونڈوی)

یعنی اے اللہ تو نے ایک مٹھی بھر خاک آسمان کے نیچے رکھ دی جس نے پوری دنیا میں
طوفان برپا کر دیا۔ [illegible]

ہر طرف تجلیات ہیں [illegible] ہر شخص تو عالم تحیر میں مبتلا ہے ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہ ہو۔
ایک عجیب سا سماں ہے۔ محدود سے محدود میں بھی کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ لیکن جو دلکشی اور مسرت
حقیقت میں موجود ہے وہ بالکل مختلف ہے [illegible]

قد کان و ما معہ ماکان من الاکوان

الآن کما کان مشہودِ دلِ زارم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں پس وحدت سے کثرت وجود پذیر ہوئی۔ابتدا میں صرف وحدت موجود تھی ۔لیکن باوجود انتہائی ''ظہور پذیری'' کے ذاتِ حقیقی' ذاتِ حقیقی ہی رہتی ہے۔اللہ کی ذات ایک ان دیکھی (نا دیدہ) حقیقت ہے جو ہماری دنیاوی سمجھ سے بالاتر ہے۔دنیا کی تمام ترمخلوقات اُس ذاتِ یکتا سے نکلی ہیں جودائم ہے۔وجودِ ذاتِ باری فقط طبعی مشاہدے سے نظر نہیں آ تا لیکن ہماری روحانی آنکھ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کو دیکھ سکتی ہے جو کائنات میں اپنے آپ کو مختلف رنگوں میں ظاہر کرتا ہے۔

ذات او بے رنگ و رنگش صد ہزار

روئے او ہر آن دارد صد بہار

یعنی رنگ سے یہاں مراد ہے پاکیزہ ذات اور وحدت مطلق جس میں کوئی رنگ موجود نہیں انفرادی تعین یا محدودیت موجود نہیں ۔تخلیق لحہ بہ لحہ رونما ہوتی ہے اور ہر لحہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ایک مرتبہ محبوب قوال نے بابو جیؒ سے وحدت اور کثرت کی وضاحت کرنے کی درخواست کی۔جس پر انہوں نے جواب دیا کہ ایک وقت آئے گا جب وہ اس معاملے کو خود جان جائیگا۔کچھ عرصہ بعد محبوب نے خواب میں دیکھا کہ پیر مہر علی شاہؒ کا مرقد منور شق ہوتا ہے۔اور ان کی شبیہ کی مانند کئی شبیہیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور یہ عمل جاری رہتا ہے لیکن اصل شبیہ مبارک ویسی کی ویسی قائم ودائم رہتی ہے۔اس منظر کو دیکھ کر محبوب کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

با تو گویم سّرِ اسرارِ نہاں

اے برادر نقش را نقاش دان

یعنی نقش کو اس طرح دیکھئے جیسے نقاش کیونکہ یہ نقش بتاتا ہے کہ کوئی نقاش ہے جس نے یہ نقش بنایا ہے۔جب دین کا فہم کامل ہو جائے تو آپ کو اللہ کے سوا دوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔مثال کے طور پر سورج چوتھے آسمان پر موجود ہے۔پانی بھرا جگ دھوپ میں رکھ دیں اسکی گرمی سے پانی

گرم ہو جائے گا۔ اصل وجود صرف ایک ہے اور یہ سچ ہے کہ اصل اصل ہوتا ہے اور نقل نقل۔ سبھی اسکا پرتو ہیں۔ وہی اوّل ہے اور وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن (پوشیدہ) ہے۔ پس کون موجود ہے اور کہاں؟ اس لیے حیرت ہوتی ہے اور ہماری عقل اسکو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لیے کہ یہ محدود ہے۔ ذاتِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا۔ یہ کائنات مثلِ آئینہ ہے جو اس ذات حقیقی کے عکس کو ظاہر کرتی ہے۔

ایک یورپین لیڈی ٹیچر سلیمان حیات دادا (جو کہ حضرت مولانا رومؒ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں) سے ایک تعارفی خط لے کر آئی تھیں ان کے سامنے بابو جیؒ نے ذیل کے یہ اشعار پڑھے۔

چند باشی عاشق صورتِ بگو
طالب معنیٰ شو و معنیٰ بجو
صورت ظاہر فنا گردد بداں
عالم معنیٰ بماند جاوداں
گفت المعنیٰ ہو اللہ شیخ دیں
بحر معنیٰ ہاست رب العالمیں

یعنی ہر لفظ کا ایک معنی ہوتا ہے ساری کائنات الفاظ کے مانند ہے اور اسکے پس پردہ اسکا معنی اللہ ہے، جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے بیان کیا ہے۔ اللہ کے سوا سب الفاظ ہیں۔ آپ کو تصاویر کے ساتھ محبت ہو گئی ہے (جو کہ وجود کا بیرونی عنصر ہے یعنی وجود اعتباری ہے۔) سیپی سے موتی حاصل کیجئے۔ وجود اعتباری غائب ہو جائے گا لیکن وجودِ حقیقی (اندرونی وجود) لافانی ہوگا۔ بابو جیؒ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

کفر و دیں ہر دو حجاب رُوے اُو

یعنی کفر اور دین دونوں اسکے چہرے کے پردے ہیں۔ کفر تقید ہے وہ محدود ہوتا ہے جبکہ دین اطلاق ہے یعنی حقیقت مطلق اور وہ ذات اطلاق میں ہوتی ہے یعنی ذاتِ مطلق۔ تقید جہنم ہے جبکہ اطلاق جنت۔

[illegible] ذاتِ مطلق کا اظہار مسلسل ہوتا رہتا ہے۔ وہی اصل حقیقت ہے جب لہر ظاہر ہوتی ہے اسکا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور آخر کار سمندر میں جذب ہو کر رہتی ہے اور سمندر کا ایک جزو لاینفک بن جاتی ہے اور ظاہر ہوا کہ وہ لہر نابود نہیں ہوئی بلکہ اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے اصل ذات صرف اللہ کی ہے۔ بڑ کے درخت کا بیج چھوٹا سا ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ اس چھوٹے سے بیج سے پندرہ ہزار شاخیں پھوٹتی ہیں تو یہ بات ذہن کے لیے بظاہر قابل قبول نظر نہیں آتی یہ بیج زمین میں چھپا ہوا ہے جبکہ اسکی شاخیں اور پتے نظر آتے ہیں۔ بیج کے اپنے قاعدے ہیں اور پتوں اور شاخوں کی اپنی خصوصیات ہیں۔ اللہ اللہ ہے اور انسان انسان ہے۔ مشاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ [illegible]

لاالہ الا اللہ ھو الاول ھو الآخر ھو الظاہر ھو الباطن

چند [illegible] اسماء [illegible] یک وجود

[illegible] اشارہ [illegible] کنایہ [illegible] نمود

اگر آپ اپنے آپ کو فنا کر دیں تو آپ فنافی اللہ ہو جائیں گے اور اسکے ساتھ یکجا ہو جائیں گے۔ یہ اسرار صرف اولیاء اللہ کی صحبت میں رہ کر کھولے جا سکتے ہیں۔ [illegible]

راہِ مرداں براہ تجلی آمدہ است

[illegible] منزلش تجرید [illegible] تفرید [illegible]

[illegible] کارگری [illegible] جائے [illegible] باشی [illegible] نشست [illegible]

[illegible] بیرون [illegible] زود [illegible]

[illegible] یعنی [illegible]

تا بہ بینی [illegible] صنع [illegible] صانع [illegible]

[illegible] (رومیؒ)

کارخانہ قدرت: کار کن کارخانہ حیات میں بستے ہیں جو شخص جو یہاں نہیں بستا وہ اللہ کی ذات کو نہیں جانتا تو پھر اس کارخانہ لاوجود میں آجائیں تاکہ آپ کاتم اور کارکن دونوں کے متعلق بیک وقت غور کر سکیں۔ [illegible]

اولیائے کرام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کثافتوں سے اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں اور صرف ایک اللہ کو مانتے ہیں اور اپنے آپ کو اس ذات میں جذب کر لیتے ہیں۔ چونکہ دل اللہ تعالیٰ کی آماجگاہ ہے اس لیے کسی اور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ روحانی رفعت حاصل کرنے کیلئے اللہ کی محبت پر کسی دنیاوی خواہش یا منفعت کو اثر انداز نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے کثافتوں سے پاک، خالص اور بے لوث تسلیم و رضا پر مبنی ہونا چاہیے۔

[illegible] در [illegible] مقید [illegible] آیت [illegible] مطلق [illegible] نگر [illegible]

[illegible] ہم [illegible] بچشم [illegible] حق [illegible] بسوئے [illegible] حق [illegible] نگر [illegible]

اس دنیا میں اپنے اردگرد ذات حقیقی کے حسن کے ظہور کو غور سے دیکھئے پاکیزہ نظر سے اللہ کی جانب دیکھئے اس ابدی روح کو مظاہر قدرت میں دیکھئے آپ ضرور اسے پالیں گے۔

8 جون 1940ء کے اپنے ایک خط میں بابو جیؒ نے لکھا ہے "وہ یعنی اللہ تعالیٰ میرا مالک ہے وہ ہمہ وقت میرا ہمدم ہوتا ہے۔ میں اسکی پناہ میں ہوتا ہوں اور وہی میری مدد فرماتا ہے۔ وہ میری پریشانی میں مجھے سہارا دیتا ہے۔ خدا کرے میں ایک سیکنڈ مزید زندہ نہ رہوں اگر میں اسے بھول جاؤں اگر مجھے اپنی خدمت کی تائید ایزدی حاصل ہو جائے تو میں اپنی منزل پالوں گا۔"

[illegible] گفت [illegible] المعنیٰ [illegible] ہو [illegible] اللہ [illegible] شیخ [illegible] دیں [illegible]

[illegible] بحر [illegible] معنی [illegible] پاست [illegible] رب [illegible] العالمین [illegible]

حرف ظرف آمد درو معنی چو آب [illegible]

بحر معنی عنده ام الکتاب

مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی مثنوی جلد اول میں یوں لکھتے ہیں "ہاروت اور ماروت کو اپنی پاکیزگی پر کس قدر بھروسہ تھا انہوں نے چاہا کہ لوگوں میں گھل مل جائیں اور یوں وہ نفسانی خواہشات کے چنگل میں پھنس گئے"۔ شیخ دین جو خود مولانا رومؒ ہیں فرماتے ہیں کہ "حقیقت صرف اللہ کی ذات ہے یعنی روحانی حقیقتوں کا سمندر ہے جسے رب العالمین کہا جاتا ہے اور ام الکتاب لوح محفوظ کو کہتے ہیں جہاں سے احکامات صادر ہوتے ہیں۔

حقیقت کے مقابلے میں مجاز بہت کمزور ہے۔آسمان کی حقیقت نے اسے اوندھے پیالے کی طرح رکھا ہوا ہے۔عرش کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کونسی شے ہے جو جسم کو حرکت میں لاتی ہے اور اسے روح کہا جاتا ہے؟ اور روح کیا شے ہے وہ ''امر ربی اور وہی حقیقت ہے بادِ صرصر کے پیچھے بھی ''امر ربی'' ہے جو ایک طرف قوم عاد کی تباہی کے لیے بنائی گئی تو دوسری طرف اسی قوم کے نیک بندوں کے سکون کے لیے سبب بنی۔

شیخ دین نے جو خالق کائنات کی روحانی حقیقتوں کا سمندر ہیں کہا کہ حقیقت اللہ ہے۔

شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربیؒ اسلامی فلسفے کی روح کا اس طرح احاطہ کرتے ہیں اگرچہ انہیں وحدت الوجود نظریے کا راسخ پیروکار سمجھا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

الرب رب وان تنزلُ والعبدُ عبدُ وان ترفع

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر حال میں رب ہی رہتی ہے یعنی مالک اور انسان اپنے کامل ترین عروج میں بھی انسان ہی رہتا ہے یعنی غلام اور تابع۔ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب ایک عارفِ روحانی وجود میں جذب ہو کر اپنی شناخت کھو بیٹھتا ہے اور یوں خالق ومخلوق کا فرق مٹ جاتا ہے۔انسان بطور ایک بشر کے مسجود ملائک بن جاتا ہے۔اور اس قابل بن جاتا ہے کہ تمام فرشتے اسے سجدہ کرنے لگیں جب یہ انسان تخلقوا باخلاق اللہ (یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کی ہو بہو پیروی کرو) کو اپناتا ہے تو اس کائنات کی تمام قوتیں اسکے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔اور وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں،انسان کے سامنے نہیں۔

آدمی چوں نور گیرد از خدا
ہست مسجود ملائک ز اجتبا

حضرت موسیٰؑ نے ایک درخت میں نور نکلتا ہوا دیکھا یہ خدا نہیں تھا اسکے باوجود آواز آئی (انا الحق) میں تمہارا خدا ہوں۔اگر ایک درخت کو یہ شرف بخشا گیا کہ وہ نور کو ظاہر کرے اور اسکو حق دیا گیا کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ خدا ہے تو ایک انسان جب جذب کی صورت اختیار کر لے تو اسے کیونکر ایسے حق سے محروم کر دیا جائے۔

روا باشد اناالحق از درختے

چرا نبود روا از نیک بختے

بقول رومیؒ اس قسم کی کیفیت کو وجدانی کیفیت کہتے ہیں جب لوہے کو آگ پر خوب گرم کر دیا جائے تو وہ آگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اور اپنا رنگ بھی بدل لیتا ہے اگر چہ ہم اسے آگ نہیں کہہ سکتے تاہم اسکے اندر آگ کی تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں اللہ کی ذات میں فنا ہو جانا کچھ اسی قسم کی کیفیت کا نام ہے۔

رنگ آھن محو رنگ آتش است

ز آتشے ے لافد و خامش وش است

نظریہء وحدت الوجود کو حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ نے یوں واضح فرمایا ہے:

''لفظ عین'' اپنے اندر دو چند مفہوم رکھتا ہے پہلا مفہوم یہ ہے کہ شے جو اپنے حقیقی معنوں میں بیان ہو جیسے: الانسان یعنی انسان۔دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کسی شے کا اپنا وجود کسی دوسرے وجود کا مرہون منت ہو۔اس طرح اگر ایک وجود غائب ہو جائے تو دوسرا خود بخود غائب ہو جاتا ہے اس مثال سے نظریہ وحدت الوجود اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔بابو جیؒ اس قسم کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے کہا ہے: اوجد الاشیاء وھو عینھا انہوں نے ''وھو عینھا لکھا ہے۔''ھی عینہ'' نہیں لکھا قرآن پاک کی آیت ملاحظہ فرمائیے۔

سنریھم آیتنا فی الآفاق وفی انفسھم ۔حتی یتبین لھم انہ الحق

(پارہ ۲۵۔سورۃ حم السجدہ۔آیت ۵۳)

جلد ہی ہم ان کو دُنیا میں اور اُن کو اپنی جانوں میں، اپنی نشانیاں دکھا دیں گے تا کہ وہ جان جائیں کہ حق کیا ہے۔ایک اور جگہ ملاحظہ کیجیے۔

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون

(پارہ ۲۶۔سورۃ الذاریات۔آیت۔۲۱۔۲۰)

یعنی اس دنیا میں مومنوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں۔اور آپ کے اپنے نفس میں بھی کیا آپ ان کو دیکھتے نہیں۔

پانچواں باب

جبر وقدر

اپنی تدریس کے دوران بابو جیؒ نے اپنے والد محترم سے جبر وقدر کے بارے میں پوچھا جس کا جواب آپ نے یوں دیا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہوا ہے لیکن ان کو بروئے کار لانے کیلئے ایک حد مقرر ہے۔ عقیدہ جبر وقدر کے قائل لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کی مثال ایک پتھر کی سی ہے جبکہ اس کا احتساب اس کے موہوم اختیار کے مطابق کیا جائے گا۔ چند برس بعد یوں ہوا کہ بابو جیؒ بمبئی تشریف لے گئے اور انہیں ایک سرکس شو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک سرکس والے نے ایک بہت بڑا وزنی پتھر اٹھالیا اور یہ کمال اس نے باقاعدہ مشق کے ذریعے حاصل کیا تھا اسکے بعد بابو جیؒ کا ذہن ''اختیار'' کے بارے میں صاف ہوگیا اگرچہ اس مذکورہ شخص کے اس عمل میں بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل تھی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔

مختار فی افعالہ مجبور فی اختیارہ

یعنی انسان اپنے افعال اعمال میں بااختیار ہے جبکہ اپنے اختیار میں مجبور ہے۔

بل قضا حق ست وجہد بندہ حق
ہیں مباش اعور چو ابلیس خلق

(رومیؒ)

یعنی جبر وقدر دونوں حق ہیں لیکن ہمیں شیطان کی مانند یک بین نہیں ہونا چاہیے۔

''اختیار'' کو واضح کرنے کے لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کمرے کو اسکے دروازے اور روشن دان بند کر کے تاریک کر دیا اور فرمایا کہ اس کمرے کو تاریک کرنا میرے قبضہ قدرت میں ہے لیکن سورج کی شعاعوں کا رُخ موڑنا میرے اختیار سے باہر ہے۔

میاں محمد بخشؒ صاحب جنہوں نے ''داستان سیف الملوک'' لکھی ہے وہ فرماتے ہیں۔

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پُھل لانا لاوے یا نہ لاوے

یعنی مالی کا کام پودوں کو پانی سے خوب سیراب کرنا ہے لیکن پھل اور پھول پیدا کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ایک مرتبہ بابو جیؒ نے پیر مہر علی شاہؒ سے حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کا مطلب پوچھا۔

بخدا کہ رشکم آید بدو چشم روشن خود
کہ نظر دریغ باشد بہ چنیں لطیف روے

یعنی شاعر ان نگاہوں پر رشک کرتا ہے جو ان خوبصورت چہرے پر پڑیں اور اس سے اسکی چمک حاصل کی اور ایسے ہی دوبارہ نگاہ ڈالنے کی خواہش رکھتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ علماء سے رجوع کریں۔ علماء جواب دینے سے قاصر رہے۔ انہوں نے دوسری بار پوچھا پھر وہی جواب پایا جب انہوں نے تیسری بار پوچھا تو جواب ملا کہ ایک وقت آئے گا جب وہ خود اس سوال کا مطلب سمجھ جائیں گے۔

اپنے وصال کے کچھ عرصے بعد حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ نے منشی عبدالجبار سے خواب میں پوچھا کہ ان کا تابوت مرقد انوار میں اس قدر گہرائی میں کیوں رکھا گیا ہے۔ تابوت تقریباً 13 فٹ گہرا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ مرقد کو کھولا گیا اور تابوت باہر نکالا گیا۔ حضرت اعلیٰؒ کے تابوت میں ایک دراڑ تھی جس میں سے حضرت بابو جیؒ نے جھانک کر دیکھا تو انہیں حضرت اعلیٰؒ کی پیشانی مبارک سے ایک شعاع نور اٹھتی دکھائی دی جو بجلی کی چمک سے مختلف تھی۔ علاوہ ازیں تابوت سے ایک ایسی خوشبو آ رہی تھی۔ جو مشک و عنبر سے بھی بہتر تھی بابو جیؒ نے فرمایا کہ یہ نور دیکھتے ہی مجھے حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کی سمجھ آ گئی اور فرمایا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل غیر جانبدارانہ ہے اور اس میں اپنے والد محترم کی شخصیت پرستی نہیں ہے بلکہ یہ ایک باخدا ہستی کی طرف سے مشاہدۂ حق کا بیان ہے۔ فلسفہ وحدت الوجود کو قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ ذات

الٰہی کی ہمہ گیری کا اظہار کرتی ہیں۔

''ھوالاول ُوالآخر ُوالظاھر والباطن

(پارہ ۲۷۔سورت الحدید۔آیت ۳)

یعنی وہ ذات اول ہے۔آخر ہے۔ظاہر بھی اور باطن بھی (پوشیدہ) بھی۔

اینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ

(پارہ اول۔سورت البقرہ آیت۔۱۱۵)

یعنی جس سمت آپ اپنا رخ کریں وہاں آپ اللہ کو پائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی وحدت الوجود کے نظریے کو قرآن حکیم سے ماخوذ سمجھتے تھے اور ان کا فرمانا تھا کہ وہ اسے قرآن اور حدیث پاک سے ثابت کر سکتے ہیں۔مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں لکھا ہے کہ ذاتِ حقیقی کا عرفان سچے عارف حاصل کر سکتے ہیں۔اور یہ اس فلسفہ وحدت الوجود کے عین مطابق ہے جسے قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

آنا جانا رہے مدینے کا۔ سانس جب تک کہ آتی جاتی ہے
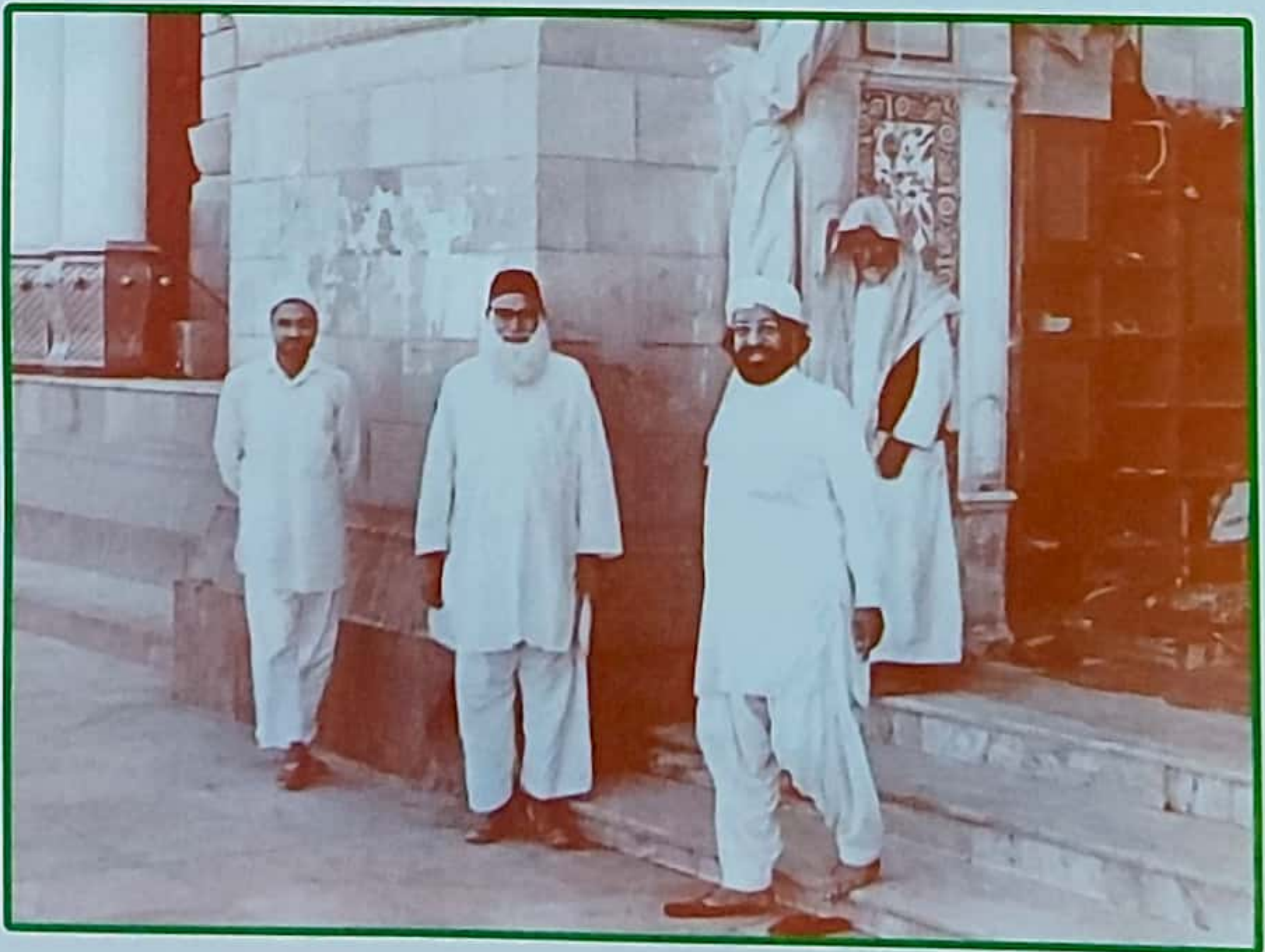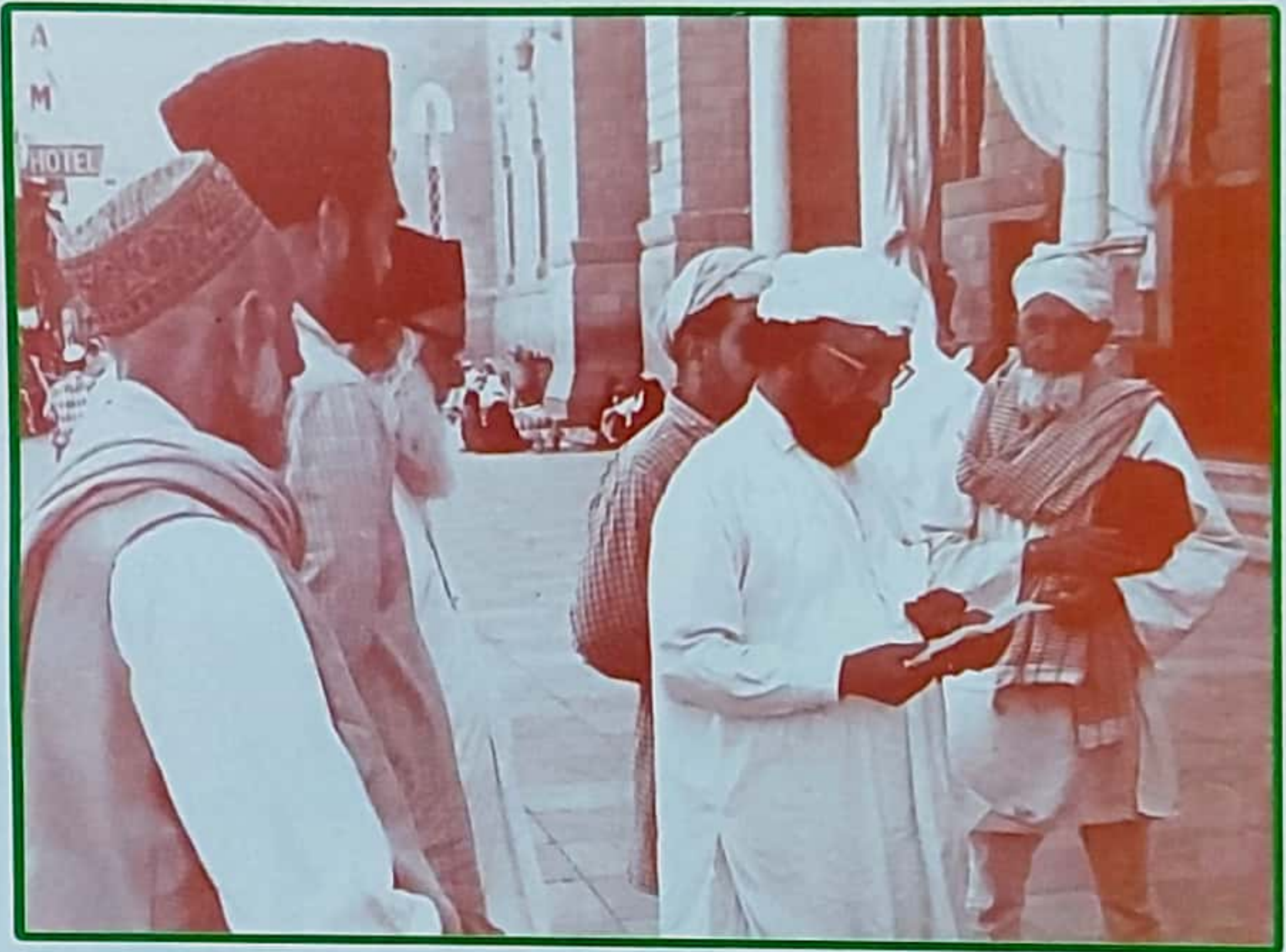
حضرت بابوجیؒ مسجدِ نبویؐ میں جاتے اور آتے ہوئے

چھٹا باب

آباد خدا رکھے میخانہ محمدؐ کا

بابو جیؒ کا عشقِ رسول ﷺ

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم (3/31)

(پارہ ۳۔سورت آلِ عمران۔آیت۔۳۱)

"اے نبی کہہ دیجیے۔اگر تم اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

(پارہ ۱۷۔سورت الانبیاء۔آیت ۱۰۷)

مجسم مہر و محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

حضورؐ پاک اس دنیا میں مہر و کرم کا نمونہ بن کر تشریف لائے۔بنی نوع انسان کو جھوٹ کی زنجیروں سے آزاد کیا۔دنیا کی اصل حقیقت سے روشناس کرایا۔اور خدا اور انسان کے درمیان نیکی اور اسکی پوشیدہ قدر و منزلت کے رشتے کو دریافت کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جبکہ وہ خود بھی اس رشتے کا مظہر اور روح رواں تھے۔اسلئے حضور پاکؐ کے ساتھ محبت کرنا بعینہ ایسا ہے گویا اللہ کے ساتھ محبت کرنا ہے۔

بابو جیؒ نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔اسی طرح حضور پاک کی یہ صفت ہے کہ وہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں۔آپ گنہگاروں کیلئے بھی بے حد شفیق ہیں بشرطیکہ ان کی نسبت درست ہو۔زر اور زمین انسانی خلوص کی کسوٹی نہیں بن سکتے اللہ کے ساتھ لو لگا کر انسان اپنے آپ کو اسکی نظر کرم کا مستحق ٹھہرا سکتا ہے۔وہ انسان کے دل کو دیکھتا ہے ظاہری شکل و صورت کو نہیں۔اللہ کی رحمت پردۂ ظاہر سے کہیں آگے کی چیز ہے۔

بابو جیؒ کے دل میں حضورؐ پاک کے لیے بے پناہ محبت جاگزیں تھی یہی محبت انہیں بار بار

مدینہ منورہ کھینچے لیے جاتی تھی اور وہاں قیام کے دوران وہاں کے جانوروں تک کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے ۔ بابو جی کو حضور نبی کریم ﷺ سے اس قدر والہانہ محبت تھی کہ جس اخبار پر حضور ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہوتا تھا آپ اسے اپنی نشست یا بستر ے سے نیچے کی سطح پر رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

18 مئی 1964ء کے اپنے خط میں بابو جیؒ نے مولوی گل فقیر احمدؒ کو ذیل کے یہ اشعار لکھے:

ترے عشق نے راہ تیری دکھائی
بھٹکتی رہی عمر بھر پارسائی

☆

مجھے لے چلا وہ جو تیرا جنوں تھا
وگرنہ کہاں تھی وہ منزل یہ راہی

یہ حضور پاک ﷺ کا عشق ہی تو تھا جس نے ان کی نگری کا راستہ دکھلایا جس کی بدولت وہ اپنی منزل پا گئے۔

تری مست آنکھوں میں جادو تھا ایسا
لٹی اک نظر سے خدا کی خدائی

محبوب کی مست نگاہوں کے جادو نے ساری دنیا کو بے خود کر کے لوٹ لیا یعنی اپنا بنا لیا اسی ذاتِ پاک کی تعریف میں شاعرِ رسالت یوں رقم طراز ہیں:۔

واحسن منک لم تر قط عینی
واجمل منک لم تلد النساءُ

آپ ؐ سا کوئی حسیں آنکھ نے دیکھا نہ سنا' اور جمیل آپ ؐ سا واللہ کسی ماں نے نہ جنا۔

حضور پاک ﷺ کی محبت اور احترام میں شاعر کے بھرپور جذبات واحساسات اپنے اندر ایک غیر معمولی عمق اور گہرائی سمیٹے ہوئے ہیں۔ سیرت و کردار کے اعتبار سے اور نہ ہی جمال کے اعتبار سے حضورؐ پاک کا کوئی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ بابو جیؒ نے اس حدیث پاک کے مطابق سرتاپا عاشق رسول بن جانے کا درس دیا۔

لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین

(بخاری شریف)

ایمان کی پہلی شرط حبِ رسولؐ ہے اور اس طرح کہ وہ ماں باپ اور تمام انسانوں کی محبت سے بھی زیادہ گہری ہو۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا ایمان ناقص ہے۔

بادلِ پُر درد یادِ دوست کُن

پُر ز یادِ دوست مغز و پوست کُن

ایک درد والے دل سے یعنی سوز و احساس کی شدت کیساتھ محبوب کو یاد کرو اور اپنے ذہن اور تن کو محبوب کی یاد سے معمور کر لو۔ مقصد یہ کہ محبوب کے خیال کے سوا کوئی اور خیال باقی نہ رہے اور اہل ایمان کیلئے حقیقی محبوب آنحضور ﷺ ہی ہیں۔ یعنی تمہارا ایمان تب مکمل ہوگا جب تمہارے دل میں حضورؐ پاک کے لیے ماں باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبت ہو۔ بعض اوقات شدتِ جذبات اظہار کے راستے میں حائل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات عدمِ خلوص کے باوجود انسان وزنی الفاظ اور زوردار لب ولہجہ سے مطلوبہ مقصد کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن سچی محبت کے بے ساختہ جذبات کا اظہار نہ صرف لفظوں کے ہیر پھیر کو ماند کر دیتا ہے بلکہ کبھی اس تڑپ کی شدت کا باعث بنتا ہے اور کبھی بغیر بولے محبوب کو اس تڑپ کا علم ہو جاتا ہے۔ جذبوں کی شدت کی کسوٹی پر خلوص کی پرکھ حضرت موسیٰ کے حوالے سے بیان کردہ ایک واقعے سے ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ کا ایک گڈریے سے اس لئے خفا ہونا کہ وہ باری تعالیٰ سے ایک عام انسان کی طرح مخاطب تھا اور اللہ تعالیٰ کا اس گڈریے کی محبت کو سراہنا اسی خلوص کی قبولیت کی کہانی ہے۔ بےچارے گڈریے کے الفاظ اگرچہ سیدھے سادھے تھے۔ لیکن ان میں بے پناہ خلوص و محبت کے جذبات پوشیدہ تھے۔ جنہیں حضرت موسیٰ نامناسب سمجھنے لگے۔ مولانا رومؒ کے الفاظ میں حضرت موسیٰ کا کام لوگوں کو خدا کے قریب تر لانا تھا نہ کہ خدا سے الگ کر کے دور لے جانا تھا۔

تُو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

بابو جیؒ کے خیال میں سچی محبت عبادت کی روح ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی محبت میں جوش و جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ اپنے ایک خط میں بابو جیؒ ترکی کی مادام سارہ اقچہ کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلامی ضابطہ حیات کو اپنائیں کیونکہ اسی میں انسانوں کی نجات ہے۔ حضورؐ پاک کے نقشِ قدم پر چلیں اور اولیائے کرام کے ساتھ تعلق پیدا کریں جو لوگوں کو اللہ کے ساتھ ملاتے ہیں۔ محبت ایک ایسا وسیلہ ہے جو تانبے کو چمکاتا ہے اور ترشی کو شیرینی میں تبدیل کرتا ہے۔ محبت بادشاہ کو غلام بناتی ہے اور مردہ کو زندہ کر دیتی ہے۔ سچی محبت وہ قوت ہے جو تخلیق کرتی ہے۔ اسے سنوارتی ہے، متقی بناتی ہے اور خدا سے ملاتی ہے۔

اپنے 13 اکتوبر 1943ء کے خط میں بابو جیؒ لکھتے ہیں ۔

''وہ یعنی اللہ میرا مالک ہے اور مجھے ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ وہ میرا مالک ہے اور میں ایک گناہگار بندہ ہوں وہ مجھ پر ہر لحظہ اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے۔ میں نے اپنا ایک عزیز رشتہ دار چن پیر کھو دیا ہے۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ سب کچھ اسی کے بس میں ہے۔ جیسا اُسے منظور ہوتا ہے وہ ویسا ہی کرتا ہے۔ کسی کی کیا مجال جو بول سکے۔''
(یہ خط جناب اسماعیل سیٹھی کو لکھا گیا)

حضرت بابو جیؒ کے نزدیک منشائے ربانی کو صدقِ دل سے تسلیم کرنا ہی محبت الٰہی کی شرط ہے۔
مسجد نبویؐ کے تقدس اور اسکی روحانی شان کو بیان کرتے ہوئے بابو جیؒ نے فرمایا کہ حضورؐ پاک کی مسجد میں انسان کو اس طرح بیٹھنا چاہیے کہ اُسے یقینِ کامل ہو کہ حضورؐ پاک وہاں بہ نفسِ نفیس موجود ہیں اور اُسے دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کی ایک آیت کا حوالہ دیا:

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ

(پارہ ۲۶۔ سورت الحجرات۔ آیت ۲)

یعنی اے مومنو! اپنے نبی کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ رکھو یعنی انکے ساتھ دھیمی آواز میں گفتگو کرو۔ حضورؐ پاک کے لیے ان کے اُمتیوں کے دلوں میں جو محبت پائی جاتی ہے اس میں روحانیت اور جذباتیت کے ساتھ ساتھ احساسِ عجز و انکسار اور عزت و احترام کوٹ کوٹ کر پائے

فحبك راحتی فی كل حین وذكرك مونسی فی كل حالٍ

حضرت قبلہ بابوجیؒ مسجدِ نبویؐ میں اوراد و وظائف میں مشغول
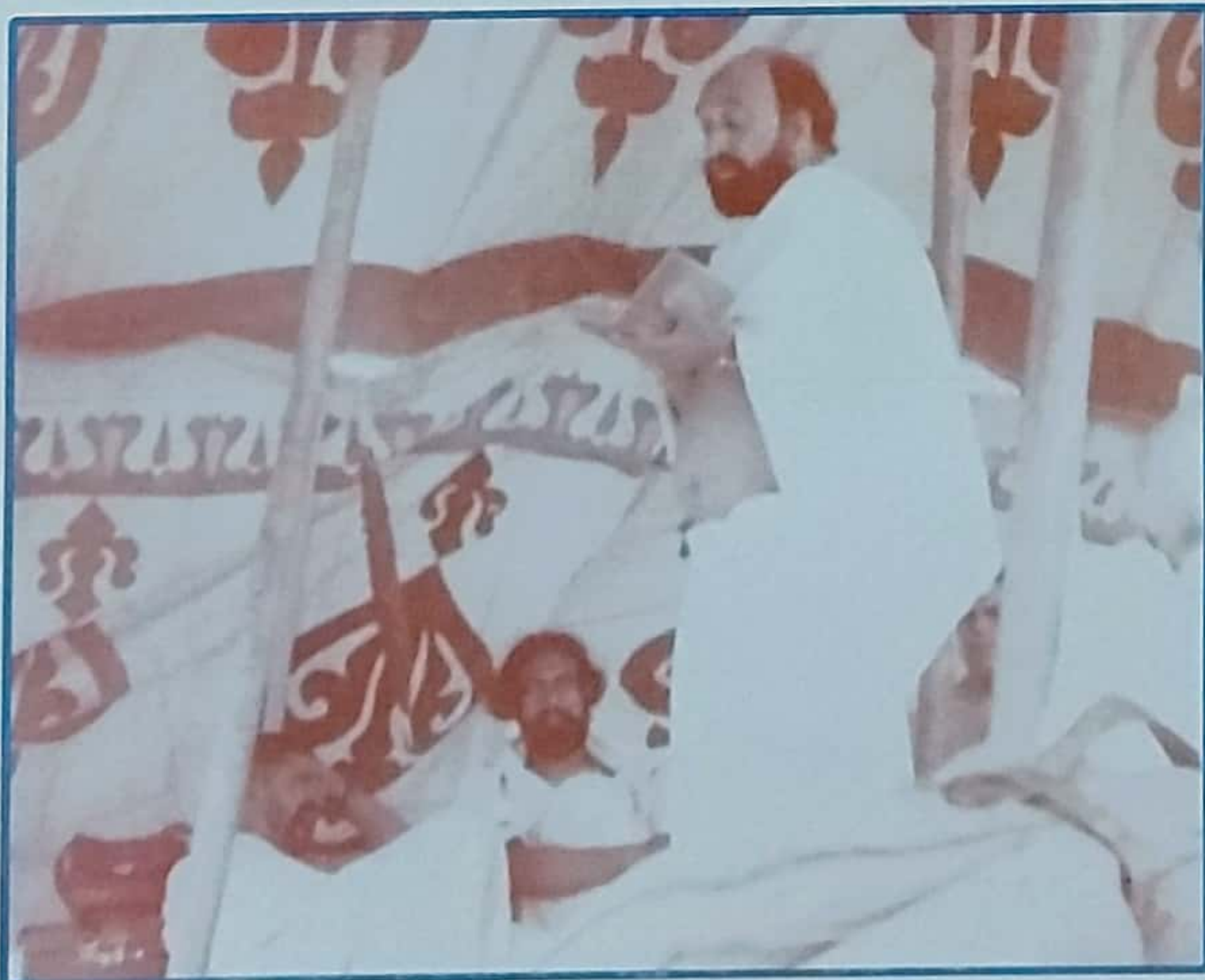
حضرت پیر بابوجیؒ میدانِ عرفات میں وقوف کے وقت محوِ دُعا

جاتے تھے۔ شدتِ محبت اور منظم روحانی اور جذباتی لگاؤ حب رسول کی علامت ہیں جیسا کہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادب ہی محبت کا قرینہ ہے۔ صحابہ کرامؓ اس عجز و عقیدت کے مظہر تھے جو کہ شب معراج کے تحفہ بندگی یعنی نماز کا خاصہ ہے۔ عجز و انکسار اور عزت و احترام کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں جن میں سے ایک مثال حضرت امام ابوحنیفہ کی پیش کی جاتی ہے جنھوں نے پچاس حج پیدل چل کر ادا کیے۔ قرآن پاک کے پندرہ سپارے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اور پندرہ سپارے دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر پورا قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ اور پھر بھی بندگی پر مطمئن نہ ہوتے۔ بابو جیؒ محسوس کرتے تھے کہ جو لوگ مدینہ منورہ جا کر وہاں قیام کرتے ہیں انہیں وہاں بہترین پرہیزگاری کا معیار قائم کرنا چاہیے اس سلسلے میں مولانا رومؒ نے بہت خوبصورتی کے ساتھ اس فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

اے شیخ برو بہ جستجوئے طیبہ
کافی است دلیلِ راہ بوئے طیبہ
سرِ میزابِ رحمت از من بشنو
انگشتِ اشارت است بہ سوئے طیبہ
تقرب میں ترے حق ہے وسیلہ کوئی سمجھے تو
یہ نکتہ ہے کہ کعبے ہو کے جاتے ہیں مدینہ کو
سکھا لیتا ہے طوف اللہ پہلے تیرے مرقد کا
منزلِ جاناں مقام لطف و احساں است وجود
دار خلد لم یدر فی خلد
انہ من ینا عنھا یلق غنی

(ابن الفارض)

یعنی کعبہ کی زیارت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو آخری منزل یعنی مدینہ منورہ کے لیے تیار کرے۔ یعنی خدا کے حبیب کو گلے لگانے سے پہلے حاجی اپنی روح کو بالیدہ کرتا ہے۔

یہاں مقصد موازنہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ روحانی سفر کی ایک منزل سے دوسری تک پہنچنے کا بیان مقصود ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ حاجی پہلے خدا کے گھر جاتا ہے اور پھر خدا کے محبوب کے گھر۔ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایک حاجی کو حضورؐ پاک کا وسیلہ چاہیے اور حضورؐ کی حاضری کے آداب سیکھنا بھی ضروری ہے۔ جو کعبہ ہم پہنچاتا ہے۔

بابو جیؒ کا پہلا سفر مدینہ منورہ

بابو جیؒ پہلی مرتبہ 1930 میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس زیارت کے دوران جو واقعہ وہاں پیش آیا تھا واپسی پر اسے انہوں نے خود بیان کیا ہے۔

''ایک روز میں نماز عصر کے بعد شیخ الجامعہ صاحبؒ اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا کہ ایک دبلا پتلا شخص عربی لباس پہنے میرے قریب آیا اور بڑے انہماک سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اسکے بعد نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہا 1937 میں ایک بڑا انقلاب رونما ہوگا''۔ میں اس کا یہ مطلب سمجھا کہ گویا اس شخص کا اشارہ غالباً والد محترم کی رحلت کی طرف ہے۔ میں نے اپنے اندازے کے متعلق کسی کو نہیں بتایا حتی کہ 1937 آن پہنچا اور اسی سال والد محترم رحلت فرما گئے۔ چونکہ برطانوی بادشاہ کی حکومت بھی اسی سال ختم ہوگئی چنانچہ اس عربی شخص کی پیشین گوئی میں سچائی تھی کیونکہ اس سال ظاہری اور باطنی دو بڑی تبدیلیاں رونما ہوگئیں۔''

4 جولائی 1962ء کو بابو جیؒ نے ایک خط میں لکھا ہے۔ ''حضورؐ پاک محسن انسانیت ہیں۔ ہمیں انکے سہارے کی ضرورت ہے اور میں آپؐ کے کرم سے زندگی گزار رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ ہستی عنایت کی اور بشر کی صورت میں رحمت بنا کر ہمارے پاس بھیجی۔ خدا کرے یہ مہربان نسبت قائم رہے۔ گناہگار لوگ بھی خدا کے بندے ہیں۔'' بابو جیؒ نے فارسی کے معروف شاعر حضرت جامیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا یہ شعر لکھا۔

نہ آخر رحمۃ للعالمینی
ز محروماں چرا غافل نشینی

یعنی تو تو رحمت اللعالمین ہے تمام جہانوں کے لیے رحمت یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ تو اپنی امت کے بندوں کو بھول جائے۔

منزل جاناں مقام لطف واحسان است وجود

یہ 25 مئی 1967ء کی بات ہے جب مدینہ منورہ میں بابو جیؒ کی ملاقات ہندوستان کے ایک معروف عالم دین سے ہوئی جو ان سے ملنے آئے تھے۔ گفتگو کے دوران بابو جیؒ نے پنجابی کے ذیل کے شعر کا اردو ترجمہ سنایا۔

ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں

بے صورت ظاہر صورت تھیں

یعنی آپؐ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر ہیں۔ اس طرح سے بے صورت کو اس صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی کا یہاں ظہور ہے۔ رسول اللہؐ کی شکل مبارک اللہ تعالیٰ کے رنگوں اور قدرتوں کا شاہکار ہے وہ اس شکل میں نظر آتا ہے۔ وہ یہاں جلوہ نما ہے۔ ذاتِ حقیقی کو پہچاننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم حضورؐ پاک کے چہرۂ مبارک کو دیکھیں جو ہمیں اللہ کی راہ دکھاتا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ چہرۂ مبارک نہ صرف ہمیں سیدھی راہ دکھاتا ہے بلکہ وہ ہمیں ذاتِ حقیقی سے ملا بھی دیتا ہے۔ اور یہ صداقت ہر کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کو صرف وہ لوگ پا سکتے ہیں جن کو خدا نے اسرار ورموزِ حیات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت بخشی ہو۔ آخری سطروں میں شاعر موصوف اپنے عجز وانکسار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اُن جیسا شخص حضور پاکؐ کی تعریف وتوصیف کیونکر کر سکتا ہے اور ایک مٹی سے بنے ہوئے انسان اور ایک پاک وصاف بقعہ نور میں بھلا کیا مماثلت۔ بقول شاعر اسکی نگاہ آلودہ اور گناہگار ہے اس لئے حضور پاکؐ کے چہرۂ مبارک پر نگاہ ڈالنا بھی گستاخی تصور کی جا سکتی ہے۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

بابو جیؒ کی حُبِ رسولؐ انکے اس خط سے صاف عیاں ہے جو انہوں نے 7 جون 1941ء کو

جناب اسماعیل سیٹھی کو لکھا تھا جس میں انہوں نے ذیل کا شعر نقل کیا ہے۔

قافلے پہنچے ہزاروں منزلِ مقصود تک

میں اکیلا رہ گیا نقش کفِ پا دیکھتا

یعنی ہزاروں قافلے اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئے جبکہ میں انکے قدموں کے نشان دیکھتا رہ گیا۔ یہاں یہ خیال ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ گویا وہ مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں بلکہ ''منزل مقصود'' تک پہنچنے کی تڑپ ظاہر ہوتی ہے اور ان کی منزلِ مقصود حضورِ پاکؐ کا روضہ مبارک ہے میجر (ریٹائرڈ) الطاف کیانی کے نام اپنے خط مورخہ 28 مئی 1958ء میں بابو جیؒ نے لکھا ''میری خواہش ہے کہ ساحل سمندر ہو۔ چاندنی رات ہو اور تنہائی ہو۔ سمندر کے بپھرے ہوئے تہہ در تہہ مدو جزر ہوں۔ درد و کسک سے بھرپور دل ہو اور دیارِ حبیبؐ مدینہ منورہ میری آنکھوں کے سامنے ہو۔ اس کا حبیبؐ میرے دل میں ہو اور عندلیب رومؒ میرے روبرو اپنی شیریں آواز میں نغمہ سرا ہو۔ لیکن اس کے نغمے تو ان لوگوں کیلئے ہوں گے جو اللہ کے حبیبؐ کے چاہنے والے ہوں گے۔ کہاں میں ایک عاصی و گناہگار کہاں وہ ذاتِ سرورِ کونینؐ۔ اللہ کے لاڈلے جس پر خود رب العالمین درود سلام بھیجتا رہتا ہے۔ العیاذ باللہ! میں تو اس قسم کی خواہش کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اے اللہ! حضور پاکؐ کے صدقے میں مجھ پر رحم فرما!''

☆☆☆☆☆☆
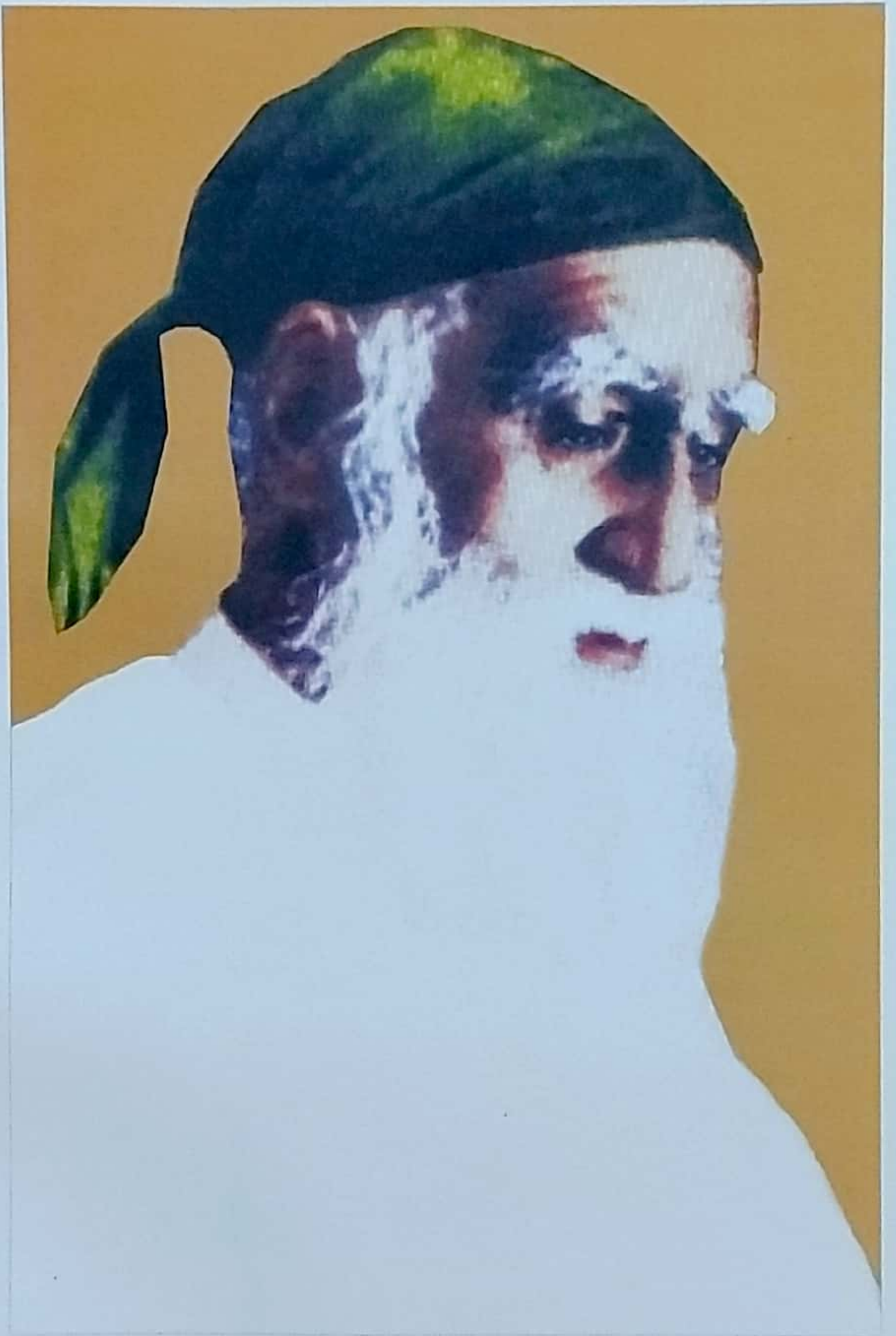
حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی ؒ

Scanned with CamScanner

ساتواں باب

بیعت

بیعت کیا ہے؟ انتہائی روحانی ذمہ داری کا عہد جس کے تحت ایک انسان دوسرے انسان کا ذمہ دار بنتا ہے۔ یہ ایک ایسا عہد ہوتا ہے جو ہر قسم کے شکوک وشبہات اور خوف خطر سے پاک ہوتا ہے۔ یہ ہر قسم کے ذات پات، جغرافیائی اور سیاسی امتیازات وتفریق سے بالاتر ہوتا ہے۔ جس طرح عالم ارواح میں تمام روحوں نے اللہ کے سامنے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا کہ وہ ان کا رب ہے اور اس لئے وہ اس کے احکامات کی تعمیل کرکے اُس کا بندہ ہونے کا ثبوت دیں گے اسی طرح جب ایک شخص کسی کو اپنا مرشد مان لیتا ہے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو وہ یہ اقرار کر لیتا ہے کہ اب مرشد کو اپنا رہنما سمجھتے ہوئے اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح جب ایک مرشد کسی شخص کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو پھر وہ کبھی اس ہاتھ کو چھوڑتا نہیں۔ وہ ہر حال میں اس کا ساتھ دیتا ہے اور اس کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے۔

ایک بار کسی سفر پر جانے سے قبل حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے بابو جیؒ سے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نیک نیتی اور خلوص دل سے بیعت لینا چاہے تو بیعت لے لیا کرو۔ بابو جیؒ نے بیعت لینے پر اپنی عدم رضامندی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتے کیونکہ اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

بیعت کے لئے اہلیت:

حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے بیعت لینے کے لئے اہلیت کی جو تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے: ''بیعت لینے کا استحقاق اس شخص کو ہے جس کی نظر اعیان ثابتہ پر ہو۔ یعنی بیعت لینے والے شخص کی نظر ماضی اور مستقبل کی زندگی پر ہو۔ (کائناتی عرفان کے علاوہ) بیعت لینے والا شخص ایسی صلاحیت اور قابلیت کا مالک ہو جس کی بنا پر وہ اپنے مرید کی مصیبت کے وقت اس کے دنیاوی مسائل حل کر سکے اور آخرت میں حضور پاک ﷺ کی شفاعت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اٹھا سکے۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے تین مرتبہ بابو جیؒ کو بیعت لینے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد بابو جیؒ بیعت لینے پر رضامند ہو گئے۔ وہ بھی اس شرط پر کہ جسے میں بیعت کروں گا اس کے ذمہ دار آپؒ ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰؒ یہ شرط مان گئے۔

حضرت اعلیٰؒ نے بابو جیؒ کو تین باتوں کی تلقین فرمائی:

(۱) ہر وقت باوضو رہنا۔

(۲) اپنی خودی کو مٹانا۔ خودی سے مراد ''انانیت'' ہے یعنی اپنے اندر ''انا'' پیدا ہونے نہیں دینا۔ دوسرے مرحلے میں اپنے نفس کی پہچان ہے۔ نفس کی پہچان سے مراد ''بشریت'' کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ جس کے عناصر ترکیبی یہ ہیں۔ توحید و رسالت اور خوف خداوندی اور جب انسان ان تقاضوں کو کماحقہ پورا کر لیتا ہے تب وہ عرفان خداوندی حاصل کر سکتا ہے اور یہی انسانی معراج ہے۔

(۳) بنی نوع انسان کی خدمت کرنا اور لوگوں میں گھل مل کر اُن جیسا اپنے آپ کو سمجھنا۔

حضرت مدنی صاحبؒ کی بیعت لینا

حضرت سیّد احمد بن مھار العطاس المدنیؒ مدینہ منورہ کے نہایت اعلیٰ مرتبت سیّد خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ سے ملاقات کی غرض سے گولڑہ شریف تشریف لائے۔ یہاں آنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ حضرت اعلیٰؒ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ اُنہیں بہت مایوسی ہوئی کیونکہ وہ حضرت اعلیٰؒ جیسی عظیم روحانی ہستی کی صحبت سے بہرہ مند نہ ہو سکے۔ ایک رات وہ مایوسانہ خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اعلیٰؒ اُن کے کمرے میں حاضر ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں ''میں اور بابو جیؒ الگ الگ شخصیات نہیں ہیں بلکہ ہم دونوں ایک ہیں۔'' یہ سن کر حضرت مدنی صاحب کی تشفی ہوئی۔ چنانچہ 1937ء کے بعد وہ بابو جیؒ سے بیعت ہو گئے۔

حضرت مدنی صاحبؒ کا روحانی مقام:

حضرت مدنی صاحبؒ کے روحانی مرتبے کا ذکر کرتے ہوئے بابو جیؒ نے فرمایا کہ وہ ایک ایسی ہستی ہیں کہ صرف آنکھیں بند کر کے حضور پاکؐ کے چہرے مبارک کا دیدار کر سکتے ہیں۔انہوں نے حضور پاکؐ کے ساتھ اس قسم کا رشتہ قائم کر رکھا تھا۔حضور پاکؐ سے گفتگو کرنا یا اُن کا دیدار کرنا کسی بھی شخص کے روحانی ارتقاء کا بہت بڑا مقام ہے۔بھلا اس سے بھی بڑھ کر کوئی مقام ہو سکتا ہے۔مدنی صاحبؒ کے متعلق ان خیالات کے اظہار سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود بابو جیؒ کس قدر بلند رتبے کے مالک ہوں گے۔لیکن بابو جیؒ اپنے تمام کمالات لوگوں سے مخفی رکھتے۔ان کی کرامات، علم وفضل اور انسانیت نوازی ہمہ وقت جاری وساری رہتیں، لیکن وہ ان کا چرچا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتے تھے۔کیونکہ ان کی اپنی کوشش یہی رہتی کہ عمل زیادہ سے زیادہ اور باتیں کم سے کم۔

بیعت کا طریقہ کار

جو شخص بابو جیؒ سے ''بیعت'' کا طلب گار ہوتا اس کے لئے سب سے پہلی شرط پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی رکھی جاتی۔پھر ہر نماز کے بعد 10 دفعہ درود شریف کا ورد کرنا اور 10 مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنا۔درود شریف کا ورد بیعت کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔اگرچہ بعض صورتوں میں بابو جیؒ یا حیّی یا قیوم کا ورد کرنے کی تلقین فرماتے۔علاوہ ازیں لوگوں کے رجحان کے مطابق انہیں قرآنی آیات کی تلاوت کی تلقین فرماتے۔اصل مقصد پیروکاروں کو کثافتوں سے پاک وصاف کرنا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

آٹھواں باب

اولیاءاللہ کے ساتھ محبت

جولوگ اللہ کے دوستوں یعنی اولیائے کرام کے ساتھ اپنے دلوں میں محبت رکھتے ہیں وہ خود بھی دائمی تعظیم وتکریم کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔اللہ کے ساتھ محبت کرنا اور اس کے دوست کے ساتھ نفرت کرنا ایک عجیب سی بات نظر آتی ہے۔محبت آدمیت کی نشانی ہے اور یہ محبت ہی ہے جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔روحانی ارتقاء کا تقاضا ہے کہ انسان بنی نوع انسان کے ساتھ محبت کرے۔روحانیت میں اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوتے ہوئے بابوجیؒ اپنے صاحبزادوں کو تلقین فرماتے ہیں کہ اولیاءاللہ کی صحبت اختیار کریں کیونکہ ان کے دل پاک صاف ہوتے ہیں اور ذات حقیقی کا آئینہ ہوتے ہیں۔ان کی تائید دراصل تائیدایزدی ہوتی ہے یہ تائید حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اگر کوئی مشکل پیش آجائے تو ''اعینونی یاعباداللّٰہ'' کاورد کیا کریں۔

جستجو کن پیر را اندر جہات
می نماید راہت از عین صفا
تا شوی از پیروانِ مصطفیٰ
پیروی بنمایدت راہ وصال
سازدت مرآۃ وجہ ذوالجلال

یعنی اس دنیا میں اپنے لئے ایک مرشد چن لو جو اپنے تقویٰ سے تمہیں سیدھی راہ دکھائے گا تاکہ تم حضور پاکؐ کے اُمتی بن جاؤ۔اور یوں تم وصل کی راہ پر چل پڑو گے جو تمہیں آئینہ الٰہی بنا دیگا۔اولیائے کرام کا در کبھی نہ چھوڑنا اگرچہ حقیقی حامی وناصر اللہ کی ذات ہے لیکن اس نے ان کو لوگوں اور اپنے بیچ ایک وسیلہ بنایا ہے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔اور وہ اس قابل ہوجائیں کہ خدا تک پہنچ سکیں۔حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے بھی علماء کرام کے مقام سے لوگوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ وہ کس طرح اپنے پیروکاروں کو فیض پہنچا رہے ہیں۔قرآن پاک کی سورہ النساء میں اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

24 اکتوبر 1948ء کو جناب محمد اسماعیل سیٹھی کے نام لکھے گئے اپنے خط میں بابو جیؒ اولیائے کرام کیلئے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (قونیہ شریف۔ترکی) کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اگرچہ یہ جسمانی حاضری ہوگی پھر بھی مجھ جیسے ناکام شخص (بابو جیؒ کا عجز وانکسار) کے لئے بہت بڑی نعمت کا باعث بنے گی۔آپؒ نے امید ظاہر کی کہ انسان چاہے جتنا گناہگار ہو اللہ تعالیٰ اپنے ولی کے دربار میں اس کی حاضری کو قبول کرتا ہے اور اسے راندۂ درگاہ نہیں کرتا اور اسکو اس کا صلہ ضرور ملتا ہے بابو جیؒ نے فرمایا کہ انہیں نیک لوگوں سے بہت پیار ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار نہیں کرتے لیکن امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی محبت کے صدقے میں معاف فرمادیں گے۔

اُحب الصالحین ولست منهم یعنی میں اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ میں خود ان میں سے نہیں ہوں۔ برگزیدہ انسانوں سے محبت کرنے کا عمل روحانی فیض کا سبب بنتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے نرم و نازک پھولوں کو چن کر اکٹھا کرنا جنکی بھینی بھینی خوشبو پھول جمع کرنے والے کے دماغ کو معطر کر کے یہ احساس دلاتی ہے کہ اس نے کسی منفرد چیز کو چھوا تھا۔ علمائے کرام بھی پھولوں کی مانند ہوتے ہیں جن کے علم و فضل سے اللہ کی مخلوق خوشہ چینی کرتی رہتی ہے اور فیض یاب ہوتی رہتی ہے۔

اپنے ایک خط میں بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں حضرت لالہ جیؒ اور سیّد شاہ عبدالحق مدظلہ العالی کو یوں تلقین فرماتے ہیں کہ اللہ کے دوستوں (اولیائے کرام) سے دوستی کریں۔

ہمنشیں نے جوئی با اھل وفا
قلبِ شاں آئینہ حق از صفا
نصرت از خاصان درگاہِ الٰہ
ہم ز حق باشد بجو بیگاہ گاہ
استعانت گر زِ مردانِ خدا
ناروا بودے نگفتے مصطفیٰ

چونکہ فانی گشتہ انداز خویشتن
گوش وچشم دوست شاں شد ذوالمنن
بندگانِ حق رحیم و بُرد بار
خوئے حق دارند در اصلاحِ کار
مہرباں بے رشوتاں یاری کناں
درمقامِ سخت و در روزِ گراں

''یعنی اولیائے کرام کے دل پاک وصاف ہوتے ہیں اور ذات حق کا آئینہ ہوتے ہیں۔ ان کی مدد دراصل اللہ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اگر اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کی اجازت نہ ہوتی تو نبی پاک ؐ یہ کبھی نہ فرماتے کہ اگر تمہارا اونٹ (دابہ) بھر جائے تو یہ پڑھا کریں۔

اعینونی یاعباداللہ (اے اللہ کے بندو میری مدد کیجئے)

چونکہ اللہ کے ان نیک بندوں نے اپنی ذات کی نفی کی ہوتی ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کو مٹایا ہوتا ہے اس لئے ان کے کان، آنکھیں اور ہاتھ سب اللہ کے ہو جاتے ہیں۔ خدا کے بندے صبر وشکر کرنے والے اور رحم دل ہوتے ہیں بنی نوع انسان کے معاملات سدھارنے کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات اپنا رکھی ہوتی ہیں۔ وہ انسانوں کے دُکھ درد، مشکلات اور پریشانیوں میں ان پر مہربان ہوتے ہیں اور ان کی دستگیری کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

نواں باب

اوصاف حمیدہ

اپنے والد بزرگوار حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی تلقین کو بابو جیؒ نے ہمیشہ یاد رکھا جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اپنی خودی کو مٹائے رکھنا چنانچہ بابو جیؒ دوسروں سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اپنی پوری زندگی میں انہوں نے ایک لفظ تک ایسا نہیں کہا جس سے یہ ظاہر ہو گویا وہ روحانیت میں ایک بہت بڑا مقام رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے کردار کے اس گوشے کو ہمیشہ پوشیدہ رکھتے تاکہ اس کی تہہ تک کوئی نہ پہنچ سکے۔ جو کوئی حاجت مند ان کے پاس آتا اور اپنی مشکلات اور مسائل سناتا وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے ''اچھا میں تمہارے لئے دعا کروں گا''۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے متضاد تقاضوں کے چنگل میں پھنس جاتی ہے۔ جسمانی تقاضے انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور روحانی تقاضے اپنی طرف۔ روح اور جسم کی اس دوہری کشمکش کو حل کر دینے سے حصول کمال ہوتا ہے۔ بابو جیؒ کا خیال تھا کہ خود پسندی انسان میں غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے۔ نتیجتاً اس کے نفس امارہ کو شہہ ملتی ہے اور وہ اسے بدی کی راہ پر چلا دیتا ہے۔ جبکہ عجز و انکسار یا وہ اعمال جو نفس امارہ کو قابو میں رکھ سکیں اللہ کی جانب اس کی راہ ہموار کر دیتے ہیں۔ اور یہی راہ فلاح کی راہ ہے۔ اس طرح انسان گمراہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔ انتہائی عجز و انکسار اور انانیت کی نفی بابو جیؒ کے کردار کے دو نمایاں اوصاف تھے جن سے ان کی خوبیوں کے دیگر سوتے پھوٹتے ہیں۔ اس ضمن میں یہاں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ بابو جیؒ بمبئی میں حکیم شمس الدین صاحب کے ہاں مقیم تھے وہاں ایک اور شخص موجود تھا جو اپنے حسد اور عناد کے باعث بابو جیؒ کے خاندان پر نکتہ چینی کرنے لگا۔ جس پر حکیم صاحب نے اس شخص کو کھری کھری سنائیں۔ لیکن بابو جیؒ نے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ کی ذات حاضر و ناظر ہے وہی علیم و خبیر ہے صرف وہی جانتا ہے کہ ہمارا خاندان سیّد ہے کہ نہیں۔''

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

یعنی خوشبو وہ ہوتی ہے جو خود اپنی موجودگی کا احساس دلائے عطر فروش پانی سے بھری شیشی لئے چلا تا پھرے کہ یہ مشک وعنبر ہے اس کی بات پر کون یقین کرے گا۔ پانی پانی ہے اور عطر عطر۔ فقط دعوے سے کچھ نہیں بنتا۔

فارسی کے معروف شاعر حضرت سعدیؒ شیرازی کا کہنا ہے کہ جو شخص حقائق پر پوری گرفت نہ رکھتا ہو وہ نامعقول بہتان طرازی کر کے خود اپنے لئے یہ ثبوت مہیا کرتا ہے کہ وہ ایک غبی انسان ہے جس میں سچ کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ مذکورہ شخص بابو جیؒ کی مخالفت میں جھوٹ کے پلندے اور نامعقول دلائل کے ساتھ بولتا رہا۔ اس موقع پر بابو جیؒ کی خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اصلی سیّد ہیں۔ انہیں اپنی سیّادت کے ثبوت کیلئے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

چاند کو ستارہ کہنا یا آنکھیں موند کر چاند کی موجودگی سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقت کو سراسر جھٹلایا جا رہا ہے چاند خود نہیں بولے گا لیکن اپنی روشنی سے اپنی حقیقت کو منوا لے گا۔ بابو جیؒ یہ بات غیر ضروری سمجھتے تھے کہ اپنے خاندان کے بارے میں لمبی چوڑی تقریر کریں۔ ان کے اپنے اعمال اور کردار اس بات کا ثبوت تھے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کیا کچھ کیا اور وہ کیا کچھ ہیں۔ جس طرح خوشبو خود بولتی ہے اسی طرح انسان کا کردار خود بولتا ہے۔ اسی طرح حاضرین میں سے ایک شخص اپنے آپ کو حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا بھائی کہلاتا تھا۔ وہ جھوٹا نکلا اس کا مقصد لوگوں سے پیسہ بٹورنا تھا۔ حکیم صاحب اسے بھی ملامت کرنے لگے۔ مگر بابو جیؒ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس شخص کی سفید ریش کا لحاظ رکھیں۔ اور اسے کچھ نہ کہیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی نماز جنازہ ادا کرنے کیلئے ملک بھر سے سجادہ نشین تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعد میں انہوں نے بابو جیؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ وہ اپنی باقاعدہ دستار بندی کرالیں اور رسمی کلاہِ جانشینی پہن لیں۔ انہوں نے ان کی درخواست نہیں مانی اور فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو اس ''کلاہِ جانشینی'' کے قابل نہیں سمجھتے۔ بابو جیؒ زندگی بھر اپنے والد بزرگوار کی مقررہ نشست پر نہیں بیٹھے۔ جو کہ نہ صرف ان کے والد محترم تھے بلکہ ان کے روحانی مرشد بھی تھے۔ حضرت اعلیٰؒ کی جائے نشست آج بھی خالی چھوڑی جاتی ہے جو حضرت اعلیٰؒ کی روحانی موجودگی کی علامت ہے۔
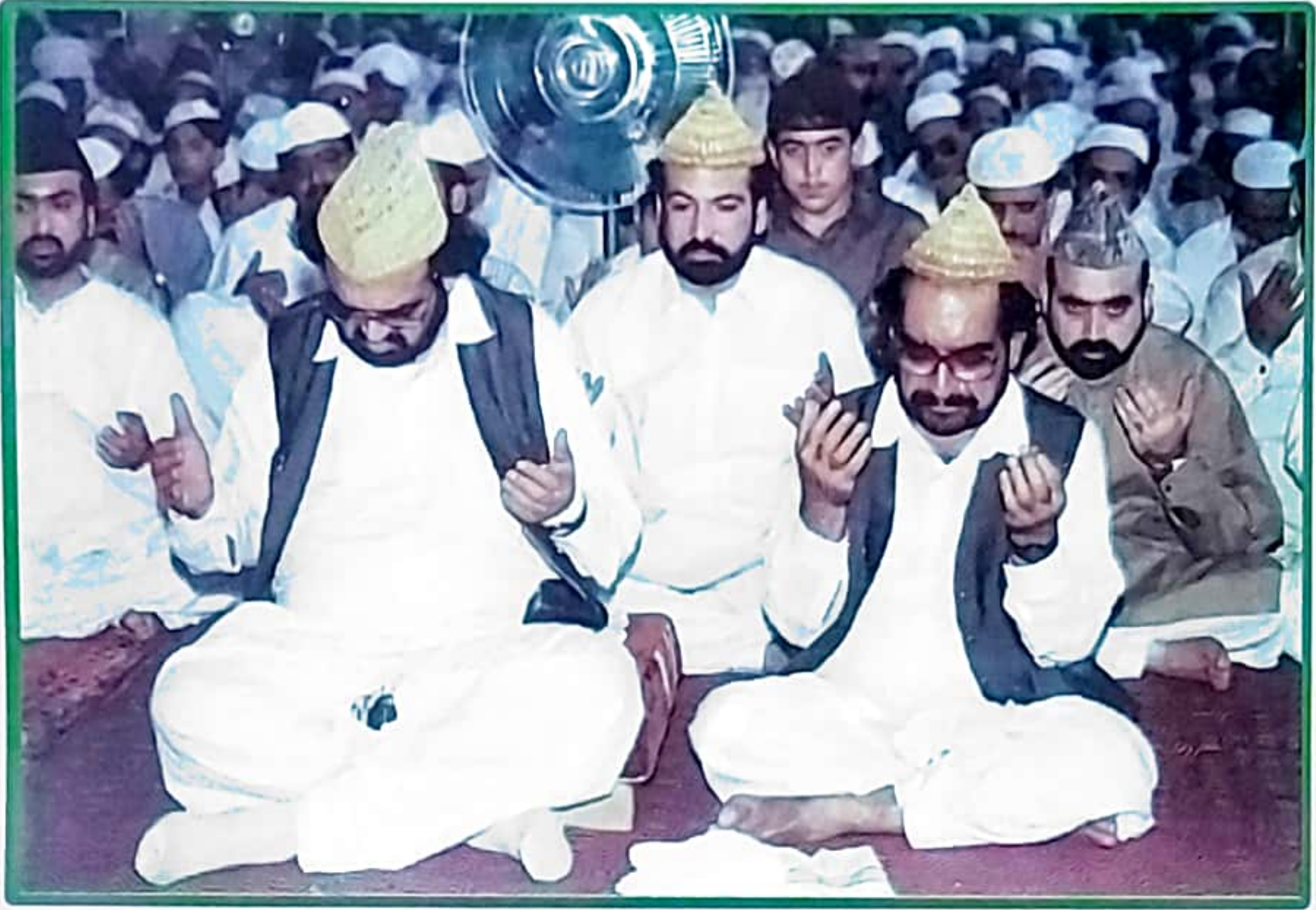
حضرت بابوجیؒ کے عُرس کے موقع پر دُعائے حاجات
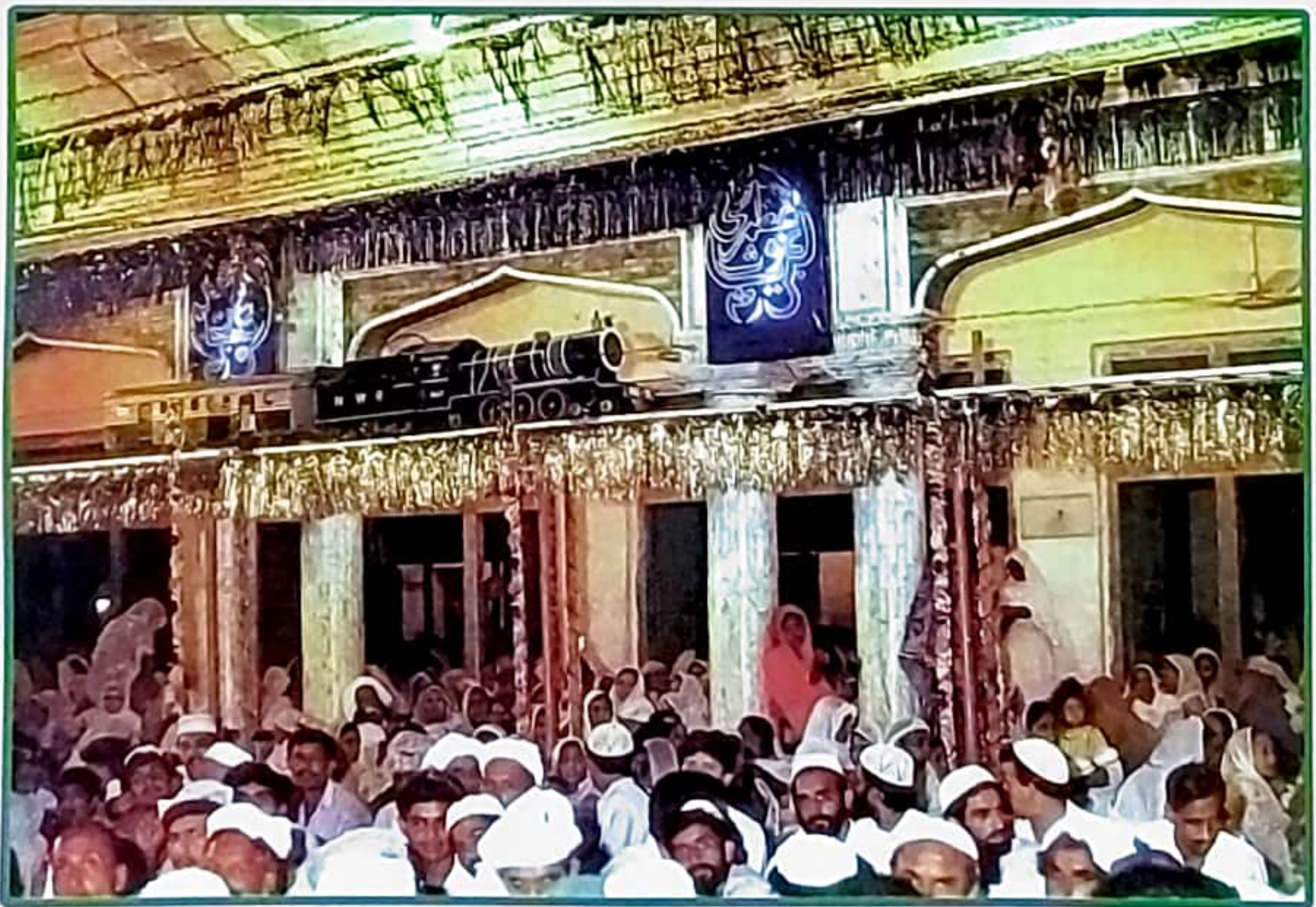
آہیں بھرتا ہے، نالے کرتا ہے۔ کیا یہ انجن کسی پہ مرتا ہے

حضرت قبلہ بابوجیؒ کے عُرس کی تقریب میں آپؒ کے محبوب انجن کا ماڈل

سادگی اور کفایت شعاری

بابو جیؒ نے اپنی پوری زندگی سادگی اور کفایت شعاری سے گزاری۔ بچپن میں بابو جیؒ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قریب کے ایک گاؤں میرا چلے جاتے اور وہاں جمعہ کی رات ایک مسجد میں گزارتے۔ اس زمانے میں مسجد کے طلباء دوران تدریس مسجد کے آس پاس کے محلے سے روٹیاں وغیرہ مانگ کر کھانے کیلئے لایا کرتے تھے۔ چنانچہ بابو جیؒ کے ساتھی بھی ان طلباء کے ساتھ مل کر اس رات روٹیاں مانگ کر لاتے۔ بابو جیؒ اور وہ سب مل کر یہی روکھی سوکھی کھاتے۔ گھر کا آرام وسکون چھوڑ کر مسجد میں بسیرا کرنا اور عام لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا اور کھانا پینا کرنا بھائی چارے کی تربیت کیلئے راہ ہموار کرتے ہیں۔ 41-1939ء کے دوران جب کبھی بابو جیؒ پشاور تشریف لے جاتے وہاں بھی ان کے پیروکار اپنے اپنے گھروں سے پکا پکایا کھانا لے آتے اور بابو جیؒ ان کے ساتھ مل کر کھاتے۔ کیونکہ بابو جیؒ کسی ایک پیروکار پر بوجھ بننا پسند نہیں کرتے تھے۔

بچپن میں ریلوے انجن سے لگاؤ

بچپن سے بابو جیؒ کو ریلوے انجن سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ انہوں نے انجن چلانا بھی سیکھ لیا تھا۔ علاوہ ازیں ریلوے اسٹیشن پر کچھ تکنیکی کام بھی سیکھ لئے تھے۔ 21 اپریل 1913ء کو انہوں نے اپنا پتہ یوں لکھا تھا: ریلوے آفس گولڑہ

انہوں نے اپنی رہائش گاہ کی چھت پر ایک ماڈل سگنل آویزاں کرایا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً گولڑہ اسٹیشن پر گاڑی کی آمد اور روانگی کے وقت یہ سگنل گرادیا کرتے تھے۔

1945ء میں گوالیار کے سفر کے دوران بابو جیؒ کے ایک عقیدت مند شاہ عبدالولی نے انہیں ریلوے انجن کا ماڈل پیش کیا۔ ریلوے کے لئے ان کا شوق ہمیشہ قائم رہا۔

3 ستمبر 1943ء کو بابو جیؒ نے خط میں اپنے ایک عقیدت مند جناب اسماعیل سیٹھی کو لکھا کہ ان کی تبدیلی NWR سے GIP ریلوے کو ہو چکی ہے۔ یہ دراصل قیام پاکستان کا ایک روحانی اشارہ تھا۔

ریلوے انجن سے لگن کا منطقی استدلال

باباجیؒ ریلوے انجن سے اپنی محبت کے چار اسباب بیان کرتے ہیں۔

(i) ریلوے انجن کا حوصلہ کہ اس میں جتنا ایندھن ڈالو اس کی رفتار میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

(ii) اس کی وفا کہ اس کے ساتھ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا ڈبہ لگا دو اسے کوئی اعتراض نہیں یہ ہر صورت میں سب ساتھ والوں کو منزل مقصود تک پہنچا دیگا۔

(iii) اس کا ایثار و قربانی کہ یہ خود جلتا رہتا ہے تا کہ دوسروں کو ان کی منزل تک پہنچا دیا جائے۔

(iv) اس کا عزم واستقلال (استقامت) کہ اپنی مقررہ پٹڑی پر ہی چلتا ہے۔ ادھر اُدھر بھٹکتا نہیں۔

باباجیؒ فرماتے ہیں کہ مرشد کے لئے ان خصوصیات کا ہونا لازمی ہے اور خود باباجیؒ نے ان خصوصیات کو بدرجۂ اتم اپنایا اور ''زندہ صداقت'' بن کر لوگوں کے سامنے پیش ہوئے۔

قوت برداشت

باباجیؒ بہترین گھوڑ سوار تھے جن میں بے پناہ دلیری، حوصلہ اور جرأت پائی جاتی تھی۔ بچپن ہی سے انہوں نے گھوڑ سواری میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ زبردست حوصلے اور بے حد سرگرم عمل استعداد کے مالک تھے۔ وہ میلوں پیدل چلنے کے باوجود نہیں تھکتے تھے اور ایک ہی پہلو پر گھنٹوں بیٹھ سکتے تھے۔

خراج تحسین

انہوں نے نہایت نظم وضبط کی زندگی گزاری اور انہیں زندگی کے تمام شعبوں میں وقت کی پابندی اور نظم وضبط سے بے پناہ محبت تھی۔ ایک بڑے عالم دین مولانا مودودی نے باباجیؒ کی وفات کے بعد انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ کامل شخصیت کے مالک تھے ان کے انسان کامل ہونے پر کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں ہر لحاظ سے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق زندگی بسر کر کے ایک زندہ مثال قائم کی۔

ان کا لباس

نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ کلف دی ہوئی سفید شلوار قمیض اور بٹن بند کالی واسکٹ میں ملبوس

بابو جیؒ قابل رشک حسن کی تصویر نظر آتے تھے۔اس حسن کے ساتھ سادگی ان کی عظمت اور شان کو اور دوبالا کرتی تھی۔ان کے لباس کا یہ پروقار انداز ہر اس شخص کو ماند کر دیتا جس نے قیمتی اور شاہانہ لباس پہن رکھا ہوتا۔نسبتاً کم قیمتی لیکن نہایت صاف ستھرا اور ہر لحاظ سے بے عیب لباس پہن کر بابو جیؒ اپنے نہایت عمدہ اور نفیس ذوق رکھنے کا ثبوت دیتے تھے۔سادگی اور نفاست ان کے مزاج کا طرۂ امتیاز تھے۔

طعام

بابو جیؒ کی خوراک بہت سادہ ہوتی تھی۔وہ نہایت سادہ کھانے کا اہتمام کرتے۔وہ اپنے کھانے میں اپنے سنگیوں کو بھی شامل کرتے جبکہ لنگر کا کھانا ہر کس و ناکس کو کھلایا جاتا۔بابو جیؒ شائستہ اور لطیف حسِ مزاح کے مالک تھے اور اس سے لطف اندوز ہوتے۔انہیں پشاور کے باغات میں کھلے ہوئے پھول بہت بھاتے تھے اور صبح کے ناشتے میں انہیں کشمیری گلابی چائے اور روغنی نان پسند تھے۔وہ بعض اوقات اپنے قریبی سنگیوں کو ان کے عرفی ناموں سے پکارتے تھے۔مثلاً ''مائی بھاگو'، رئیس الکاذبین''رومی''،''پنج پھولاں''،''ٹوڈہ''اور''فقیر صاحب''۔28 جنوری 1953ء کے خط میں بابو جیؒ نے لکھا کہ وہ لوگوں کی مدح سرائی سے خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی کی نکتہ چینی سے انہیں دکھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی حیثیت اور مقام کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ایک مرتبہ کراچی میں منعقدہ مشائخ کانفرنس کیلئے بابو جیؒ کو مدعو کیا گیا۔انہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے سے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ وہ اپنے آپ کو مشائخ میں شمار نہیں کرتے۔

رشتہ اور نسبت قائم رکھنا

بمبئی کے حکیم شمس الدین حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے ہم جماعت تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی ہو چکے تھے ایک مرتبہ انہوں نے بابو جیؒ کو خط لکھا کہ حضرت اعلیٰؒ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے باوجود فلاں عورت سے ان کی محبت میں کمی واقع نہیں ہوئی اس لئے وہ اس بیعت کو منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔حکیم صاحب کے خط کے جواب میں بابو جیؒ نے لکھا کہ اگر آپ نے ایسا ارادہ کر لیا ہے تو میری جانب سے نہ ہی کوئی اعتراض ہے اور نہ ہی ہم دونوں کے درمیان موجودہ

تعلق میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہوگی۔ میں جس طرح پہلے آپ کا خیر خواہ تھا ویسا ہی رہوں گا۔ ہم دونوں کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم رہے گا۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک مرتبہ ریاست امب کے نواب نے اپنا عندیہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے مرشد پیر مہر علی شاہؒ پر اپنا اعتماد کھو بیٹھے ہیں جس پر انہوں نے فرمایا کہ پیروکار کے مرشد سے اعتماد اٹھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ انہیں دعا کرنی چاہئے کہ مرشد کا اعتماد اپنے پیروکار سے نہ اٹھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت کی اصل روح کیا ہے۔ کیونکہ اس کی پوری ذمہ داری مرشد کے کندھوں پر پڑ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک مرتبہ یہ رشتہ جوڑ دیا جائے تو مرشد اس تعلق کو ہمیشہ برقرار رکھتا ہے وہ اسے کبھی نہیں توڑتا چاہے مرید بدنیت یا بدخواہ بھی ہو جائے مرشد ہمیشہ اس دوستی، تعلق، محبت اور شفقت کو نبھاتا ہے۔ وہ سراپا رحیم اور داتا ہوتا ہے جیسے کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

''رہے سلامت تمہاری نسبت میرا تو بس آسرا یہی ہے''

بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں سید غلام معین الدینؒ اور سید شاہ عبدالحق کو اکثر تلقین کرتے کہ جس قدر ممکن ہو سکے غریبوں کی مدد کیا کریں۔ خود تکلیف برداشت کریں مگر حاجتمندوں کے کام آئیں اپنے آپ کو لوگوں کا خادم سمجھیں اور ان کی خدمت کریں کیونکہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں۔

ایک مرتبہ بابو جیؒ غلاف کعبہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے کہ اسے تقدس کا شرف اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ اللہ کے پاک گھر کے گرد لپٹا ہوا ہے۔ اسی طرح جب انسان اپنا تعلق اللہ کے ساتھ استوار کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس تعلق کو قائم رکھتا ہے اور اس کا سہارا بن جاتا ہے۔ اس پر اپنی نظر کرم رکھتا ہے۔ نسبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے کہ وہ گدھا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کام کاج کیلئے رکھا ہوا تھا اس لئے اہم ہو گیا کہ وہ ایک پیغمبر کے پاس تھا۔

انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اس کی تخلیق کا کامل مظہر اور شاہکار ہے اور اسی نیابت کی بنا پر انسان کو اللہ کے ساتھ گہرے روابط رکھنے کا شرف حاصل ہے۔ اس سلسلے میں رومیؒ فرماتے ہیں۔

ابلہاں تعظیم مسجد می کنند
در جفائے اھل دل جد می کنند

یعنی ناداں لوگ مسجد کی تو تعظیم کرتے ہیں مگر اللہ کے دوستوں کو دکھ اور نقصان پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں لفظ کعبہ کا ذکر صرف ایک مرتبہ کیا۔ مگر لفظ انسان کا ذکر ستر مرتبہ کیا۔ پس اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو مخلوق کے واسطے سے ذات حقیقی کے ساتھ ملاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے کام آنا قابل قدر عمل ہے۔ انسان خود ایک کلید ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

بابو جیؒ نے کبھی کسی روحانی رتبے کا دعویٰ نہیں کیا ان کے ہاں جو خوبی عروج پر تھی۔ وہ ان کا عجز و انکسار تھا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے بابو جیؒ کو لکھا کہ اس نے خواب میں حضور پاک ﷺ کا دیدار کیا ہے جس پر بابو جیؒ نے جواب دیا :

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند
بدست از رفت خُم و جام و ساقی
بہ ما جز غم نمانده هیچ باقی

یعنی دوست احباب اپنے اپنے حصے کا کھا پی کر رخصت ہو گئے اور میخانہ خالی کر گئے میرے ہاتھ سے مے پیالہ جام اور ساقی، سب کچھ کھو گیا۔ میرے لئے تاسف کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

میں اکیلا رہ گیا نقش کفِ پا دیکھتا

خود بابو جیؒ نے کبھی دوسروں سے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انہوں نے حضور پاک ﷺ کو دیکھا ہے۔

1953ء میں پیر مہر علی شاہؒ کا ایک مرید جو ساہیوال (منٹگمری) کا رہنے والا تھا وہ پنڈی کے کینٹ ہسپتال کے کٹسن وارڈ میں زیر علاج تھا۔ میجر رانا ولی محمد اس وقت کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ان دنوں بابو جیؒ کا معمول تھا کہ وہ روزانہ مریضوں سے ملنے جایا کرتے تھے۔ اور اس مریض کی حالت مایوس کن ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر صاحبان نے اس کے رشتہ داروں سے کہا۔ کہ وہ اب مریض کو گھر لے جائیں کیونکہ اس کے جسم کے تمام خلیے ناکارہ ہو چکے ہیں اور اس میں زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ رات کو اس مریض نے حضرت پیر مہر علی شاہؒ کو خواب میں دیکھا کہ

ان کے ساتھ حضور پاک ﷺ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ اور خلفائے راشدین بھی موجود ہیں اور اس کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے ہیں جب اس خواب کا ذکر بابو جیؒ سے کیا گیا تو وہ بہت روئے اور فرمایا کہ کاش حضور پاک ﷺ گولڑہ شریف میں تشریف لے آتے کیونکہ آپ تو گولڑہ شریف کے بہت قریب تک تو آ چکے تھے۔ چنانچہ بابو جیؒ نے اس مریض کے ایک اور میڈیکل ٹیسٹ کیلئے درخواست کی۔ یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ اس میڈیکل ٹیسٹ کی رپورٹ سے یہ پتہ چلا کہ مریض کے جسم کے تمام اعضاء ٹھیک کام کر رہے ہیں اور وہ مریض مزید چار سال زندہ رہا یعنی 1957ء میں فوت ہوا۔ بابو جیؒ کا باقاعدہ مریضوں کی دیکھ بھال کیلئے ہسپتال جانا اس بات کا سبب بنا کہ حضور پاک ﷺ اس مریض کو دیکھنے کیلئے تشریف لے آئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر بابو جیؒ کے پیروکار حضور پاک ﷺ کے رحم و کرم سے مستفید ہو سکتے ہیں تو خود بابو جیؒ کا حضور پاک ﷺ کے ساتھ تعلق کا کیا مقام ہوگا۔

حضور پاک ﷺ کے ساتھ تعلق اور نسبت کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بابو جیؒ سراپا ''وفا'' تھے۔ اور زندگی بھر انہوں نے یہ وفا نبھائی اور جس نے یہ وفا نبھائی ہو اس کا مقام خدا کی نظر میں کیا ہوگا۔ وہ کہہ دے گا یہ لو ہم تمہارے ہوگئے ہیں۔ اس کے باوجود بابو جیؒ اس روحانی شان کا دعویٰ نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ عجز و انکساری سے کام لیتے تھے۔

والد بزرگوار کی رحلت کے بعد جو ان کے روحانی مرشد بھی تھے بابو جیؒ کو ایک بہت بڑا خلا محسوس ہوا کہ وہ ان کی نگرانی کھو چکے تھے جو ان کے لئے اس دنیا میں جنت کے سائے کی مانند تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ میرے والد بزرگوار میرے مخلص ترین دوست تھے ان کے بعد اب مجھے کوئی ایسا دوست نظر نہیں آتا۔

ایک مرتبہ بابو جیؒ نے اپنے ایک عقیدت مند سے کہا کہ پہلے وہ اس دنیا میں کسی وفادار کو تلاش کرے۔ اس کے بعد اسے محسوس ہوگا کہ بابو جیؒ کس قدر وفا شعار اور آشنا پرور ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب کوئی چیز مفت اور آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے تو اس کی قدر نہیں ہوتی۔ اپنے پیروکاروں کے ساتھ خود ان کی وفاداری تمام شکوک و شبہات سے بالاتر تھی۔ ایسے انسان جو سراپا وفا

حضرت سیدّنا پیر مہر علی شاہؒ اور حضرت قبلہ بابو جیؒ کے مزارات پُر انوار

عُرس کی تقریب میں مزاراتِ مقدسہ پر چادر پوشی

ہوں اس دنیا میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ایک شاعر نے بالکل درست کہا ہے۔

تلسی بانہہ اصیل کی جو بھولے سے چھو جائے

آپ نبھائے عمر بھر اور بیٹوں سے کہہ جائے

لجپال پریت نوں توڑ دے نئیں

جیہدی بانہہ پھڑ دے پھر چھوڑ دے نئیں

یعنی ایک بار مرشد اپنے مرید کا ہاتھ پکڑے اسے پھر کبھی نہیں چھوڑتا یعنی اپنے مرید پر نگاہ کرم مرکوز رکھتا ہے۔

حضرت غوث پاکؒ کا عرس

حضرت غوث پاکؒ کا عرس جسے ''بڑی گیارہویں شریف'' بھی کہتے ہیں ہر سال 11 ربیع الثانی کو منایا جاتا ہے۔ جو بہت بڑی روحانی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر کوئی پیروکار حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کے عرس میں شرکت نہ کرتا تو بابو جیؒ بہت زیادہ ملال کا اظہار کرتے۔

ایک مرتبہ اپنے خط میں بابو جیؒ نے ایک شخص کو سرزنش کرتے ہوئے لکھا کہ اس نے حضرت رومیؒ کے عرس میں حاضری نہیں دی اور اس لاپرواہی کا سبب یہ ہے کہ وہ اونچے گریڈ کا افسر بن گیا ہے اور بڑی تنخواہ پاتا ہے۔

حضرت غوثؒ پاک کا عرس عقیدے کی تجدید کرنے اور متضاد تقاضوں کی حامل سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی کے مواقع مہیا کر کے مخلوقِ خدا کو ترقی کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ عرس حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ پیرانِ پیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ بھی ہے۔ کیونکہ آپؒ ایک ایسے پیرِ کامل ہیں جن کی مثال نہیں پائی جاتی۔ سال بھر میں یہ ایک ایسا موقع ہوتا ہے جس میں انسان اپنے عہد کی تجدید کرتا ہے جو اس نے اپنے مرشد کے ہاتھ پر کیا ہوتا ہے۔

صبر و شکر اور تسلیم و رضا

بابو جیؒ ایک قناعت پسند انسان تھے وہ ہر حالت میں ہر مشکل کا سامنا کرنے اور اسے

برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اپنی بیماری اور گُردوں کی شدید تکلیف کے دوران بابو جیؒ صبر وشکر کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے: ''الحمدللہ۔ یعنی سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں'' اپنی اکلوتی صاحبزادی کی عنفوان شباب میں الم ناک موت کے موقع پر بابو جیؒ کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے:

''الحمدللہ، الشکر للہ'' یعنی اے اللہ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ اے اللہ میں تیرا شکرگزار ہوں۔ اپنی عزیز ودلبند صاحبزادی کی جوانا مرگی بارے میں فرمایا کہ اس نے وہ تمام وظائف پڑھے ہیں۔ جو صرف حضرت پیر مہر علی شاہؒ پڑھ سکتے تھے۔ اور فرمایا کہ ان وظائف کا ورد اس وقت بھی جاری رہتا جب وہ بابو جیؒ کے کسی کام میں مصروف رہتیں۔ یہ تھا بابو جیؒ کا تسلیم ورضا کا جذبہ۔ وہ لوگ جنہیں خدا سے محبت ہوتی ہے اپنی زندگی کے ہر واقعے کو خندہ پیشانی سے تسلیم کرتے ہیں اور اسے مشیت الٰہی سمجھ کر اس پر صبر وشکر کا اظہار کرتے ہیں۔ جب ان کی زوجہ محترمہ علیل تھیں تو انہوں نے ترکی کی مادام سارہ اقچہ کو لکھا کہ وہ حضرت رومیؒ اور حضرت ابوایوب انصاریؒ کے مزارات پر ان کی زوجہ محترمہ کی صحت یابی کیلئے دعا کریں۔ اپنی زوجہ محترمہ کی رحلت پر اُن سے دونوں زیارات پر دعائے مغفرت کیلئے استدعا کی۔

وابتغ فیما آتٰیک اللّٰہ الدّار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدّنیا واحسن کما احسن اللّٰہ الیک

(پارہ۔۲۰۔ سورت القصص۔ آیت ۷۷)

یعنی اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر۔

☆☆☆☆☆☆

دسواں باب

جود وسخا

بابو جیؒ تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق سمجھتے تھے اور حضور پاک ﷺ کے فرمان کے عین مطابق حتی الامکان تمام مستحقین کی مدد فرماتے۔ وہ ہمیشہ غریبوں اور محتاجوں کے مالی مسائل حل کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔ سینکڑوں یتیموں اور مستحق خواتین کے لیے بلا امتیاز رنگ ونسل ماہانہ وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ بابو جیؒ کی فیاضی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ایک عام آدمی سے لے کر عالم فاضل حضرات تک سبھی بابو جیؒ کی فیاضانہ دریا دلی سے فیض یاب ہوتے۔ اندرون اور بیرون ملک دینی مدارس کی مالی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں نادار اور غریب علماء کی ہر طرح سے مدد کرتے تھے۔ ان کی مالی امداد کا دائرہ صرف پاکستان کی حد تک محدود نہیں تھا بلکہ عراق، سعودی عرب اور انڈیا تک پھیلا ہوا تھا۔ اس ضمن میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ بابو جیؒ کی شان تھی کہ وہ اپنے جود وسخا اور غریب پروری کو ہمیشہ پوشیدہ رکھتے۔ ان کی یہ فیاضانہ دریا دلی کسی دکھلاوے یا شہرت کی متقاضی نہیں تھی بلکہ حضور پاک ﷺ کی اس حدیث شریف کا عملی نمونہ پیش کرتی تھی کہ ''لوگوں کی مالی مدد اسطرح سے کرو کہ دینے والے ہاتھ سے دوسرا ہاتھ بے خبر رہے''۔ یہی ایک سچے عمل کی روح ہے۔ اور یہی سچی فیاضی اور سخاوت کی بیّن دلیل ہے۔ اس حدیث کے پس پردہ جو فلسفہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح انسان ہر قسم کے خوف وخطر سے آزاد ہو کر فقط رضائے الٰہی کی خاطر مستحقین کی امداد کر سکے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران سعودی عرب اپنے محدود وسائل کے باعث مالی مشکلات میں پھنس گیا تھا۔ حجاج کرام کی تعداد میں کافی کمی واقع ہوگئی تھی جبکہ سعودی عرب کا زیادہ انحصار حجاج کرام کی آمد پر ہوتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بابو جیؒ نے اپنے دینی بھائیوں کی امداد کا بیڑہ اٹھایا۔ اور وہاں کے غریب عوام کی لاکھوں روپوں سے امداد کی۔ مدینہ منورہ میں مالی امداد دینے کا طریقہ کار یہ تھا کہ ایک خاص مقام کا تعین کیا جاتا وہاں مستحقین جمع ہو جاتے اور انہیں ریال کی صورت میں رقم

تقسیم کی جاتی ان میں کچھ دکاندار اور پولیس والے بھی شامل ہوتے۔ بعض مستحقین کی مختلف طرح کی شکایات کا ازالہ احسن طریقہ سے کیا جاتا۔ بے شمار حاجتمند حضرات کی طرف سے لکھی عرض داشتیں موصول ہوتیں جن پر فوری مدد مہیا کی جاتی اور کسی سائل کی مدد سے انکار نہیں کیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ سید احمد بن مھار العطاس المدنیؒ صاحب نے خواب میں حضور پاک ﷺ کو دیکھا۔ حضور پاک ﷺ نے حضرت مدنی صاحبؒ سے فرمایا کہ بابو جیؒ سے کہیں کہ محارب نامی ایک شخص کو تین ہزار ریال بطور عطیہ عنایت کر دیں۔ جس نے جیل سے خط لکھا ہے کہ اسے اپنی جیل سے رہائی کیلئے تین ہزار ریال چاہیئں جو کہ اس نے بطور قرضہ لے رکھے تھے اور جو وہ ادا کرنے سے قاصر ہے جسکی وجہ سے اسے سزا دیکر جیل بھیج دیا گیا ہے۔ پہلے تو مدنی صاحبؒ اپنا خواب بتانے سے گریز کرتے رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بابو جیؒ یہ سمجھیں کہ مدنی صاحبؒ اپنے کسی دوست کی اعانت کرنے کیلئے خواب کا سہارا لے رہے ہیں۔ لیکن بابو جیؒ کے اصرار پر مدنی صاحب نے وہ خواب سنا دیا۔ یہ مقدس حکم سنتے ہی بابو جیؒ فوراً جیل تشریف لے گئے اور مطلوبہ رقم ادا کر کے اس شخص کو جیل سے رہا کرا دیا۔ ایک اور شخص جو اسی طرح مقروض تھا اُسے بھی ایسے ہی جیل سے رہا کروالیا گیا۔

انہوں نے مدینہ منورہ کے غریب اور مستحق عوام کی امداد کا جو وطیرہ اختیار کیا تھا وہ دراصل مدینہ منورہ اور اس کے رہنے والوں کیلئے بابو جیؒ کے دل میں کارفرما بے پناہ محبت اور تشکر کے جذبے کا اظہار تھا۔ اس زمانے میں کاغذی نوٹوں کا اجراء نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا سکوں کی صورت میں امداد تقسیم کی جاتی تھی۔ طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ ریالوں سے بھرے ہوئے ٹوکروں کو کپڑوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ اور پھر تقسیم کنندہ کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ریال نکال کر تقسیم کرتا۔ ایک مرتبہ مالی تقسیم جاری تھی اور رقوم خود بابو جیؒ تقسیم کر رہے تھے۔ اس دوران انہیں معلوم ہوا کہ ٹوکروں میں رقم شاید ضرورت مندوں کیلئے کافی نہ ہوگی کیونکہ لوگوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی چنانچہ بابو جیؒ سیدھے روضۂ مبارک پر تشریف لے گئے اور عرض کی ''اس رقم کے مالک آپؐ ہیں۔ جو حاجتمند وہاں جمع ہیں وہ بھی آپؐ کے ہیں۔ میں تو صرف تقسیم کنندہ ہوں۔ اے میرے آقا ﷺ ایسی صورت حال میں میری مدد کیجیئے''۔ بابو جیؒ واپس گئے اور رقم تقسیم کرنا شروع کر دی۔ اور جتنے حاجتمند وہاں موجود تھے سب

موت و حیات میری دونوں تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

حضرت سیّدنا بابو جیؒ اور حضرت قبلہ مدنی صاحبؒ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں

نے اپنے حصے کی رقم وصول کر لی۔ آخر میں پتہ چلا کہ اب بھی کچھ ریال ٹوکرے میں بچ چکے ہیں۔ وہ بقیہ رقم بھی تقسیم کر دی گئی۔ یہ تھی حضور پاک ﷺ کی نظر کرم کی برکت کہ ہاتھ رقم تقسیم کرتے گئے اور رقم بڑھتی ہی گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضور پاک ﷺ التجا سنتے ہیں اور اپنے امتی کی مدد بھی فرماتے ہیں۔

ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کی امداد:

1947ء قیام پاکستان کا سال تھا جس میں ہندوستان سے مسلمان مہاجرین پاکستان میں داخل ہو رہے تھے۔ تقسیم کے دوران ناقابل برداشت ظلم وتشدد اور فرقہ وارانہ فسادات کے ستائے ہوئے مسلمان مہاجرین کی حالتِ زار نے پاکستانی عوام میں فیاضی اور ہمدردی کی ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ جن میں دردِ دل رکھنے والے ایک عظیم انسان یعنی حضرت بابو جیؒ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے مہاجرین کی دل کھول کر مدد کی۔ انہیں مفت رہائش، کھانا اور کپڑا مہیا کیا۔ کئی مہاجرین کی آباد کاری میں ان کی مدد کی۔ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف کی مقدس زیارت کے قرب وجوار سے آنے والے مہاجرین بابو جیؒ کی عنایت خاص سے مستفید ہوئے۔

شورش کاشمیری نے خود بتایا ہے کہ 1966-1968ء اور 1973ء میں اس کی حراست کے دوران بابو جیؒ نے اس کے خاندان کی خوب مدد فرمائی۔ بغداد شریف سے تعلق رکھنے والے ایک دینی عالم حضرت ساطع جمیلی کو بعض وجوہات کی بنا پر اپنا وطن چھوڑ کر ارجنٹائن میں آباد ہونا پڑا جہاں وہ ایک دینی مدرسہ چلا رہے تھے۔ جب کبھی وہ پاکستان آتے تھے بابو جیؒ باقاعدگی سے ان کی مدد فرماتے۔

عدلیہ کے ایک رکن جناب سیّد محسن ترمذی سے باتیں کرتے ہوئے ایک مرتبہ بابو جیؒ فرمانے لگے۔ ایک منگتے کو چاہیے کہ جس سے وہ مانگ رہا ہے اس کے رتبے کے مطابق مانگے۔ جب آپ اللہ سے کچھ مانگتے ہیں تو اس سے صرف اس کی ذاتِ پاک کی خوشنودی مانگیں کیونکہ اللہ کے نزدیک کسی اور چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور ایک منگتے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اس ذات کو ایسا تحفہ پیش کرے جو اس کے پاس نہیں ہے یعنی عجز وانکسار کا تحفہ۔

بابو جیؒ کی فیاضی اور دریا دلی خاص وعام کیلئے یکساں تھی۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو

اپنے دل میں بابو جیؒ کے لئے کینہ اور بغض رکھتے تھے۔ وہ اپنے پرائے سبھی کی امداد کے لئے مصروف رہتے۔ وہ اپنے جانی دشمنوں کے جنازوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ جنہوں نے ان کی جان لینے کی کوشش کی۔ انہی لوگوں میں سے ایک شخص تھا جسے اس کے کئے ہوئے کسی جرم کی سزا ہونے والی تھی۔ یہ بابو جیؒ کے عفوو درگذر کی شان تھی کہ انہوں نے اپنی پوری کوشش کی کہ اسے رہائی مل جائے۔ روزمرہ کی زندگی میں بے لوث محبت اور فیاضی کا درس دینا بہت آسان ہے لیکن اس پر صحیح معنوں میں عمل کرتے ہوئے کسی کو شاذ و نادر ہی دیکھا گیا ہے۔ البتہ بابو جیؒ کی یہ شان ہے کہ وہ پہلے عمل کرتے تھے بعد میں تلقین کرتے تھے۔ وہ دراصل حضور پاک ﷺ کے نقش قدم پر چل رہے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے 23 سال اپنی تعلیمات پر عمل کر کے گذارے اور اس کے بعد آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا۔ محض الفاظ کسی بڑی شخصیت کی ضمانت نہیں دے سکتے بلکہ عظیم شخصیت وہ ہے جسکے اعمال اور نیت دونوں میں ہم آہنگی ہو، تاکہ وہ لوگوں کے لئے ایک عملی نمونہ بن سکے۔

27 مئی 1959ء کے خط میں بابو جیؒ اپنے ایک عقیدت مند جناب اسماعیل سیٹھی کو لکھتے ہیں۔

''ہم انسانوں کے لئے تکلیف کا باعث کیوں بنتے ہیں؟ اگر ہم انہیں خوش نہیں کر سکتے تو ہمیں چاہئیے کہ انہیں ناراض بھی نہ کریں کیونکہ وہ بھی ہمارے خدا کی مخلوق ہیں۔ وہ مجھ سے بہتر ہیں''۔

بابو جیؒ باقاعدگی کے ساتھ ان غریب بیماروں کو دیکھنے جاتے جنہیں خود ہسپتال میں داخل کرایا ہوتا۔ اور ان مریضوں کی بیمار پرسی کیلئے بھی جاتے جو دور دراز علاقوں میں رہتے تھے اور یوں وہ حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہمہ وقت دوسروں کی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے تیار رہتے۔ اکثر مستحق لوگوں کی تکفین کے اخراجات بھی بابو جیؒ خود ہی برداشت کرتے تھے۔ بابو جیؒ خاص طور پر ان لوگوں کیلئے بہت فکر مند ہوتے تھے جو پہلے خوشحال زندگی گزارتے تھے لیکن گردش زمانہ نے انہیں تنگدست بنا دیا تھا۔

وہ ایسے لوگوں کی ہر طرح سے امداد کرتے تھے۔ غریب ہونا اور غریبی کا مقابلہ کرنا ایک الگ بات ہے لیکن امیر ہونا اور امیری کے خوشگوار دور سے گزر کر غریبی کے چکر میں پھنس جانا

اور ماضی کی عزت اور شان کو کھو دینا، بہت زیادہ دل دکھانے والی بات ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ایسے لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا لازمی بات ہے۔ پس بابو جیؒ فرماتے کہ اللہ سے اس کے رحم و کرم کی التجا کریں۔

بابو جیؒ زکوٰۃ و صدقات رازدارانہ طور پر تقسیم کرتے تاکہ دوسرے لوگوں کو خبر نہ ہو۔ ایک مرتبہ بابو جیؒ نے ایک معزز مہاجر کو 7000 روپیہ دیا جس کی ان (بابو جیؒ) کے صاحبزادوں تک کو خبر ہونے نہیں دی۔ وہ ہر کس ناکس کے خیر خواہ تھے۔ اور جس کسی کو ان کی قربت حاصل ہوتی وہ یہ سمجھتا گویا بابو جیؒ اسی کے بہترین دوست ہیں۔ بابو جیؒ نے اپنی پیاری اور دلکش شخصیت کی بنا پر لوگوں کے دل موہ لئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کی جانب کھنچے چلے آتے تھے۔

ایسی مثالیں شاذ و نادر دیکھنے میں آتی ہیں کہ ایک شخص میں دل و دماغ کی تمام خصوصیات یکجا ہو کر اسے ہمہ جہت کامل شخصیت میں بدل ڈالیں۔ بابو جیؒ کی شخصیت ہمارے سامنے اس قسم کی ایک زندہ مثال ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک جامع اور شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ انؒ کی شخصیت نہ صرف اپنے زمانے کیلئے بلکہ آنیوالے تمام زمانوں کیلئے قابل تقلید شخصیت تھی۔

ایک مرتبہ گولڑہ شریف کے پولیس اسٹیشن پر تعینات ایک S.H.O نے بابو جیؒ کی دلکش اور پر وقار شخصیت کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا۔

''اگرچہ میں اس بات کا قائل نہیں کہ مرید بنوں یا کسی کو اپنا مرشد بناؤں۔ اس کے باوجود میں خود بخود بابو جیؒ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہوں۔ میری اندرونی خواہش مجھے مجبور کرتی ہے کہ شام کے وقت تھانے سے باہر آؤں اور حضرت بابو جیؒ کی پر وقار شخصیت کو ایک نظر دیکھنے کا انتظار کروں۔''

ایمانداری کی بات ہے کہ بابو جیؒ کا لباس کے بارے میں حسن انتخاب نہایت عمدہ ہوتا تھا جسے جمال و جلال کا مرقع اور صاحب لباس کو ذات خداوندی کا عکس کہہ سکتے ہیں یا بمصداق حسن صداقت ہے اور صداقت حسن ہے۔ اسی شان کا عکس ہمیں بابو جیؒ کی فیاضی میں نظر آتا ہے۔ مالی اعانت فراہم کرنے کے علاوہ بابو جیؒ نے ملتان اور پشاور کے کئی جید علماء کیلئے مکانات تعمیر

کرائے کیونکہ ان کی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے لئے مکان تعمیر کرا سکتے۔ اور یہ بات صیغہ راز میں رکھی گئی۔ اس قسم کی مالی امداد کو پوشیدہ رکھنے کے تین مقاصد تھے۔

(۱) دین اسلام کی خدمت۔ یہ ان کی مذہبی خدمت تھی۔

(۲) ان علماء کو اقتصادی دباؤ سے آزاد کرنا تاکہ ان کو بنیادی ضروریات مہیا کی جائیں اور وہ ان رکاوٹوں سے آزاد ہو کر اپنے فرائض منصبی بطریق احسن ادا کر سکیں۔

(۳) یہ علماء کسی کے ممنون نہ ٹھہریں۔ یہ مدد ہمیشہ خفیہ طریقے سے ہوتی تھی نہ کہ کسی کو ممنون احسان کرنے کیلئے۔

بابو جیؒ کی ہمدردی اور مہربانی صرف دوستوں کیلئے نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ان مخالفین پر بھی مہربان ہوتے تھے جنہیں ان کا دشمن تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت بابو جیؒ اپنے مستفیدین کرم سے کسی قسم کے تشکر اور ممنونیت کے روادار نہ ہوتے تھے۔

روزانہ راولپنڈی جانے کا معمول -- چاولہ گیراج

بابو جیؒ کا روزانہ کا معمول تھا کہ وہ نمازِ عصر کے بعد راولپنڈی تشریف لے جاتے اور مغرب کی نماز تک وہاں رکتے۔ عموماً عشاء کی نماز بھی چاولہ گیراج میں پڑھ لیتے بعد ازاں واپس تشریف لے آتے۔ گیراج جانے کے معمول کے پس پردہ یہ مقصد کارفرما تھا کہ وہ لوگ جو اپنے حالات ومصروفیات یا کسی اور دباؤ کے تحت گولڑہ شریف نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور بابو جیؒ کے ساتھ روزانہ ملاقات نہیں کر پاتے تھے 'ایسے لوگوں کے لئے راولپنڈی ہی میں موقع فراہم کرنا۔ بابو جیؒ کی چاولہ گیراج میں موجودگی لوگوں کو موقع فراہم کرتی تھی کہ وہ ان سے ملاقات کر سکیں روزانہ کے اس سفر کے لئے عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت مقرر تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے بابو جیؒ ہمیشہ حرکت میں رہتے جس کا راز آج تک نہیں کھل سکا۔

بابو جیؒ پر ناکام قاتلانہ حملہ

بابو جیؒ بلا ناغہ ہر روز پنڈی تشریف لے جاتے۔ موسلا دھار بارش ہو' آندھی یا طوفان ہو' یا

حضرت پیر بابو جیؒ صاحب مدینہ منورہ میں مسجد قُبا سے باہر آتے ہوئے

چلچلاتی دھوپ ہو ان کے لئے پنڈی کی راہ میں کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی تھی ۔ وہ چمکتے ستارے کی مانند باقاعدگی کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھے چمکتے دمکتے دیکھے جاتے ۔ اسی دوران ایک روز ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔

پنڈی سے گولڑہ شریف واپسی پر جب وہ نالہ لیئی کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک بیل گاڑی کھڑی کر دی گئی ہے۔ جب ان کی کار اس کے قریب پہنچی تو دشمنوں نے دونوں جانب سے بندوق کی گولیاں برسانی شروع کر دیں ۔ بابو جیؒ نے حضرت غوث اعظم دستگیرؒ سے مدد طلب کی جبکہ محبوب قوال سے کہا کہ وہ یہ پڑھیں:

نسیما جانبِ بطحا گذر کن

زِ احوالم محمدؐ را خبر کن

''یعنی اے بادِ نسیم مدینہ منورہ کی جانب اپنا رخ پھیر دے اور حضور پاک ﷺ کی خدمت میں میری حالت بیان کر دے''۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد بیل ایک طرف کو سرک گئے اور کار کے گزرنے کا راستہ بن گیا۔ خوش قسمتی سے کار میں سوار کوئی بھی شخص زخمی نہ ہوا۔ بعد ازاں بابو جیؒ نے فرمایا کہ وہ زندگی بھر اس محویت وتوجہ کی حالت کو بھول نہیں پائیں گے۔ جب انہوں نے بے ساختہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کیلیئے پکارا۔ بعض دوست احباب نے بابو جیؒ کو مشورہ دیا کہ آئندہ وہ حفاظتی اقدامات کرلیا کریں لیکن انہوں نے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اللہ کی ذات سے بڑا پناہ دینے والا اور کون ہوسکتا ہے۔

شاہ آں باشد کہ از خود شاہ بود

نے بہ مخزنہا و لشکر شہہ بود

''یعنی بادشاہ وہ ہوتا ہے جس کی شخصیت میں بادشاہوں کی خصوصیات ہوتی ہیں نہ کہ وہ جسکے پاس صرف خزانے اور لشکر وسپاہ ہوں۔'' بابو جیؒ کا یقین تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور کوئی حفاظتی تدبیر اس سے نہیں بچا سکتی۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے لائبریری میں عبادت کے بہانے سے جا کر چوری کر ڈالی

اور وہاں موجود ساری رقم اٹھا کر لے گیا جو لوگوں نے بابو جیؒ کے پاس بطور امانت رکھی ہوئی تھی۔ بابو جیؒ نے وہ پوری رقم اپنی جیب سے متعلقہ مالکوں کو لوٹا دی کیونکہ امین پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ جو مرشد کہلاتے ہیں وہ روحانی امین ہوتے ہیں۔ پناہ دینے والے اور نجات دہندہ۔ بابو جیؒ کی زندگی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا نہیں تھا جو ان کی نظر سے اوجھل ہو۔ وہ علاقے کے غریب کسانوں اور دیہاتیوں پر بھی نظر رکھتے تھے۔ ان کی ہر طرح سے مدد فرماتے خاص طور پر ان کے کھیتوں کیلئے بیج وغیرہ مہیا کرتے۔

پند و نصیحت

بابو جیؒ اکثر اپنے عقیدت مندوں کو یہ تلقین کرتے۔

با محباں باش دائم ہم نشیں
تا توانی روئے اعداء را مبیں

''یعنی ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں جو تمہیں چاہتے ہوں دشمنوں سے کنارہ کش رہو۔ جس طرح بری آب و ہوا انسان کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح بری صحبت سے انسان کا کردار اور شخصیت بدنما ہو جاتے ہیں۔

بابو جیؒ ایسے لوگوں کے سخت مخالف تھے جو ضعیف الاعتقاد اور اوہام پرست لوگوں سے اس بہانے روپیہ بٹورتے ہیں کہ وہ ان کو بد روحوں کے برے اثرات سے محفوظ کر دیں گے۔ وہ فرماتے تھے کہ بیمار شخص کو ڈاکٹر کے پاس جا کر علاج کرانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص بہت اصرار کرتا تو اسے مزار شریف پر جانے کا مشورہ دیتے اور فرماتے کہ وہاں جا کر تختی دیکھیں کہ آیا بیماری کا سبب کوئی بدروح ہے یا کہ نہیں۔ چھوٹا ہو بڑا ہو۔ امیر ہو غریب ہو۔ بابو جیؒ کے دروازے سب کیلئے ہمیشہ کھلے ہوتے تھے۔ ان کی محبت اور شفقت حاصل کرنے کیلئے دھن دولت کوئی کسوٹی نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف انسانیت نواز تھے۔ اور اس خاصیت کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو ان کے مخالفین ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے بابو جیؒ کو خط میں لکھا ''آپ غریبوں کے مقابلے میں دولت

مندوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں'' اس پر انہوں نے فرمایا

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی

اے بتو! ایمانداری اٹھ گئی

تخت و تاج کے پیچھے بھاگنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود بادشاہ نہیں ہوتے۔ کسی کو کیا معلوم کہ ہر قلندر کی بارگاہ میں کیا ہوتا ہے۔

حضور پاک ﷺ کے سچے شیدائی، سنت اور شریعت کے علمبردار بابو جیؒ کو کسی دنیاوی پیمانے کی ضرورت نہیں تھی، جسکے ذریعے ان کے روحانی مرتبے کو جانچا یا پرکھا جائے۔ وہ تو بس زندگی سنوارنے والے، داتا اور مہربان تھے۔

بابو جیؒ اسلامی عقائد پر سختی سے کاربند رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے خادم سے اپنا اوورکوٹ صاف کرنے کو کہا۔ خادم نے ایک نجس ''جانور'' کے بالوں سے بنے ہوئے برش سے کوٹ صاف کرنا چاہا جس پر بابو جیؒ نے فرمایا کہ یہ برش مت استعمال کرو کیونکہ ایسا برش استعمال کرنا اسلام میں منع ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص جس نے بابو جیؒ سے قرض لیا ہوا تھا اس نے بابو جیؒ کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ اس پر بابو جیؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا'' مقروض انسان کی دیوار کے سائے تلے بیٹھ کر آرام کرنا بھی سود لینے کے برابر ہے''۔ بابو جیؒ نے فرمایا کہ اگرچہ میں ایک گناہگار انسان ہوں لیکن امام صاحبؒ کے قول کی روشنی میں، اس دعوت کو قبول کرنے سے معذرت خواہ ہوں۔

ایک مرتبہ بابو جیؒ نے فرمایا۔'' جن کو آپ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ دراصل وہ آپ کے لئے فائدہ مند ہیں۔ جبکہ تعریفیں آپ کو مشکل میں ڈالتی ہیں۔ آپ کے دشمن آپ کے عیب بتا کر آپ کی مدد کرتے ہیں۔ آپ ان عیبوں کو دور کر کے اپنی اصلاح کر سکتے ہیں اگر وہ غلطی پر ہیں تو آپ اللہ کا شکر ادا کریں کیونکہ دشمن کی طرف سے دی گئی تکلیف کو برداشت کرنے سے اللہ ہمیں اس کا اجر عطا کرتا ہے۔ باوجود ان کی دشمنی کے ہمیں ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے کیونکہ وہ بھی خدا کی مخلوق ہیں اور یوں اس طرح بھی ہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔''

گیارہواں باب

حضرت بابو جیؒ کے سفر

بابو جیؒ حضور پاک ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے تھے۔

"کن فی الدنیا کانک غریب او کعابری سبیل" یعنی اس دنیا میں اس طرح زندگی بسر کریں جیسے کوئی بے وطن مسافر یا راستے پر چلنے والا راہگیر۔

بابو جیؒ نے بہت زیادہ سفر کئے اور ساری عمر ایک مسافر چند روزہ کی طرح زندگی بسر کی۔

بابو جیؒ عموماً اپنے خط کے آخر میں یہ الفاظ لکھ کر دستخط کرتے تھے۔"وہی مسافر چند روزہ۔از گولڑہ"

(الف) سفر برائے سعودی عرب

بابو جیؒ نے حج اور عمروں کی ادائیگی کیلئے 34 بار سعودی عرب کا سفر کیا۔انہوں نے اپنا پہلا سفر 1930ء میں کیا اور یہ سفر 1972ء تک جاری رہے انہوں نے آخری حج 1972ء میں ادا کیا۔

ضروری انتظامات

بابو جیؒ نے یہ مقدس سفر کبھی اکیلے نہیں کئے ان کے ساتھ ہمیشہ سینکڑوں لوگ سفر میں شامل ہوتے۔تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی۔وہ اپنے ساتھیوں کو کبھی پیروکار یا مرید کہہ کر نہیں پکارتے تھے۔بلکہ ہمیشہ انہیں سنگی کہہ کر پکارتے اور اس لفظ میں خلوص ومحبت کی چاشنی اور مٹھاس محسوس کی جاسکتی ہے ہم سفر سنگی بے پناہ عنایات سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ریل، بحری، ہوائی یا بسوں کا سفر ہو۔اندرون ملک ہو یا بیرون ملک ،سفر سے متعلق ہر قسم کا انتظام بابو جیؒ نے اپنے ذمہ لگا رکھا تھا۔ علاوہ ازیں سفر کے دوران تمام ساتھیوں کو مفت کھانا مہیا کیا جاتا تھا۔اس ضمن میں خواجہ خدا بخش، حمزہ داؤد، احمد داؤد، محمد دین اور مکھن کے نام قابل ذکر ہیں جن کے ذمے مختلف انتظامی فرائض سونپے جاتے تھے جو کہ بابو جیؒ کی عین مرضی کے مطابق تمام ساتھیوں کی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھ کر سرانجام دیئے جاتے۔

1930ء کے سفر کے دوران بابو جیؒ نے مدینہ منورہ میں حاجی فضل الٰہی سیٹھی کے ہاں

حضرت بابو جیؒ غزنی میں سُلطان محمودؒ کے مزار پر

حضرت بابو جیؒ اپنے سنگیوں کے ہمراہ شہیدانِ بدر کے حضور

حرم شریف کے قرب میں ''ذوکاکش شونا'' کے مقام پر قیام کیا تھا۔ بعد میں سیّد احمد بن سید مصطفیٰ العطاس مدنیؒ نے اپنی رہائش بیئر بضاعہ کے قریب بابو جیؒ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد بابو جیؒ مدنی صاحبؒ کی رہائش گاہ واقع قبا روڈ میں قیام کرتے تھے۔

(ب) ساتھیوں کی دیکھ بھال

سفر کے دوران بابو جیؒ اپنے ساتھیوں کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ سب سے آخر میں نشست پر بیٹھتے اور سب سے آخر میں روانہ ہوتے۔ رہائش کے معاملے میں کافی دیر تک توقف فرماتے حتی کہ تمام ساتھی اپنے اپنے کمرے حاصل کر لیتے۔ اسی طرح کھانے کے معاملے میں سب کے ساتھ یا سب سے آخر میں طعام تناول فرماتے۔ ٹرین میں سفر کے دوران ان مسافروں کو بھی کھانا مہیا کیا جاتا جو ان کے ڈبے میں سفر کر رہے ہوتے۔

1964ء میں لندن کے ہوائی اڈہ پر بابو جیؒ اس وقت تک انتظار کرتے رہے جب تک تمام ساتھی اپنے اپنے متعلقہ ہوٹلوں کو نہیں چلے گئے۔

پاک پٹن شریف میں عرس کے دوران بابو جیؒ اُن زائرین کی دیکھ بھال کرتے اور اُن کے ساتھ بے حد حسنِ سلوک سے پیش آتے جو انہیں وہاں ملنے آتے۔ مدینہ منورہ میں بھی تمام ملاقاتیوں کی دیکھ بھال کی جاتی اور انہیں کھانا کھلایا جاتا۔

اجمیر شریف

بابو جیؒ حضرت اسرار احمد متولی درگاہ شریف کے مکان میں قیام کرتے اور اپنے ساتھیوں کے طعام و قیام کا بھی بندوبست کرتے۔

بابو جیؒ مجسمۂ ہمدردی

گولڑہ شریف میں عرس کے ایام میں تمام زائرین کو کھانا کھلائے جانے کے بعد بابو جیؒ خود کھانا تناول فرماتے۔ جبکہ زائرین کی تعداد ہزاروں میں ہوتی رات کے وقت بارش کی صورت میں آپؒ زائرین کے قیام کے متعلق پریشان رہتے اور رات بھر نہ سو سکتے۔ بابو جیؒ نہ صرف انسانوں کے ہمدرد تھے بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی نہایت ہمدردی رکھتے تھے۔ ایک روز ایک سانپ ان کے

ٹانگے کے پہیئے کے نیچے آ کر مر گیا۔ دوسرے روز اسی وقت اور اسی جگہ اس سانپ کا ساتھی سانپ بل کھاتا ہوا نظر آیا اور ٹانگے کے پہیئے کے نیچے آ کر مر گیا۔ بابو جیؒ کو اس جوڑے کی آپس میں محبت نے بہت متاثر کیا۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ اسی قسم کی محبت ولی اور خدا کے درمیان موجود ہوتی ہے۔ اور اسی حقیقی تلاش سے وہ دائمی حقیقت کو پالیتا ہے۔ جس طرح سانپوں کے اس جوڑے کی موت سے ان کی سچی محبت اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور تمام عارضی رکاوٹوں کو پھاند کر وہ یکجا ہو گئے' اسی طرح انسان بھی سچی محبت اور حقیقی تڑپ کی بدولت ''مطلوب'' کو حاصل کر لیتا ہے۔ بابو جیؒ کی خواہش کے مطابق سانپوں کے اس جوڑے کو دفن کر دیا گیا۔ نعمت اللہ الہ آبادی نے اس واقعہ کے بارے میں خصوصی کلام نظم کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

بارھواں باب

اندرون ملک پاکستان میں

جہانگیر آباد میں قیام:

باباجیؒ ملتان جاتے ہوئے عام طور پر جہانگیر آباد میں خان بہادر دوست محمد خان وٹو کے ''فارم'' پر قیام فرماتے جو کہ ایک سچے مسلمان اور پیر مہر علی شاہؒ کے نہایت مخلص مرید تھے۔ وہاں محبوب قوال اپنی قوالی سے ایک خاص قسم کا روحانی سماں پیدا کرتا۔ ایک موقع پر باباجیؒ نے خان بہادر سے فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اب بیعت لینے کا کام چھوڑ دیں اور یہ کام اپنے صاحبزادوں کے حوالے کر دیں اور خود ''کریر'' کے درختوں کے پاس ایک خیمہ لگا کر وہاں بقیہ زندگی گزار دیں کیونکہ اب وہ تھک چکے ہیں ''کریر'' کے درختوں کا وہ جھنڈ خان بہادر کے فارم سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

دلیل

یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان زندگی میں علم و دولت، عیش و آرام اور شہرت کی خواہش رکھتا ہے۔ اور اس طرح اس کی روح مادہ پرستی کے چنگل میں پھنس جاتی ہے۔ اور اپنے مطلوبہ مقصد کو حاصل نہیں کر پاتی۔ لیکن پیغمبر اور درویش کچھ دیر کیلئے یا تھوڑے عرصہ کیلئے اپنے آپ کو دنیا والوں سے کنارہ کش کر لیتے ہیں تاکہ مادی خواہشات کو قابو میں لا سکیں۔ اور اپنی روحانیت کو پھر سے تازہ کر سکیں۔ عرفان ذات، عزم تازہ اور کائنات کے باگ ڈور سنبھالنے کیلئے مطلوبہ توانائی ایسی ہی خلوت سے حاصل ہوتی ہیں۔ باباجیؒ اس بات پر زور دیتے تھے کہ

نمی گویم کہ از عالم جدا باش

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ باباجیؒ ہمیشہ اس مقولے پر کاربند رہے۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا تھا کہ باباجیؒ خود اپنے ہی مقولے کے برعکس چلتے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین اور شریعت کی مکمل پابندی اور بنی نوع انسان کی بھرپور خدمت کرنا ایک تن تنہا سادھو کی طرح

زندگی بسر کرنے سے کہیں زیادہ کٹھن ہے۔ پھر حضرت بابو جیؒ کی اس خواہش کا مطلب کیا تھا؟۔

بابو جیؒ نے ''تھکاوٹ'' کا لفظ مجازی معنوں میں استعمال کیا۔ یعنی انجن چلتا ہے لیکن اس کو ایندھن کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اسے مکمل طور پر ایک طرف لے جا کر ہمیشہ کیلئے بے کار بنا دیا جائے۔ بابو جیؒ اس دنیا میں انسانوں کے لئے نعمت خداوندی بن کر تشریف لائے تھے۔ پس یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی ہی تعلیمات کے برعکس چلتے جو یہ کہتی ہیں۔

بہر جائیکہ باشی باخدا باش

یعنی جہاں کہیں رہو خدا کو یاد رکھو۔ اور خدا کو یاد رکھنے کا مطلب اُس کی مخلوق یعنی انسان کو یاد رکھنا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بابو جیؒ نے اپنی اس خواہش کا اظہار جہانگیر آباد میں کیوں کیا؟ وہ کسی اور مقام کا انتخاب بھی کر سکتے تھے یا اس مقصد کیلئے کوئی جنگل بھی منتخب کر سکتے تھے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انہیں اس مقام سے انسیت ہوگئی تھی۔ دوسرے یہ کہ کریر کا درخت آنکھوں کو بھانے والا دلچسپ درخت ہے۔ اس درخت کے اندر ہمدردی جیسی انسانوں کی خصوصیت موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضور پاک ﷺ علیل ہوگئے تھے اور اِس درخت کے سائے تلے تشریف فرما ہوئے تو اس درخت نے حضور ﷺ کی بیماری اپنے اندر جذب کر لی تھی۔ اس دن کے بعد یہ درخت ہمیشہ سدا بہار رہتا ہے۔ دراصل یہ حضور پاک ﷺ کی محبت تھی جسکی بنا پر بابو جیؒ نے اس مقام پر خیمہ لگا کر قیام کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔ بابو جیؒ کی خواہش کا سن کر خان بہادر نے کہا کہ پھر تو ہم سب سنگی بھی اپنا خیمہ یہاں لگا کر آپ کا ساتھ دینگے۔ اس پر بابو جیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہی پرانی پہلی جیسی گہما گہمی۔ پس انہوں نے یہ خیال ترک کر دیا۔ بابو جیؒ نہایت شفیق شخصیت کے مالک تھے اس لئے ہر انسان انہیں اپنانے کی کوشش کرتا۔ اسی اپنائیت کے جذبے کے تحت خان بہادر بھی آمادہ ہوگئے کہ وہ بھی بابو جیؒ کے ساتھ رہیں گے کیونکہ وہ ان سے دور نہیں رہنا چاہتے تھے۔

پشاور کے بابا فضل الٰہی سیٹھی جہانگیر آباد کو ''امن آباد'' کے نام سے پکارتے تھے۔ بابو جیؒ کی اس مقام کیساتھ وابستگی کو ذہن میں رکھتے ہوئے دونوں سردار بھائیوں سے کہا گیا کہ وہ بابو جیؒ

کے بارے میں مزید کچھ معلومات بہم پہنچائیں۔ یہ حضرت بابو جیؒ کی محبت کا فیضان تھا کہ خان بہادر کے مسلسل اصرار پر وہ لاہور میں منعقدہ ''میلہ مویشیاں'' دیکھنے تشریف لے جاتے۔ میلے کے دوران ایک مرتبہ اس وقت کے گورنر اعظم خان بابو جیؒ کے پاس ایک سٹال پر آئے اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے میلہ میں تشریف لا کر انہیں بہت عزت بخشی ہے۔ خان بہادر کی وفات کے بعد ان کے دونوں بیٹے صبح صادق خان اور محمد اکرم خان اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے رہے اور بابو جیؒ کیلئے عزت و توقیر کا وہی سلسلہ جاری رکھا جو ان کے والد محترم نے قائم کر رکھا تھا۔ اسی طرح بابو جیؒ نے بھی اپنے خلوص و شفقت کی روایت کو زندگی بھر نبھایا۔ بابو جیؒ کی وابستگی ہمیشہ مستقل ہوتی۔ انہیں ہمہ وقت اپنے ساتھیوں کے طعام و قیام کا خیال رہتا۔ حج کیلئے سفر کے دوران ان کی طرف سے تمام ساتھیوں کو کھانا مہیا ہوتا۔ ساہیوال کے اسٹیشن پر کئی صاحب حیثیت خاندان حجاج کرام کو کھانا کھلانے کے متمنی ہوتے جن میں بابو جیؒ کے خاص دوست خان بہادر کے بیٹے بھی ہوتے۔ حضرت بابو جیؒ نے ہمیشہ خان بہادر ہی کی اولاد کو اس خدمت کیلئے ترجیح دی۔ ایک مرتبہ سردار اکرم نے بتایا کہ وہ تیئس دن تک ٹائیفائڈ کی بیماری میں مبتلا رہا اور بطور شکوہ بابو جیؒ سے کہا کہ آپ نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ اور پھر کہا ''میری موت کے بعد مجھے کون پوچھے گا''۔ شکوہ اور سوال سن کر بابو جیؒ نے فرمایا ''آپ نے کس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے؟'' جواب دیا کہ ''آپ کے ہاتھ پر''۔ بابو جیؒ نے فرمایا ''تو پھر بے غم ہو جاؤ کیونکہ پیر مہر علی شاہؒ نے اس بات کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔''

مزید انکشاف

ایک مرتبہ کراچی کے سفر پر سردار اکرم اور ان کے دوسرے ساتھی (مرحوم) خواجہ مظفر محمود اور محبوب قوال موجود تھے۔ سڑک پر انہوں نے دیکھا کہ مجذوبوں کا ایک جلوس جا رہا ہے ان سب نے ایک ہی طرح کا لباس پہن رکھا تھا صرف چہرے مختلف تھے۔ سردار صاحب نے بتایا کہ یہ بات بڑی حیران کن تھی کہ مجذوبوں کا یہ سیلاب سڑک کی دونوں جانب امڈا چلا جا رہا تھا۔ اور کراچی پہنچنے تک یہ جلوس جاری رہا۔ وہ بابو جیؒ سے ملنے آئے تھے یا پھر شاید یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا ان کے ذمے کوئی کام سپرد کیا گیا ہے۔ جب بابو جیؒ کے صاحبزادوں سے اس بارے میں مزید وضاحت

مانگی گئی تو انہوں نے اس پر خاموشی اختیار کی۔

جگت پیر:

بابو جیؒ کا معمول تھا کہ وہ پنڈی کے اندرون شہر تشریف لے جایا کرتے بعد میں یہ معمول تبدیل ہو گیا اور وہ چاولہ گیراج جانے لگے۔ ایک مرتبہ بابو جیؒ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آج وہ شہر جانا چاہیں گے اور راستے میں آنے والی قصاب کی دکان سے گزریں گے۔ چنانچہ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو ساتھیوں نے دیکھا کہ دکان کے کونے میں ایک شخص کھڑا تھا جس کی گھنی مونچھیں تھیں۔ بابو جیؒ نے گاڑی رکوا دی اور جیب سے کچھ رقم نکالی اور اس آدمی کو دے دی۔ اس نے رقم لی بابو جیؒ کی طرف ایک نظر ڈالی اور خاموشی سے چلا گیا۔ پوچھنے پر بابو جیؒ نے بتایا کہ وہ شخص ہندو تھا اور مالی تنگدستی میں مبتلا تھا لہٰذا اس کی مالی امداد ضروری تھی۔

اس میں کوئی حیرت نہیں کہ بابو جیؒ جگت پیر کے نام سے جانے جاتے تھے یعنی تمام انسانوں کے سچے خیر خواہ لیکن انہوں نے اس کا چرچا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان کے پاس انسانیت نواز دل تھا انہیں فوراً علم ہو جاتا تھا کہ کسے اور کہاں ان کی مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں مردنش باشد امید
چہ خبرداری ز ختمِ عمرِ اُو
تا بگردانی ازو یک بارہ رُو

(رومیؒ)

یعنی کسی کافر کو نفرت کی نگاہ سے مت دیکھ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے فوت ہو جائے تمہیں اس کے انجام کے متعلق کیا خبر جو تم اسے اس طرح دھتکارتے ہو۔

روح کی بالیدگی

بابو جیؒ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو مزید تعلیم کے لئے بہاولپور بھیج رکھا تھا تا کہ جسمانی، تربیت کے ذریعے ان کی روحانی تراش خراش کی جا سکے۔ ایک مرتبہ خان بہادر اُن صاحبزادوں

سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کھڑے ہیں۔ سردار اکرم بتاتے ہیں کہ واپسی پر خان بہادر نے اپنی زوجہ محترمہ سے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان جیسے لوگ جو اپنے آپ کو بابوجیؒ کا ادنیٰ غلام اور مرید سمجھتے ہیں ان کے بیٹے بھی ٹھنڈے کمروں اور کئی دیگر سہولتوں سے بہرہ ور ہیں جبکہ بابوجیؒ کے صاحبزادے عام کمروں میں رہتے ہیں، جبکہ بہاولپور میں سخت ترین گرمی پڑتی ہے یہ سن کر اہلیہ محترمہ نے کہا کہ صاحبزادے یہ تکلیفات اس لئے برداشت کر رہے ہیں تا کہ وہ اپنے آپ کو کامل بنا سکیں۔ کیونکہ دونوں جہانوں کی قیادت ان کے پاس ہے۔ وہ بادشاہ ہیں انہوں نے آقا بننا ہے اور جو وہ کر رہے ہیں۔ وہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔

سردار اکرم نے بتایا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران حجاج کرام کی تعداد میں خاصی کمی واقع ہوگئی تھی چنانچہ بابوجیؒ نے بہت بڑی رقم سے سعودی عوام کی امداد فرمائی کیونکہ وہ نہایت تنگدستی کے عالم میں پھنسے ہوئے تھے۔

راہ راست پر لانے کا طریقہ

ایک مرتبہ بابوجیؒ ایک صراف کو ملنے گئے جو سون سکیسر میں رہتا تھا، بابوجیؒ کی آمد پر اپنی محبت کے جوش میں اس نے سارے فرش پر ریشمی کپڑا بچھا دیا۔ دیواروں کو اسی کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ ریشمی بستر بچھا دیا۔ اس پر بابوجیؒ نے سردار اکرم سے فرمایا کہ صراف کو منع کر دے کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اس طرح سے کہ اس کی دل آزاری نہ ہو۔ لوگوں کو راہ راست پر لانے کیلئے ایسا طریقہ اپنانا چاہیے جس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو اور وہ کوئی خفت محسوس نہ کریں۔ جہانگیر آباد میں قیام کے دوران بابوجیؒ نے دیکھا کہ صوبہ خان نامی نوکر کمرے کے ایک سمت بیٹھا ہاتھ سے کھینچنے والا پنکھا سردار اکرم کیلئے چلا رہا ہے اور جہاں وہ نوکر بیٹھا تھا اس پر کڑی دھوپ پڑ رہی تھی۔ جسکی وجہ سے وہ پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بابوجیؒ نے نوکر سے کہا کہ اپنا یہ کام اپنے مالک کے حوالے کر دو تا کہ اکرم خان کو احساس ہو سکے کہ تپتی دھوپ میں بیٹھ کر پنکھا چلانا کس قدر کٹھن کام ہے۔

ملتان میں:

ملتان اور اس کے گردونواح میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی مرید

تھی ۔ملتان میں خواجہ خاندان کے سردار میاں حاجی امام بخش آپکے خاص عقیدت مند تھے ۔اُن کے صاحبزادے میاں حاجی مظفر دین اور خواجہ مظفر محمود بھی عقیدت مندوں میں شامل تھے ۔

خواجہ خدا بخش اور خواجہ عبدالودود پر بابو جیؒ کی خاص نظر عنایت تھی ۔اب بھی خلوص و محبت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

پاک پٹن شریف میں:

پاک پٹن شریف میں بابو جیؒ دیوان سید محمد صاحبؒ کی حویلی میں قیام کرتے اور ان کی وفات کے بعد میاں غلام فرید کی رہائش گاہ میں قیام پذیر ہوتے ۔

جھنگ میں

جھنگ میں بابو جیؒ مہر احمد نواز کی رہائش گاہ کو اپنے قیام کا شرف بخشتے جنہیں بابو جیؒ پیار سے پنج پھولاں کے نام سے پکارتے اور جو بابو جیؒ کو بہت عزیز تھے ۔

قصور میں: قصور میں بابو جیؒ نواب زادہ فتح باز محمد خان کے ہاں قیام کرتے ۔

سرگودھا میں

بابو جیؒ ڈیرہ سادھا لک کے مقام پر مہر عبدالرحمٰن لک کے ہاں قیام کرتے ۔ان کے والد حاجی مہر سادھا لک کی ملاقات حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے ساتھ سیال شریف میں 1905ء سے پہلے ہوئی تھی ۔ان کا خاندان آج بھی گولڑہ شریف کا حلقہ بگوش ہے۔

اسی سال ان کے دونوں صاحبزادوں حاجی مہر عبدالرحمٰن اور حاجی مہر جہان لک نے پیر مہر علی شاہؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ۔حضرت اعلیٰؒ 1907 میں سادھا لک تشریف لے گئے تھے اور 1926 تک آپ سیال شریف کے سالانہ دورے کے دوران سادھا لک میں قیام فرماتے ۔مہر جہان کے تین بیٹے بچپن میں فوت ہو چکے تھے اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی ۔بابو جیؒ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اسے 82 سال کی عمر میں 1941 میں بیٹا عنایت فرمایا۔ بابو جیؒ نے فرمایا کہ یہ بیٹا غوث پاکؒ کی جانب سے اس کے لئے ایک تحفہ ہے ۔ چنانچہ بچے کا نام غلام دستگیر رکھا گیا ۔غوث پاکؒ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے بابو جیؒ، مہر جہان، مہر عبدالرحمان اور غلام دستگیر نے بغداد شریف کا سفر کیا اور حضرت غوث اعظمؒ کے مزار پر حاضر ہو کر 1951 میں

اس عظیم ہستی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ مہر جہان خان لک 1952 میں فوت ہوئے جب اس کے بیٹے کی عمر صرف ساڑھے دس برس تھی۔ بابو جیؒ ہمیشہ اسے اپنی شفقت سے نوازتے اور اس پر اپنی خاص نظر عنایت فرماتے۔ جب غلام دستگیر کی 13 نومبر 1967 کو شادی ہوئی تو بابو جیؒ نے خود اس شادی میں شرکت فرمائی۔ 1967 میں بابو جیؒ نے ڈیرہ میں غلام دستگیر کی شادی کے موقع پر دو دن قیام فرمایا۔ بابو جیؒ کی دعاؤں سے اللہ تعالی نے اسے 1968 میں بیٹا عطا کیا جس کا نام بابو جی نے محمد منیر تجویز فرمایا۔ بابو جیؒ کی نگاہ میں غلام دستگیر کے والد بزرگوار کی بڑی عزت تھی جسکی وجہ سے غلام دستگیر کو ہمیشہ اپنی شفقت اور نظر کرم سے نوازتے رہتے۔

کراچی میں

تقسیم ہند سے بہت پہلے سیٹھ احمد داؤد کراچی والے' بابو جیؒ کے مرید بن چکے تھے۔ بعد میں انہوں نے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بابو جیؒ نے ان کے ذمے بیرون ملک سفر کے انتظامات کا فریضہ سونپا ہوا تھا۔ وہ یہ فریضہ بابو جیؒ اور ان کے سنگیوں کی توقعات کے عین مطابق سرانجام دیتے۔ ان کی وفات کے بعد اب یہ فریضہ ان کے صاحبزادے حمزہ داؤد سرانجام دیتے ہیں۔ ابتداء میں بابو جیؒ ساتھیوں سمیت ریلوے اسٹیشن کے قریب میسرز صادق ٹریڈز کی عمارت میں قیام کرتے۔ بعد ازاں پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی میں احمد داؤد کی رہائش گاہ میں قیام کرتے۔

کراچی میں قیام کے دوران بابو جیؒ ہمیشہ پاکستان میں عراق کے سفیر عبد القادر گیلانیؒ سے ملنے جایا کرتے۔ انہوں نے ہی بابو جیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

تقسیم سے پہلے ایک مرتبہ ایک غیر مسلم دوارکا سنگھ نامی شخص کے گھر کو بابو جیؒ نے اپنے قیام کا شرف بخشا تھا۔ یہ شخص انارکلی (لاہور) میں سواسیٹکا سٹورز کا مالک تھا: اس نے اپنے ساتھیوں سمیت اصرار کیا کہ بابو جیؒ اس کے ہاں تشریف لائیں جو کہ پنجاب یونیورسٹی کے پرانے کیمپس کے بالمقابل واقع ہے۔ چنانچہ وہاں محفل سماع منعقد ہوئی اور بعض غیر مسلموں کو بھی وجد کی کیفیت میں دیکھا گیا۔ وہاں موجود تمام لوگ بابو جیؒ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے محفل سماع منعقد کرنے کے پس پردہ اسلامی روایت کے جذبے کو برقرار رکھنا ہے۔ سماع ایک ایسی روایت ہے جسکے ساتھ صوفیائے کرام کی گہری وابستگی ہے۔ اسلام کے ساتھ سکھوں کے اس لگاؤ نے بابو جیؒ کو مجبور کیا کہ وہ

ان کی دعوت قبول کرلیں اور جگت پیر ہونے کی حیثیت سے وہ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے۔

لاہور میں

لاہور میں قیام کے دوران بابو جیؒ میاں محمد حیات قریشی کے ہاں قیام فرماتے۔ وہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے بہت بڑے مخلص ساتھی تھے۔ کچھ عرصہ ان کے ہاں محفل سماع منعقد ہوتی رہی۔ بعد میں بابو جیؒ میاں محمد سعید قریشی سینئر اور اس کے بھائی میاں ذاکر حسین قریشی کی رہائش گاہ نزد فورٹریس سٹیڈیم لاہور میں قیام فرماتے۔ شورش کاشمیری معروف صحافی تصوف پر سخت تنقید کیا کرتا تھا۔ لیکن جہاں تک بابو جیؒ کا تعلق ہے وہ انہیں سنت اور شریعت کا کامل نمونہ سمجھتے۔ شورش کاشمیری نے اپنی تحقیق کا نتیجہ نکالتے ہوئے کہا کہ بابو جیؒ ایسی ہستی ہیں جنہوں نے اپنی شخصیت سے انہیں بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور کہا کہ وہ ایک کامل، یگانہ و یکتا شخصیت کے مالک ہیں۔ بابو جیؒ کے ساتھ انکا تعلق ہمیشہ سے قائم ہے۔ ایک مرتبہ شورش کاشمیری نے لاہور میں بابو جیؒ کے اعزاز میں محفل سماع کا انتظام کیا جس میں دانشوروں شاعروں اور معززین نے شرکت کی۔

پشاور میں

شروع میں بابو جیؒ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ پشاور میں خان بہادر حاجی کریم بخش سیٹھی کی رہائش گاہ میں قیام فرماتے۔ بعد ازاں جناب اسماعیل سیٹھی کے ہاں محلہ سیٹھیاں میں قیام فرماتے۔ جناب اسماعیل سیٹھی کے خاندان کے افراد حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے اس موقع پر مرید ہو گئے تھے جب آپؒ دیوان صاحب اجمیر شریف سید غیاث الدینؒ کی دعوت پر پشاور کے علماء کے ساتھ سماع کے موضوع پر تبادلہ خیال کے لئے تشریف لائے تھے۔ بعد میں خان بہادر حاجی کریم بخش اور ان کے چچازاد بھائی حاجی عبدالرحیم نے 1900ء میں بمقام لاہور مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مجوزہ مناظرہ کے سلسلہ میں بھرپور شرکت کی۔ حضرت پیر مہر علی شاہؒ مع بابو جیؒ 1911ء میں اور پھر 1929ء میں پشاور تشریف لائے تھے۔ بعد ازاں بابو جیؒ کئی موقعوں پر کئی مرتبہ پشاور تشریف لائے۔

30 نومبر 1962ء کو یومِ رومیؒ کے موقع پر بابو جیؒ نے محفل سماع میں شرکت فرمائی جو کہ

اسلامیہ کالج اور پھر گورنمنٹ کالج پشاور میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد 3 مارچ 1972ء میں پشاور ثانوی تعلیمی بورڈ کے احاطے میں منعقد ہونے والی محفل سماع میں بابو جیؒ نے شرکت فرمائی۔

یوم رومیؒ حضرت بابو جیؒ کے مولانا رومؒ سے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت مولانا رومؒ کے ساتھ بابو جیؒ کو بے پناہ عقیدت تھی۔ یہی محبت کا جذبہ تھا جس کی بنا پر وہ بعدازاں حضرت رومیؒ کو ''پیرما'' کہہ کر یاد فرماتے۔

☆☆☆☆☆☆

تیرھواں باب

سفر قونیہ (ترکی)

بابو جیؒ کو مولائے روم کے ساتھ بے حد عقیدت تھی۔ آپ حضرت سید احمد بن مھصار العطاس مدنیؒ اپنے دونوں صاحبزادوں سید غلام معین الدینؒ اور شاہ عبدالحق اور کئی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ 1949ء میں قونیہ، ترکی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جلال الدین رومیؒ کے مزار شریف کے مدیر منتظم نے آپؒ کے اعزاز میں ظہرانہ دیا۔ منتظم نے بتایا کہ اس نے اس دعوت کا اہتمام خود حضرت جلال الدین رومیؒ کی ایما پر کیا ہے۔ بابو جیؒ حضرت رومیؒ کے بہت بڑے عقیدت منداور مداح تھے اور فرماتے کہ حضرت رومیؒ آیت من آیات اللہ ہیں۔ یعنی خدائی نشانیوں میں سے ایک ہیں۔ وہ مظہر اتم ہیں۔ یعنی کامل مظہر خداوندی۔ وہ فنافی اللہ تھے اور اسرار خداوندی کے بحر کے غوطہ زن تھے۔ قونیہ شریف میں قیام کے دوران جناب طاہر نامی ایک وکیل مادام سارہ اقچہ کے ہمراہ بابو جیؒ سے ملنے آئے۔ بابو جیؒ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں کہ حضرت مولانا رومیؒ کی پناہ میں رہتے ہیں جنہوں نے زندگی بھر اللہ کو یاد کیا۔ جسکے بدلے میں اب اللہ انہیں یاد کر رہا ہے۔ بابو جیؒ کا یہ بیان قرآن پاک کی اس آیت کی یاد دلاتا ہے۔

فاذکرونی اذکرکم (پارہ۔۲۔سورت البقرہ۔۱۵۲)

یعنی اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اللہ فرماتا ہے"میں زمین وآسمان میں نہیں سما سکتا سوائے مومن کے دل کے" حضرت رومیؒ کا دل پاکیزہ تھا اور اللہ کا مسکن بننے کے لئے "موزوں" تھا۔ یہ اُن تمام لوگوں کے لئے رشد و ہدایت کا ذریعہ تھا جو کائنات میں سچائی اور حسن کی روشنی کے متلاشی تھے۔ رومیؒ صدق حقیقی کا مظہر تھے۔ رومیؒ کا اللہ کے ساتھ اس قسم کا رشتہ تھا۔ جس کی خواہش ہر انسان کو کرنا چاہیے۔ انہوں نے اپنا کلام اسی کیفیت کے عالم میں کہا اس لئے ہر انسان پر اثر کرتا ہے۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کے باقاعدہ

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام
ہر کہ ناقص آمد ایں جا شُد تمام

پیر سیّد غلام محی الدین بابو جیؒ اپنے صاحبزادگان اور ساتھیوں کے ہمراہ قونیہ (ترکی) میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے۔

اپنا کلام اسی کیفیت کے عالم میں کہا اس لئے ہر انسان پر اثر کرتا ہے۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کے با قاعدہ مطالعہ سے پوری بنی نوع انسان روشنی اور رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ یہ کلام انسانوں میں دائمی محبت کو واضح کرتا ہے کہ رہنمائی صرف وہی کر سکتا ہے جو خود کامل ہوتا ہے۔ بابو جیؒ اپنے آپ کو حضرت رومیؒ کا مرہون منت تصور کرتے تھے۔ اور وہ ان تمام لوگوں سے محبت کرتے تھے جو رومیؒ کے عقیدت مند ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ بابو جیؒ نے مادام سارہ اقچہ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''پھر محبت نہ تو پرانی ہوتی ہے اور نہ ہی ختم ہوتی ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کی سمت کا تعین سچائی کے راستے پر ہو۔ حضور پاک ﷺ ایک دائمی روشن ماہتاب کی مانند ہیں۔ انؐ کے ساتھ اپنی محبت کو ذہن میں رکھتے ہوئے انؐ پر درود و سلام بھیجنا چاہئے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخرت کے دن ہر انسان اسی جماعت کے لوگوں میں شامل ہوگا جن کے ساتھ دنیا میں اس کی محبت تھی۔ اس لئے حضور پاک ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والے قیامت کے دن انؐ کے ساتھ ہونگے المرءُ مع من احب (انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی)۔''

بابو جیؒ اکثر وہ اشعار پڑھتے جو حضرت رومیؒ کے مزار مقدس کے دروازے کے اوپر تحریر ہیں۔

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام
ہر کہ ناقص آمد ایں جا شد تمام

''یعنی یہ مقام عاشقوں کا کعبہ ہے جو شخص ناقص ہوتا ہے وہ یہاں آنے کے بعد پاک صاف ہو کر کامل ہو جاتا ہے۔''

مادام سارہ اقچہ

حضرت رومیؒ کے مزار اقدس کے دروازے پر بابو جیؒ کی نگاہ ایک ترک خاتون پر پڑی جو مولانا رومیؒ کے سامنے آہ و زاری اور گلے شکوے کر رہی تھی۔ بابو جیؒ نے مدنی صاحبؒ سے پوچھا کہ یہ خاتون کیوں رو رہی ہے؟ اس خاتون کی حالت زار معلوم ہونے پر بابو جیؒ نے فرمایا اس خاتون سے کہہ دیں کہ چپ ہو جائے اور اب وہ مجھے اپنا بھائی سمجھے۔ چنانچہ وہ خاتون اس دن کے

اس خاتون کی عزت واحترام کرتے ہیں۔ ہر سال وہ گولڑہ شریف تشریف لاتی ہیں۔اس خاتون کو بابو جیؒ اور ان کے خاندان کے ساتھ بے پناہ محبت ہے۔ وہ حضرت بابو جیؒ کی محبت اور عقیدت میں سرشار ایک مثالی خاتون ہیں اور حضرت کے گھرانے سے گہرا اُنس رکھتی ہیں اور خود اپنی ذات میں ایک مثالی مسلمان خاتون ہیں جو اولیاء اللہ کی سچی محبّ ہیں۔اگر ان سے بابو جیؒ کی شخصیت اور مہربانی کے بارے میں دریافت کیا جائے تو جواب میں کہیں گی:

''بابو جیؒ کی شخصیت بے مثال اور یکتا ہے، جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔خصوصیات اور خوبیاں لامحدود الفاظ محدود۔''

مولانا رومیؒ کے مزار اقدس پر ملاقات کے بعد مادام سارہ اَچِہ بابو جیؒ کو جناب ویلی ارطان ناظم معہد الاسلام العالی اور حضرت فریت اُکسک اسلام صاحبان سے متعارف کرانے لے گئیں۔ ناظم کی اجازت سے محبوب قوال نے مثنوی سے کچھ اشعار پڑھے اور بعد میں بابو جیؒ نے فاتحہ پڑھی۔اس کے بعد قونیہ میں قیام کے دوران بابو جیؒ کا یہی معمول رہا۔بعد ازاں وکیل صاحب نے بابو جیؒ اور ان کے ساتھیوں کو پارک میں استقبالیہ کی دعوت دی وہ بابو جیؒ کی شخصیت سے بے حد متاثر تھا۔1949 کے بعد بابو جیؒ 1964 اور 1969 میں قونیہ تشریف لے گئے تھے۔

ترکی کے سفر کے دوران بابو جیؒ مولانا جلال الدین رومیؒ اور حضرت شمس الدینؒ کے مزارات کے علاوہ استنبول میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر بھی تشریف لے گئے تھے قونیہ میں قیام کے دوران بابو جیؒ کے اعزاز میں استقبالیہ دینے والے وکیل جناب محمد طاہر صاحب کی وفات پر گولڑہ شریف میں ختم قرآن پاک کا بندوبست کیا گیا تاکہ اس کی روح کو ایصال ثواب پہنچایا جائے۔ بابو جیؒ نے مادام سارہ کو ہدایت کی کہ سوگوار خاندان سے ان کی جانب سے دلی ہمدردی کا اظہار کریں۔ 7 جنوری 1966 کو بابو جیؒ نے مادام سارہ کے نام خط میں دعا فرمائی کہ خدا کرے قبرص میں مقیم لوگوں کے حل طلب مسائل کا باعزّت تصفیہ ہو جائے۔استنبول میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار شریف پر حاضری کے موقع پر ہزاروں ترک باشندے بابو جیؒ کی ایک جھلک دیکھنے اکٹھے ہو گئے تھے اور آپؒ کے ہاتھ مبارک چومنے لگے اور استدعا کرنے لگے کہ آپؒ بغداد شریف میں ان کے حق میں دعا فرمائیں۔

حضرت سیدنا غوث الاعظمؓ کے روضہء مطہرہ کا بیرونی اور اندرونی منظر

جالی
مبارک
حضور
غوثِ اعظم
رضی اللہ عنہ

چودھواں باب

سفر برائے عراق، شام اور یورپ

بغداد شریف کیلئے بابو جیؒ نے کئی سفر کئے۔ انہوں نے ۱۹۵۷ء کے عراق کے ایک سفر کا واقعہ بیان فرمایا۔ اس سفر میں انکے ساتھ دوسرے سنگیوں کے علاوہ حضرت مدنی صاحبؒ بھی شریک تھے۔ وہ سب کربلا کی طرف روانہ تھے۔ بابو جیؒ کی کار کے ڈرائیور کا نام ناجی تھا وہ اپنا راستہ بھول گیا۔ اس کار میں بابو جیؒ، حضرت مدنی صاحبؒ اور کچھ دوسرے ساتھی تھے۔ دوسرے ساتھی دوسری کاروں میں نسبتاً جلدی نکل گئے تھے۔ گرمی زوروں پر تھی اور ان کے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ مدنی صاحبؒ ذیابیطس کے مریض ہونے کی وجہ سے سخت پیاسے تھے اور انہیں پانی کی شدید ضرورت تھی۔ بابو جیؒ کو مدنی صاحبؒ کے متعلق بے حد تشویش لاحق ہوگئی تھی۔ منزل کے صحیح راستہ کا معلوم نہ ہونا سخت پریشانی کا باعث بن گیا۔ اس موقع پر بابو جیؒ نے اپنے تمام ساتھیوں کو ہدایت دی کہ یہ پڑھیں۔

اعینونی یا عباد اللّٰہ الصّالحین یعنی اے اللہ کے نیک بندو۔ ہماری مدد کو پہنچو!

سب نے یہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک بابو جیؒ نے گاڑی کی سکرین سے روشنی دیکھی جو بالکل سامنے کی جانب رہنمائی کر رہی تھی۔ بابو جیؒ نے ڈرائیور سے کہا اس روشنی کی سمت میں کار چلائے۔ ڈرائیور نے تعمیل کی۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک شخص نے انہیں دوسری سمت چلنے کی ہدایت کی۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد راستے میں پولیس کا دستہ ملا جس نے انہیں وہی راستہ بتایا جس جانب وہ کار شروع میں جا رہی تھی۔ یعنی منزل کا صحیح راستہ اس ''اعینونی'' والی روشنی نے متعین کر دیا تھا۔

بغداد شریف میں حضرت غوث الاعظمؒ کے مزار شریف پر ایک ابدال کی مستقل ڈیوٹی ہوتی ہے۔ کسی شخص نے بابو جیؒ کو اس ابدال کی علامات اور نام اس شرط پر بتائے تھے کہ وہ کسی اور شخص پر ظاہر نہیں کریں گے ورنہ وہ ابدال ناراض ہو جائیں گے۔ بابو جیؒ فرماتے ہیں۔

''میں نے اس ابدال کو دیکھا مگر وہ دوسری جانب سے کھسک گیا۔'' دوسری مرتبہ بابو جیؒ کو وہ ابدال ملا اور بابو جیؒ نے اسے کچھ رقم دی اور پھر وہ غائب ہو گیا۔ وہاں ایک مسجد ہے جہاں تمام

ابدال رات کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں بعض لوگ ان کی آوازیں سنتے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے۔

غوث پاکؒ کے مزار پر آلات موسیقی کا استعمال ممنوع ہے۔لیکن بابو جیؒ کو ایک مرتبہ خصوصی طور پر اس کی اجازت دی گئی چنانچہ محبوب قوال نے ستار کے ساتھ چند اشعار کہے۔ یہ شرف صرف بابو جیؒ کو حاصل ہوا کیونکہ ایک طرف ان کا سلسلہ نسب غوث پاکؒ سے ملتا ہے تو دوسری طرف بابو جیؒ کے دل میں غوث پاکؒ کیلئے بے پناہ محبت کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔اس موقع پر خواجہ مظفر محمود اور کچھ دوسرے ساتھی بھی موجود تھے۔

بغداد شریف میں بغیر آلات کے محفل سماع روزانہ منعقد ہوتی تھی جسے نقیب الاشراف بھی پسند کرتے تھے اپنے قیام کے آخری ایام میں ایسے اشعار کہے جاتے تھے جن سے فراق کا دکھ ظاہر ہوتا تھا۔ وہاں موجود ہر شخص یہ اشعار سن کر زاروقطار رونے لگتا۔ بحری جہاز پر سفر کے دوران یورپین بھی قوالی سنتے۔اگرچہ وہ قوالی کا مفہوم نہیں سمجھ پاتے پھر بھی یک سوئی سے سنتے اور محظوظ ہوتے اور بعض پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔

بابو جیؒ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کے مزارات پر بھی حاضر ہوئے۔علاوہ ازیں آپؒ نے کاظمین شریف، امام ابو حنیفہؒ ، حضرت یوشع پیغمبرؑ، حضرت معروف کرخیؒ ، حضرت جنید بغدادیؒ ، حضرت حرؒ اور کئی دوسرے مزارات پر حاضری دی۔

یورپ اور مشرق وسطیٰ کے دورے

23 مئی 1964 کو بابو جیؒ اپنے ساتھیوں سمیت ویٹکن سٹی تشریف لے گئے تھے۔بابو جیؒ نے چرچ میں موجودگی کے وقت محبوب قوال سے یہ شعر کہنے کی ہدایت دی۔(معبد ساختی) تحمل، بردباری، صبر و برداشت اور بنی نوع انسان کے ساتھ بلا امتیاز ذات و نسل بے لوث محبت، بابو جیؒ کے تصوف کے بنیادی اصول تھے۔اپنے یورپ اور مشرق وسطیٰ کے دورے کے دوران بابو جیؒ نے تین دن یروشلم کے شہر میں قیام فرمایا۔اور مدینۃ الخلیل اور مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔حضرت ابراہیم کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نماز ادا کی۔علاوہ ازیں حضرت اسحاقؑ، بی بی سارہؓ، حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ اور

حضرت قبلہ بابو جیؒ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربیؒ کے روضہ اقدس پر (دمشق)

حضرت قبلہ بابو جیؒ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دمشق میں

حضرت موسیٰؑ کے مزارات پر تشریف لے گئے اور کئی دوسری اہم جگہیں بھی دیکھیں۔

شام میں

بابو جیؒ دمشق تشریف لے گئے جہاں انہوں نے بی بی زینبؑ اور حضرت بلالؓ کی زیارات پر حاضری دی۔ علاوہ ازیں بابو جیؒ علی بن کعبؓ ، حضرت رقیہ بنتِ امام حسینؑ ، حضرت عباسؓ ابن حضرت عثمانؓ ، بی بی سکینہ بنتِ حضرت امام حسینؑ، بی بی کلثومؑ بنتِ حضرت امام علیؑ ، عبداللہ بن امام جعفر صادقؒ، حضرت بی بی عصمہؒ بنتِ امام حسینؒ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت ام سلمیٰؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت محی الدین ابن عربیؒ، حضرت دحیہ کلبیؓ کی زیارات پر بھی 1964ء ہی میں تشریف لے گئے۔

عراق میں

بابو جیؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار اقدس پر تشریف لے گئے۔ اسکے علاوہ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف تشریف لے گئے اور حضرت سری سقطیؒ ، معروف کرخیؒ ، بہلول داناؒ ، امام ابوحنیفہؒ، حضرت حر بن یزیدؒ ،مسلم بن عقیلؒ اور ہانی بن عروہؒ کے مزارات پر حاضری دی۔ عراق میں بابو جیؒ اپنے ساتھیوں سمیت بغداد شریف میں نقیب الاشراف سید یوسف الگیلانی کے مہمان خانے میں مقیم تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

پندرھواں باب

حضرت بابو جیؒ کے دورے اور قیام گاہیں

1971ء میں بابو جیؒ افغانستان کے صوبے ہرات تشریف لے گئے تھے جہاں آپ نے پانچ دن قیام فرمایا تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے مزار پر ہر روز محفل سماع منعقد ہوتی۔ کئی مقامی لوگ اور علماء اس محفل میں شریک ہوتے اور بابو جیؒ سے اپنے حق میں دعا کی استدعا کرتے۔ بابو جیؒ نے فخر المدارس کا دورہ کیا اور وہاں کے علماء سے تبادلہ خیال کیا۔ اپنے قیام کے آخری دن بابو جیؒ نے فرمایا کہ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہاں کے حجر و شجر بھی انہیں الوداع کہہ رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جامیؒ کی طرف سے اب جانے کی اجازت ہے حالانکہ گزشتہ روز ان کی ذہنی اور قلبی کیفیت کافی مختلف تھی۔ آپؒ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ آپ لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ لیکن اصل تجارت اللہ کے دوستوں کے ساتھ رشتہ قائم کرنا ہے۔ بابو جیؒ افغانستان کے کئی مقدس مقامات پر تشریف لے گئے۔

بابو جیؒ حضرت جامیؒ، حضرت عبداللہ انصاریؒ، شیخ گلتانؒ، زیارت خرقہ شریف (قندھار) محمود غزنویؒ، حضرت عثمان ہجویریؒ، حکیم سنائیؒ، فخر الدین رازیؒ، شفیق بلخیؒ، جلال الدینؒ اور شیخ کمال الدینؒ کی زیارات پر تشریف لے گئے تھے۔ افغانستان میں دوران سفر بابو جیؒ کو ہلکا سا دل کا دورہ پڑا تھا۔ لیکن آپؒ نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا تا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ ہرات میں ڈاکٹر صاحب نے بابو جیؒ کو مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپؒ مولانا جامیؒ کے مزار پر باقاعدہ تشریف لے جاتے اور وہاں چار پانچ گھنٹے قیام فرماتے۔ قوالی کے بعد فاتحہ پڑھتے۔ افغانستان میں قیام کے دوران بابو جیؒ پغمان (کابل) میں عبدالرشید خان کی رہائش گاہ میں مقیم ہوئے جو کہ افغانستان کا ایک معروف تاجر تھا۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ عراق میں حضرت قبلہ بابو جیؒ بغداد میں حضرت سید یوسف الگیلانی نقیب الاشراف کے مہمان خانے میں قیام پذیر ہوئے تھے۔

ہندوستان میں

بابو جیؒ کلکتہ میں محمد بخش پشاوری اور ماٹو صاحب جو کہ لالو کے والد محترم ہیں کے ہاں قیام فرماتے۔ اجمیر شریف میں بابو جیؒ متولی صاحب کی رہائش گاہ میں مقیم ہوتے۔ بمبئی میں آپ محمد موسیٰ کے ہاں قیام فرماتے جن کا تعلق فتح جنگ سے تھا بعدازاں بابو جیؒ حکیم شمس الدین، سیٹھ اسماعیل اور علی محمد صاحبان کے ہاں بھی کبھی کبھی قیام فرماتے رہے۔

کشمیر میں

تقسیم سے قبل بابو جیؒ اپنے مہمان (پاک پتن شریف کے دیوان) کے ہمراہ خواجہ سعد الدین شال کے ہاں قیام فرما ہوئے جو کہ ایک معروف تاجر اور کشمیر کے سیاسی لیڈر تھے اور ان کی رہائش گاہ بمقام خان یار، سری نگر واقع تھی۔

مظفرآباد آزاد کشمیر میں

بابو جیؒ قاضی قطب الدین کے ہاں قیام فرما ہوئے۔

ہری پور ہزارہ اور مانسہرہ میں

حضرت بابو جیؒ اپنے خصوصی معتقد خان محمد عباس خان کے ہاں تشریف لے جاتے۔ خان محمد عباس خان بابو جیؒ کی بے پناہ عزت کرتے تھے بابو جیؒ کوٹ نجیب اللہ ہری پور تشریف لے گئے تھے تاکہ مولوی حمید الدین صاحب کے ختم عرس کی تقریب میں شرکت کر سکیں حکومت نے پولیس بھجوادی تاکہ وہ بابو جیؒ سے درخواست کریں کہ وہ واپس تشریف لے جائیں۔ بابو جیؒ نے درخواست مان لی اور واپس تشریف لے گئے۔ یہ 23 اکتوبر 1961ء کا واقعہ تھا جب عبدالقیوم خان صوبہ سرحد کا وزیراعلیٰ تھا۔ چند دن بعد عبدالقیوم خان کو اپنے ساتھیوں سمیت کراچی جاتے ہوئے لاہور میں روک دیا گیا اور اس کی وزارت اعلیٰ ختم کر دی گئی۔ جناب اسماعیل سیٹھی کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بابو جیؒ فرمانے لگے کہ اب جبکہ قیوم خان اپنا مرتبہ کھو چکا ہے اس لئے اس سے ملنے میں کوئی حرج نہیں لیکن پھر یہ سمجھ کر کہ کہیں یہ ملاقات خود قیوم خان کے حق میں

نقصان دہ ثابت نہ ہوا اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

لاہور میں

لاہور میں آپؒ نے مختلف اوقات میں میاں محمد حیات قریشی، محمد سعید قریشی، ذاکر قریشی، دوار کا سنگھ اور بعض دوسرے مخلصین کے ہاں قیام فرمایا۔آپؒ کے قیام کے دوران مختلف ادیان اور فرقوں کے لوگ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے اور محفلِ سماع میں بھی شرکت فرماتے۔

سولہواں باب

ہندوستان کے دورے

بابو جیؒ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت امیر خسروؒ کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ **کلکتہ** میں قیام کے دوران جنوری 1957ء میں بابو جیؒ ایک معروف تاجر اور ٹھیکیدار رحمت خان **عرف** ماٹو صاحب کے ہاں مقیم ہوئے۔ خان صاحب ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے مرحوم سہروردی صاحب کے وزیراعظم بننے میں مدد کی تھی۔ ایک مرتبہ جب رحمت خان کو پتہ چلا کہ **کچھ لوگوں** نے بابو جیؒ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے تو وہ فوراً اپنے ساتھ چالیس مسلح محافظوں کے ہمراہ پوشیدہ طور پر گولڑہ شریف پہنچ گئے تا کہ بابو جیؒ کے دشمنوں سے انتقام لیں۔ جب بابو جیؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے رحمت خان کی خوب سرزنش کی اور فرمایا کہ ایسا کام اسلام کے منافی ہے اور اسے تنبیہ کی کہ اگر اس نے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ ان کی بیعت میں نہیں رہے گا۔ چنانچہ وہ باز آ گیا اور واپس چلا گیا۔ اس کا بیٹا محمد افضل خان جسے بابو جیؒ لالو کے نام سے پکارتے تھے کوئی ملازمت کرنا چاہتا تھا لیکن بابو جیؒ نے اسے تجارت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے بابو جیؒ کے مشورے پر عمل کیا اور اب وہ ایک کامیاب تاجر ہے۔ 1970ء میں وہ کراچی آیا اور چند سال بعد بابو جیؒ سے ملنے گولڑہ شریف آیا لیکن وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے ملاقات میں دیر کر دی۔

صوفیائے کرام کیلئے بابو جیؒ کی محبت

حضرت رومیؒ کے ساتھ محبت کی بنا پر بابو جیؒ نے 1963ء میں گورنمنٹ کالج پشاور میں منعقدہ یوم رومیؒ کی تقریب میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر ڈاکٹر این میری شمل نے مولانا رومیؒ پر ایک لیکچر دیا بابو جیؒ نے اس لیکچر کی بہت تعریف کی کہ مولانا رومیؒ کے متعلق اسکی تحقیق قابل قدر ہے اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر شمل کو حقیقی خوشی عطا فرمائے۔ حکومت پاکستان نے لاہور میں ڈاکٹر شمل کے نام سے ایک شاہراہ کو منسوب کیا ہے۔

جناب اسماعیل سیٹھی کی رہائش گاہ پر ایک محفل قوالی منعقد کی گئی جس میں محبوب قوال نے صوفیانہ کلام پیش کیا۔ اس محفل میں چوہدری محمد علی وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی، ڈاکٹر مظہر علی خان، سید ضیا جعفری، پروفیسر محسن احسان اور کئی دوسرے معززین نے شرکت کی۔ بابو جیؒ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر مظہر علی خان جو پشاور یونیورسٹی میں انگلش ڈیپارٹمنٹ کے چیئر مین ہیں وہ مولانا رومیؒ کے بہت بڑے مداح ہیں اور ہر سال رومیؒ کے متعلق سیمینار منعقد کرواتے ہیں بعدازاں ڈاکٹر مظہر علی خان نے بابو جیؒ سے درخواست کی کہ وہ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین،، سے متعلق ان کی کچھ الجھنوں کا ازالہ فرمائیں۔

بابو جیؒ اور مولانا فیض احمد ڈاکٹر مظہر علی خان کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے متعلقہ نکات کی وضاحت کر دی جس سے ڈاکٹر صاحب مطمئن ہو گئے اور بابو جیؒ اور مولانا صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ وہ تشریف لائے۔

1949ء میں بغداد شریف سے علماء کا ایک وفد پاکستان تشریف لایا تا کہ پاکستان کے علماء کے ساتھ پائے جانے والے برادرانہ رشتے کو مزید مستحکم کیا جائے۔ بابو جیؒ نے علماء کے درمیان باہمی ملاقاتوں کا اہتمام پشاور، لاہور، ملتان اور دیگر مقامات پر کیا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ طلباء کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیا جائے۔

سر سکندر حیات خان وزیر اعلیٰ پنجاب نے دیوان قطب الدینؒ (پاک پتن شریف) کو ایچی سن کالج لاہور میں داخلہ دلوایا۔ جہاں اسلامیات کیلئے ناکافی نصاب تھا۔ بابو جیؒ نے اس پر شدید ردعمل ظاہر کیا۔ چنانچہ وزیر اعلیٰ نے حکم دیا کہ اس طالب علم کو اسلامیات پڑھانے کیلئے خصوصی استاد مقرر کیا جائے۔ بابو جیؒ نے اس غرض کیلئے مولانا فتح محمد خان کے ذمے یہ فریضہ سونپا۔ دیوان صاحب کے والد محترم مرحوم سید محمد صاحبؒ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے پیروکار تھے اس لئے بابو جیؒ یہ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے کہ ان کا خیال رکھا جائے۔ بابو جیؒ باقاعدگی کے ساتھ پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے عرس میں شرکت فرماتے جو کہ ہر سال 5 محرم کو منعقد ہوتا ہے اور آپؒ دیوان صاحبؒ کے ساتھ بہشتی دروازہ کھولا کرتے۔

بابو جیؒ سیال شریف کے عرس میں بھی شرکت فرماتے ۔آپؒ عام طور پر نواب میاں محمد حیات قریشی اور ان کے بیٹوں میاں محمد ذاکر قریشی اور میاں سعید قریشی کے ہمراہ راڈھن تحصیل سرگودھا میں قیام فرماتے ۔بعض اوقات سر خضر حیات خان ٹوانہ کی رہائش گاہوں پر بھی تشریف لے جاتے جو کالرا اور مٹھا ٹوانہ میں واقع ہیں ۔ کیونکہ ٹوانہ خاندان کے اکثر افراد آپؒ کے مرید تھے اور اب بھی ہیں ۔ بابو جیؒ ہمیشہ ان کے غم وخوشی میں شرکت فرماتے ۔

مہر دستگیر کے نام 26 جولائی 1961 کے مکتوب گرامی میں بابو جیؒ فرماتے ہیں ''میں شادی میں شرکت کے لیے 10 تاریخ کو کالرا پہنچوں گا اور سیال شریف میں عرس کے آخری دنوں کی شرکت کے بعد واپس آؤں گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سترھواں باب

روزمرہ کے معمولات

اپنے صاحبزادوں کے نام بابو جیؒ کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ اس دنیا کو جیل سمجھتے تھے اور اس میں رہنے والوں کو محض مسافر۔ جیل خانہ کا لفظ بابو جیؒ نے مجازی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے جیل خانوں میں قیدی اپنے کردہ جرموں کی سزا پا رہے ہوتے ہیں جبکہ بابو جیؒ نے لفظ جیل خانہ اس دنیا کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے اعمال جسمانی کیلئے ''جواب دہ'' ہوگا۔ ان اعمال کا تعلق چاہے روحانی' جسمانی اور معاشرتی اعمال سے ہو یا اس کے ذاتی حقوق و فرائض سے ہو۔ اس دنیا میں وہ جو کچھ بوئے گا ۔ آخرت میں وہی کاٹے گا۔ اس نے کسی ضابطہ حیات کو اپنانا ہے اور اپنی من مانی نہیں کرنی ہے۔ وہ حقوق فرائض کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے پس اس دنیا میں وہ آزاد نہیں بلکہ ایک قیدی ہے اور بابو جیؒ بھی یہی مراد لیتے تھے۔ وہ ایک فرد تھے جنہوں نے لفظ کو معنی اور ضابطہ حیات کو حقیقی قوت اور توانائی بخشی۔

ذاتی کردار کی تکمیل:

اخلاقی اقدار کی پاسداری' اولاد کی دیکھ بھال اور ان کی صحیح سمت میں پرورش، مریدوں کی فلاح و بہبود اور ہمہ وقت یادالٰہی کا ورد، مادی خواہشات اور دنیاوی ہوس سے شدید بے زاری' اس کے باوجود بھی زندگی میں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے لامتناہی جدوجہد۔ ایک شخص جو اپنے سے متعلق ہر فرد کی بہتری کے لئے کام کر رہا ہے، ایک روح جو عمومی فلاح کا راستہ تلاش کر رہی ہے اور جو ذمہ داریاں ملی ہیں انہیں بہترین طریقے سے نباہ رہی ہے۔ ایک ایسا شخص جو اپنا کردار بھی بخوبی نبھاہ رہا ہے اور کائنات میں نیکی کے پھیلاؤ کیلئے سرگرم عمل بھی ہے اور آنحضورؐ کے متعین کردہ معیار پر پورا اترنے کیلئے ہمہ وقت کوشاں بھی ہے۔ ایک ایسی ذات جو ہمہ وقت اپنی روحانی بالیدگی اور سنت کی پیروی پر عمل پیرا ہے۔ ایک مردِ مومن جو شریعت پر سختی سے کاربند ہے، ایک بے مثال منتظم اور ایک نہایت اعلیٰ رہنما کے طور پر بابو جیؒ ان تمام تقاضوں پر پورا اترنے کی کوشش کرتے

جس کی توقع مختلف حلقوں کی جانب سے اُن سے کی جاتی تھی۔ اور انہیں شریعت کے مطابق بہترین طریقے سے سرانجام دیتے تھے۔ اس کوشش کو جدوجہد کا نام دیا جاتا ہے۔ ان اُمور کو بھرپور انداز میں سرانجام دینا اور ہمہ وقت ان پر کڑی نگاہ رکھنا ''نظم وضبط'' کہلاتا ہے۔ حضرت بابو جیؒ نے ایک بے حد حقیقی منظّم زندگی گزاری۔

لیکن یہ سب کچھ قول کی حد تک نہیں ہوتا بلکہ اس میں قول و فعل دونوں کارفرما ہوتے ہیں۔ اس راستے میں کچھ رکاوٹیں بھی آتی ہیں جن کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ یعنی مادی حاجات اور نفسانی خواہشات بڑھ چڑھ کر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسلئے ان کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ کردار کی تکمیل پر بھی نظر رکھنا ہوگی۔ پھر کہیں جا کر کوئی انسان کامل بن سکتا ہے۔ بابو جیؒ ڈسپلن کے اس معیار پر بدرجہ اتم پورے اترے۔

حضور پاک ﷺ ہمارے لئے مکمل ضابطہ حیات' چھوڑ گئے ہیں۔ جسے بابو جیؒ ڈسپلن کے طور پر اپنی زندگی پر لاگو فرماتے تھے ایک ڈسپلن وہ ہوتا ہے جو کسی بیرونی دباؤ قاعدے یا قانون کے ذریعے لاگو کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہوتا ہے جو خود انسان اپنے اوپر نافذ کرتا ہے۔ بابو جیؒ نے جس ڈسپلن کو اپنایا ہوا تھا وہ اللہ کا ڈسپلن تھا جو حضور پاک ﷺ نے مسلمانوں کو عطا کیا تھا۔ اور وہ تھا سنتِ نبوی اور شریعت محمدی (ﷺ) جس کی پیروی کر کے انسان اللہ کے سامنے سرخ رو ہوتا ہے اور اپنی منزل پالیتا ہے اور یہی انسان کی آخری فلاح اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کی ضمانت ہے۔

گولڑہ شریف میں

انتہائی نظم وضبط پر مشتمل زندگی کے دائرے میں رہتے ہوئے بابو جیؒ کا روزانہ کا معمول کچھ یوں تھا۔

بابو جیؒ تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے۔ نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک اور دوسرے وظائف تقریباً صبح 9 بجے تک پڑھتے رہتے پھر ان کی گھریلو مصروفیات شروع ہوتیں۔ آپؒ وہاں تشریف لے جاتے جہاں ان کے گھر کے افراد اور خواتین ان سے ملاقات کیلئے حاضر ہوتے۔ تقریباً آدھ

گھنٹہ آپؒ افرادِ خانہ کے پاس رہتے اس کے بعد آپؒ مجلس خانہ تشریف لے جاتے جہاں عقیدت مندوں سے ملاقات کرتے۔ یہ تھا بابو جیؒ کے روزانہ کے معمول کا پہلا مرحلہ۔

جب تمام عقیدت مند آپؒ سے مل لیتے تو حافظ عبدالرحیم صاحب قرآن پاک کی تلاوت سے مجلس کا آغاز کرتے۔ کبھی کبھی کوئی عالم کسی دینی موضوع پر تقریر کرتے۔ پھر محفل سماع شروع ہوتی جس کا اہتمام محبوب قوال کرتا۔ محفل سماع سے متعلق اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بابو جیؒ کی نگرانی میں محبوب قوال نے حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا شعری کلام، مولانا رومؒ کی مثنوی، قرآن پاک کی آیات اور حضور پاک ﷺ کی بے شمار احادیث زبانی یاد کر رکھی تھیں۔ اور ان کے مطالب پر بھی عبور رکھتا تھا۔

محبوب قوال کو جو کچھ یاد تھا اس کا پس منظر، فلسفہ اور تشریح خود بابو جیؒ نے محبوب قوال کو سمجھائی۔ یہ بابو جیؒ کی رہنمائی تھی جس کی بنا پر محبوب قوال کو مذہبی فلسفہ پر ایک سند تصور کیا جاتا تھا۔

قوالی محض رسماً منعقد نہیں کی جاتی تھی اور نہ ہی اسے کوئی معمولی کارگزاری تصور کیا جاتا تھا۔ درحقیقت اس کے ذریعے اس ''درس'' کا اعادہ کیا جاتا ہے جس سے عام آدمی اور عالم، فاضل انسان دونوں اپنے اپنے مسائل اور دینی سوالات کا حل تلاش کرنے کے قابل بن جاتے ہیں۔ قوالی ایک قسم کا درس ہوتی ہے جس سے ہر شخص اپنی فہم کے مطابق مستفید ہوتا ہے۔ ذرا اعلیٰ سطح پر دیکھا جائے تو یہ روحانی تربیت کا ایک ذریعہ ہے۔

حضرت بابو جیؒ کی طرح کے انسان کیلئے قوالی اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنتی تھی۔ قوالی کے یہی مضامین ان کے والد محترم، صوفیائے کرام اور شریعت کی تعلیمات کو تازہ کرنے کیلئے معاون ثابت ہوتے تھے، اور ان کی ترویج کا ذریعہ بھی بنتے تھے۔

قوالی عام طور پر دوپہر ساڑھے بارہ اور ایک بجے کے درمیان ختم ہوتی۔ اس کے بعد زائرین خواتین و حضرات باری باری بابو جیؒ سے ملاقات کرتے تھے۔ بابو جیؒ ملاقاتیوں کو غوث پاکؒ کا مہمان سمجھتے اور ان کا ہر طرح کا خیال رکھتے تھے۔ آپؒ ان کے مسائل اور روداد بہت غور سے سنتے اور ان کے لئے دعا کے علاوہ ان کی رہنمائی اور امداد کرتے۔ بابو جیؒ ہر ایک کے لئے مہر و محبت کا

حضرت بابو جیؒ کی قیام گاہ (بنگلہ) کا بیرونی اور اندرونی منظر

جذبہ رکھتے تھے انہوں نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر انسان کا دل اللہ کا مسکن ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر آنیوالا زائر اللہ کے راستے کا راہی تھا اور اپنے میزبان کیلئے خدارسیدگی کا ذریعہ بھی۔

وہ لوگوں کے مسائل' ان کے حال احوال کے متعلق پوچھتے تھے۔ وہ نہایت وسیع القلب اور مہربان انسان تھے۔ انہوں نے کبھی کسی شخص کو اپنی راہنمائی سے محروم نہیں کیا۔

محفل سماع کے بعد مہمانوں سے فارغ ہونے کے بعد بابو جیؒ اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف لے جاتے، دوپہر کا کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر کیلئے استراحت فرماتے۔ تقریباً تین بجے بعداز دوپہر آپؒ گیراج تشریف لے جاتے جہاں ملاقاتی ان کا انتظار کر رہے ہوتے۔ بابو جیؒ اپنے وظائف کا ورد نماز عصر تک جاری رکھتے اس کے بعد آپؒ راولپنڈی تشریف لے جاتے۔ شروع شروع میں پنڈی کو جانے والی سڑک کچی ہوتی تھی۔ اس لئے سواری کے لئے ٹانگہ استعمال کیا جاتا تھا۔ راولپنڈی میں بابو جیؒ اپنے ایک قریبی ساتھی حاجی محمد شفیع کی دکان پر قیام فرماتے جو راجہ بازار کے قریب پرانے قلعہ میں واقع تھی۔ وہاں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد بابو جیؒ لال کُرتی تشریف لے جاتے جہاں آپؒ منشی رحیم بخش کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہرتے اور پھر واپس گولڑہ شریف چلے آتے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپؒ رات کا کھانا اپنے سنگیوں' خادموں اور موجود مہمانوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ بابو جیؒ رات کا کھانا کبھی اکیلے نہیں کھاتے تھے۔ اگرچہ ملاقات کا سلسلہ کھانے کے بعد ختم ہوجاتا تھا۔ تاہم آپؒ اپنے وظائف آدھی رات تک جاری رکھتے۔

بابو جیؒ کی شب خوابی کے بارے میں کراچی کے سیٹھ اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۶۴ء میں ایک سفر کے دوران حضرت بابو جیؒ نے اولیاء اللہ کی روحانی عظمتیں بیان کرتے ہوئے کہا کہ "ہم تو کچھ بھی نہیں۔ جہاں تک حضرات اولیاء کا تعلق ہے تو وہ اپنے مادی وجود تک محدود نہیں ہوتے بلکہ جب ہم انہیں اپنے سامنے موجود پاتے ہیں تو وہ دراصل کہیں اور ہوتے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ اپنے اپنے عُرس کی مجلسوں میں تشریف لاتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء کا سونا دراصل گہری نیند کا نام نہیں بلکہ عام آدمی تو اسے سمجھ ہی نہیں سکتے"۔ مختصر یہ کہ حضرت

بابو جیؒ کی پوری زندگی جسمانی اور روحانی طور پر عشق الٰہی سے معمور تھی۔ ان کا ہر لمحہ اللہ کی یاد اور ذکر میں گزرتا تھا۔

یہاں دنیا کے ''قید خانے'' کی مانند ہونے کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کی رہائی ان کے طرز عمل پر منحصر ہوتی ہے۔ اچھا طرز عمل قید کو گھٹاتا ہے جبکہ خراب طور طریقے سزا میں اضافہ کرتے ہیں۔ حضرت بابو جیؒ بھی دنیا کو قید خانہ کہہ کر انسان کو اچھے طرز عمل کا درس دیتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں

انہی سیٹھ اسماعیل نے حضرت بابو جیؒ کے قیام مکہ کے بارے میں کہا کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مکہ مکرمہ کے حرم شریف کے پتھریلے فرش کو سنگ مرمر سے مزین نہیں کیا گیا تھا۔ بابو جیؒ فجر کی نماز سے لیکر 9 بجے تک خانہ کعبہ کے سامنے مسلسل کھڑے رہتے۔ ان کے عجز وانکسار اور خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ آپؒ ایک لمحہ کیلئے بھی سر مو حرکت نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی ذات میں یوں منہمک ہوتے کہ ایک طرف اپنے قیام سے معبود حقیقی کی کبریائی اور دوسری طرف اپنے عجز وانکسار کا اظہار فرماتے جس میں ان کی بے پناہ محبت پنہاں ہوتی۔

مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران بابو جیؒ بمشکل تین گھنٹہ سوتے کیونکہ آپؒ اپنی تہجد کی نماز سے بہت پہلے مسجد نبوی تشریف لے جاتے اور ''باب السلام'' کے پاس دروازے کے کھلنے کا انتظار کرتے۔ آپؒ وہاں تقریباً چار گھنٹے گزارتے۔ آپ سید حیدر الحیدری' حضرت سید احمد بن مھار العطاس مدنیؒ اور اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مواجہہ شریف کے سامنے درود وسلام پیش کرنے کے بعد واپس اپنی رہائش گاہ تشریف لے آتے۔ ظہر کی نماز حرم شریف میں ادا کرنے کے بعد آپؒ حضرت مدنی صاحبؒ کے مکان پر دوپہر کا کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد آپؒ عصر کی نماز کیلئے حرم شریف تشریف لے جاتے اور پھر عشا کی نماز کے بعد واپس تشریف لاتے۔ رات کا کھانا عشاء کی نماز کے بعد تناول فرماتے۔ باوجود بابو جیؒ کے اصرار کے کہ سادہ کھانا پیش کریں مدنی صاحبؒ کی مہمان نوازی کی کوئی حد نہیں ہوتی تھی۔ مدنی صاحبؒ، بابو جیؒ کے اعزاز میں ایک خصوصی شاندار الوداعی

ضیافت کا اہتمام بھی کرتے جس میں مدینہ منورہ کے چیدہ چیدہ اہل سادات کو بھی مدعو کیا جاتا۔

بابو جیؒ کی روانگی کے موقع پر مدنی صاحبؒ اپنے صاجزادوں کے ہمراہ بئرعلی تک آپؒ کو چھوڑنے آتے جہاں سے گنبد خضراء کا آخری نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ وہاں تمام حاضرین حضور پاک ﷺ کی خدمت میں درود شریف اور الوداعی سلام پیش کرتے۔ بابو جیؒ مدینہ منورہ کے فراق میں زاروقطار روتے بئرعلی کے مقام پر حضرت مدنی صاحبؒ بابو جیؒ اور ساتھیوں کو الوداع کہتے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اٹھارہواں باب

لنگر (مفت طعام و قیام)

دربار گولڑہ شریف کا انتظام بابو جیؒ نے خود سنبھال رکھا تھا۔ اس میں لنگر کی خصوصی اہمیت ہے جہاں آنے والے تمام زائرین کو مفت کھانا مہیا کیا جاتا ہے اور یہ کھانا دن بھر مہیا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آنے والے خواتین و حضرات کو رہنے کے لئے کمرے بھی دیئے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی ذات پات رنگ و نسل کا کوئی امتیاز برتا نہیں جاتا۔ یہ روایت آج بھی جاری و ساری ہے۔

روحِ روایت

لنگر کے قیام کی روایت سے متعلق تھوڑی وضاحت ضروری ہے تا کہ قارئین گولڑہ شریف کے لنگر کے میز بانوں کے نکتہ نظر سے آگاہ ہو جائیں اور لنگر کے عام مفہوم تک محدود نہ رہیں۔ عام نظریہ یہ ہے کہ لنگر سے تبرک کے طور پر کچھ کھانے کو مل جاتا ہے چاہے وہ پختہ چاول یا حلوے کے 2 نوالے ہی کیوں نہ ہوں گویا لنگر کا عام مفہوم صرف تبرک کے چند ذرات ہیں لیکن گولڑہ شریف کے دربار میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں کا لنگر یکتا اور بے مثال ہے۔ یہ واحد لنگر ہے جو دن رات جاری و ساری رہتا ہے یہاں آنے والے ہر زائر کو بلا کسی معاوضے کے رہائش، صبح کی چائے، دوپہر اور شام کا کھانا مہیا کیا جاتا ہے۔ وضو اور غسل کی سہولیات بھی ہیں۔ صرف دور دراز سے آنے والے مہمانوں کیلئے ہی نہیں بلکہ قرب و جوار سے آنے والا ہر زائر ان سہولیات سے مستفید ہوتا ہے۔ یہ گولڑہ شریف کا دربار ہے اور اس میں غوث پاکؒ کا لنگر ہے جس نے کبھی کسی مہمان کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بابو جیؒ فرماتے کہ یہاں آنے والا ہر مہمان دراصل غوث پاکؒ کا مہمان ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی دیکھ بھال رہائش اور کھانے کا بہترین انتظام ہونا چاہیئے۔ روحانی عقیدت پر مشتمل لنگر کا سلسلہ کا سلسلہ ''اعلیٰ جی'' صاحبؒ کے وقت سے جاری ہے جسے بابو جیؒ کے دور میں عروج ملا۔ اور جو ہمیشہ سے جاری رہا ہے جوں جوں زندگی کی سہولیات میں اضافہ ہوتا ہے اس کے ساتھ دربار شریف کے مہمان بھی اسی طرح کی سہولیات سے مستفید کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں ہر آنیوالے کو حضرت

لنگرِ غوثیہ میں کھانے کی تیاری

غوث پاکؒ کا مہمان سمجھ کر اُس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

اطمینان قلب

جب لوگ مقدس زیارتوں پر جاتے ہیں یا اولیائے کرام سے ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ان کا بنیادی مقصد یا تو اللہ کی جانب رہنمائی کا حصول ہوتا ہے یا وہ لوگ مختلف ذہنی، روحانی مسائل اور الجھنوں میں مبتلا ہوتے ہیں جن کا حل تلاش کرنا چاہتے ہیں، گومگو کی حالت میں جکڑا ہوا انسان زیارتوں اور اللہ والوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ اللہ والے راحت وسکون کی علامت ہیں یہاں ان کو اطمینان قلب مل سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بابو جیؒ کے خیال میں جسمانی تھکن اور معاشی ناہمواریاں عام لوگوں کے لئے ذہنی پریشانیوں اور مسائل کا باعث بنتی ہیں اور وہ کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہر کشمکش انسان کے ذہنی سکون اور روحانی جستجو کیلئے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے آنیوالے مہمان کو کھانے اور رہائش کی سہولت بلا کسی امتیاز کے فوراً مہیا کی جائے۔ اور ان کے ساتھ ہمدردانہ اور فیاضانہ سلوک روا رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کو برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ گولڑہ شریف کے لنگر کے انتظام کے پیچھے یہی فلسفہ کارفرما ہے۔

بابو جیؒ کا عقیدہ تھا کہ ہر مہمان خدا کی مخلوق ہوتا ہے اور اسے وہ خود بھیجتا ہے۔ اس کے ساتھ بدسلوکی کرنا، خدا کے ساتھ بدسلوکی کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اس کے بھیجے ہوئے مہمان کے ساتھ حسن سلوک روا رکھا جائے اور ایسا کرنے سے ہم حضور پاک ﷺ کی پیروی کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ آپؐ مہمانوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا کرتے تھے۔

گولڑہ شریف کے مہمان خانوں میں قیام کے دورانیہ پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ مہمان جب تک قیام کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔ یہاں یہ بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ مہمانوں کے دل کو کسی بات سے ٹھیس نہیں پہنچے۔

مہمانوں کی آمد

گولڑہ شریف کے دربار میں آنے والے مہمانوں کی تعداد مختلف ہوتی رہتی ہے۔ ہر روز

سینکڑوں مہمان آتے ہیں جبکہ جمعہ اور اتوار کے روز ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کے عرس کے موقع پر جو کہ 11 ربیع الثانی کو منعقد ہوتا ہے مہمانوں کی تعداد ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ ریکارڈ پر یہ بات موجود ہے کہ 12 تا 14 نومبر 1956ء میں اس موقع پر 482 من آٹا روٹی پکانے کیلئے استعمال ہوا تھا اور بعد میں یہ مقدار ہر سال بڑھتی ہی گئی۔

بڑی گیارہویں شریف

غوث پاکؒ کے عرس پر لوگوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے لیکن حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے عرس 'جمعتہ الوداع 'اب حضرت بابو جیؒ کے اپنے عرس 'لالہ جیؒ کے عرس اور عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بھی لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہوتی۔

اگر مہمانوں کیلئے دربار شریف کے مہمان خانوں میں رہائش میسر نہ ہو سکے تو آس پاس کے گاؤں میں دوستوں اور رشتہ داروں کے گھروں میں اُس کا بندوبست کر دیا جاتا ہے اور مہمانوں کو ان گھروں میں کھانا مہیا کیا جاتا ہے۔ مہمانوں کی اتنی کثیر تعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے لئے کتنا کھانا پکتا ہوگا۔ ایسے موقعوں پر غائبانہ امداد کارفرما ہوتی ہے۔ بابو جیؒ کا راسخ عقیدہ تھا کہ یہ سب حضرت غوث پاکؒ کی نظر کرم ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہر مہمان کو کھانا اور رہائش نصیب ہوتی ہے۔ اسلئے آپ فرماتے کہ ان مہمانوں کو غوث پاکؒ کا مہمان سمجھا جائے۔ بابو جیؒ فرماتے ان کا اصل مقصد اپنے پیروکاروں کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی مدد کرنا ہے کیونکہ وہ غوث پاکؒ کے مہمان ہوتے ہیں ان مہمانوں کیلئے کھانا اور رہائش مہیا کرنا بابو جیؒ کا بنیادی مقصد ہوتا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا ''اپنی جان سے بھی پیارے غوث پاکؒ کے مہمان''

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت بابو جیؒ کے گیراج سے عُرسِ پاک کی چادر کی روانگی کا منظر

انیسواں باب

ایاّمِ عرس

بابو جیؒ عرس کے انتظامات میں بہت زیادہ احتیاط برتا کرتے تھے۔ کھانے اور رہائش کا انتظام اپنے عروج کو پہنچ جاتا کیونکہ لوگوں کا بے پناہ ہجوم تقریب میں شرکت کے لئے دربار شریف میں پہنچ جاتا ہے۔ اس موقع پر جید علماء حضور پاک ﷺ کی سیرت اور تعلیمات پر تقریریں کرتے۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد قوالی شروع ہوتی۔ بابو جیؒ محبوب قوال کو خود موضوع منتخب کر کے قوالی کی ہدایت فرماتے۔ یہ موضوع قرآن پاک کی آیات، حضور پاک ﷺ اور پیر مہر علی شاہؒ کی تعلیمات پر مبنی ہوتا۔ بابو جیؒ کا رائج کردہ یہ دستور آج بھی جاری ہے۔

محفل سماع مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہوتی تھی:

(۱) پہلا حصہ وحدت الوجود کے موضوع پر ہوتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر مشتمل قوالی کی جاتی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اللہ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا اظہار کیا جاتا۔

(۲) دوسرا حصہ احادیث نبوی پر مشتمل ہوتا جس میں حضور پاک ﷺ کی رحیم و کریم ہستی کا بیان ہوتا یعنی یہ حصہ توصیفِ رسالت مآبؐ پر مبنی ہوتا۔ بابو جیؒ کا عقیدہ تھا کہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ اولیائے کرام کی محبت، عقیدت اور گہری وابستگی سے ان کے روحانی درجات بلند ہوتے ہیں۔ مزید برآں ہم سب آپ ﷺ کی شفاعت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

(۳) تیسرے حصے کا تعلق حضرت غوث پاکؒ کے مناقب کے بیان سے ہوتا۔ حضرت غوث پاکؒ کا درجہ پیرانِ پیر کا درجہ ہے۔ وہ تمام اولیائے اُمت کے سردار ہیں۔

اور بابو جیؒ سمیت تمام صوفیائے کرام انہیں اپنا پیشوا تصور کرتے ہیں۔ محفل کے اس حصے میں حضرت غوث پاکؒ کی منقبت پر مبنی کلام پیش کیا جاتا ہے بابو جیؒ کے فرمان کے مطابق دربار شریف میں حاضر ہونے والے ہر شخص کو غوث پاکؒ کا مہمان سمجھا جاتا ہے اور حضرت غوث پاکؒ

ہی کو محفل سماع کی جان تصور کیا جاتا ہے۔اس سے محفل سماع کی باقی کارروائی وقوع میں آتی۔

(۴) محفل سماع میں متعدد دیگر صوفیائے کرام کا کلام شرح و بسط سے پیش کیا جاتا ہے۔مولنا جلال الدین رومیؒ ' حافظ شیرازیؒ، بلہے شاہؒ علی حیدرؒ، اور پیر مہر علی شاہؒ کا کلام بار بار پیش کیا جاتا ہے جسکے ذریعے علمائے کرام لوگوں کے ذہنوں میں ممکنہ الجھے ہوئے سوالات کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔

قوالی ہمیشہ دینی تعلیمات تک محدود رہتی ہے اس لئے وہ لوگ بھی جو آلات موسیقی کے استعمال کے خلاف ہوتے ہیں، قوالی میں ستار کے استعمال پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔اور اسطرح چشتیہ' قادریہ اور سہروردیہ مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد کو ان کی روحانی الجھنوں کا حل مل جاتا ہے۔

عرس کے دوران ملتان کے خواجہ خاندان کے افراد لنگر کی تقسیم اور اخراجات کے حساب کتاب کا انتظام سنبھالنے میں بہت مدد کرتے تھے۔بابو جیؒ مہمان خانہ نمبر 3 کے باہر چبوترے پر تشریف رکھتے ہوئے خود کھانا تقسیم فرماتے۔لوگوں کا بے پناہ ہجوم دیکھتے ہوئے بابو جیؒ کھانے کی تقسیم میں خادموں کا ہاتھ بٹاتے تاکہ مہمانوں کو وقت پر کھانا کھلایا جا سکے۔جس سے ان کی بندہ نوازی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔بعض اوقات یہ فریضہ خواجہ امام بخش کے حوالے کیا جاتا تھا۔ اخراجات کے باقاعدہ حساب کتاب کی جانچ پڑتال کے علاوہ مہمانوں کی بروقت دیکھ بھال سے متعلق آگاہی حاصل کرنا بابو جیؒ کی شخصیت کے ایک اور قابل قدر پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔بابو جیؒ روزانہ اپنے صاحبزادوں سے مہمانوں کے حال احوال اور لنگر کے انتظام کے متعلق معلومات حاصل کرتے کہ کہیں خدام یا کارکنوں میں سے کوئی شخص غیر حاضر نہ ہو جائے یا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی غفلت نہ کر بیٹھے۔بابو جیؒ ان تمام انتظامات میں بھرپور ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔

لنگر کی خدمت میں سینکڑوں عقیدت مند حصہ لیتے رہے ہیں۔اعراس کے موقعہ پر مرد وخواتین والہانہ جوش وجذبے سے کھانے کی تیاری اور تقسیم میں ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔پشاور کے سیٹھی خاندان کے افراد اور لال کرتی راولپنڈی کے منشی رحیم بخش کے خاندان کے افراد ان انتظامات اور خدمت میں پیش پیش رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم ✤ حامداً و مصلیا علی رسولہ الکریم

حافظ بیا کہ از مدد بخت کارساز ✤ کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم

محبت و اخلاص نشان مودت و عطوفت عنوان مخلصی

خان محمد شہباز خان کھٹک اعزکم الٰہ تعالیٰ

بعد از تحفہ سلام آنکہ تجویز شروع شادی کتخدائی معظمی

مکرمی جناب صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب دام مجدہ

بتاریخ ۲۹ شہر ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۸ھ یوم دوشنبہ مطابق

۹ مئی سنہ ۱۹۱۰ء یوم دوشنبہ معین شدہ و تاریخ اختتام

این کار خیر بتاریخ ۳ شہر جمادی الاول سنہ ۱۳۲۸ھ مطابق

۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۰ء یوم پنجشنبہ خواہد بود امید کہ دراین

تواریخ مندرجہ صدر شامل محفل احباب شدہ مسرور فرمایند۔

المکلف

محبوب عالم باجازت حضرت قبلہ عالم صاحب از گولڑہ شریف

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ کی طرف سے
پیر سیّد غلام محی الدین بابو جیؒ کی شادی کے دعوت نامے کا عکس

بیسواں باب

شادی مبارک

1910ء ایک ایسا متبرک اور روح پرور سال تھا جس میں بابو جیؒ نے دولہا بن کر اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا اور یوں اسے مزید رونق بخشی۔ شادی کی تقریب شاندار طریقے سے منائی گئی کیونکہ آپ کے دادا جان ''اجی صاحبؒ'' اس خواہش کا اظہار کر گئے تھے کہ ان کے پوتے کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی جائے۔ شادی مبارک کی تقریب میں تمام چیدہ چیدہ بزرگان دین علمائے کرام اور معززین نے شرکت کی۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت دیوان سید محمد صاحبؒ، پاک پتن شریف

(۲) حضرت خواجہ محمود صاحبؒ، تونسہ شریف

(۳) حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ، سیال شریف

(۴) حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ، شرقپور شریف

(۵) حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحبؒ، علی پور شریف

(۶) حضرت پیر جماعت علی ثانی صاحبؒ، علی پور شریف

''اجی صاحبؒ'' کی خواہش میں لفظ ''شاندار'' کے استعمال کا یہ مطلب نہیں تھا کہ دنیاوی شان وشوکت اور نمود ونمائش کا اظہار کیا جائے بلکہ اس موقع کی اہمیت کا اظہار کرنا تھا تا کہ شادی کے اس موقع پر عام لوگ بھی اس میں شرکت کر سکیں۔ کھانا بھی غوث پاکؒ کے لنگر کا تھا اس لئے بلا امتیاز امیر وغریب ہر ایک کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہ ایک نئے رشتے میں منسلک ہونے کا موقع تھا۔

جو لفظ ''فرائض''، ذمہ داریوں'' اور ''انسانی رشتوں'' کے مفہوم کو وسیع تر کرے گا اس کے بعد انفرادی منصب سے کئی دوسرے مناصب جنم لیں گے۔ یعنی بطور شوہر، والد، اور دادا کے۔ اب آپؒ کے کندھوں پر نئی ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑے گا اور یہ ذمہ داریاں دو چند ہو جائیں گی۔ بابو جیؒ ان ذمہ داریوں کے لیے تیار تھے۔ آپؒ نے ان نئی ذمہ داریوں کے چیلنج کو قبول فرمایا اور اپنے آپ کو انتہائی ذمہ دار، مشفق اور بندہ نواز ثابت کیا۔ عقل وشعور کی تکمیل وپختگی کے ساتھ اعلیٰ درجے کے نظم وضبط اور توازن برقرار رکھنے کو بابو جیؒ کی ازدواجی زندگی کا نچوڑ سمجھا جا سکتا ہے۔

اکیسواں باب

بابو جیؒ کا لباس

اسلام ایک مکمل اور قابل عمل ضابطہ حیات ہے ۔ یہ ظاہری معاشرتی وضع قطع اور باطنی پاکیزگی اور طہارت دونوں پر برابر زور دیتا ہے ۔ ہماری مذہبی اور معاشرتی زندگی میں لباس و پوشاک کو ایک اہم مقام حاصل ہے ۔ سادگی اور نفاست اس کی خصوصیات ہیں ۔ لباس اخلاقی اور سماجی اقدار کا مظہر ہوتا ہے اسلئے اس پر نہ ہی اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہیے اور نہ اسے دوسروں کے منفی احساسات کو اکسانے کا سبب بننا چاہیے ۔

بابو جیؒ کا لباس بہترین خوبیوں کے ساتھ ''اسلامی طرز لباس'' کی عکاسی کرتا تھا ۔ چونکہ بابو جیؒ کو ریلوے انجن اور ریل گاڑی سے پیار تھا اسلئے ان کے لباس کے انتخاب میں اس کی جھلک موجود ہوتی ۔ ان کے لباس میں ایک دراز کالا کوٹ' اور کالی واسکٹ ہوتی جسکی جیب میں چاندی کی زنجیر والی جیب گھڑی اور دو عدد فاؤنٹین پن ہوتے ۔ آپؒ چمکتے ہوئے مکیشن کالے رنگ کے جوتے پہنتے اور سفید کلف دی ہوئی شلوار قمیض زیب تن فرماتے ۔ اور ہاتھ میں خطوط کیلئے ایک بریف کیس لئے ہوتے ۔ نہایت صاف ستھرے لباس میں ملبوس بابو جیؒ کو دیکھ کر خوشی محسوس ہوتی ۔ پہلی نظر میں آپؒ کو دیکھنے پر یہ تاثر ملتا کہ شاید آپؒ پٹھان ہوں گے کیونکہ آپؒ بھاری بھرکم شلوار پہنتے لیکن اس کے پائنچے تنگ ہوتے جبکہ پٹھان لوگ کھلے پائنچوں والی شلوار پہنتے ہیں ۔ آپؒ قیمتی لباس نہیں پہنتے بلکہ کم قیمتی' شائستہ اور دیدہ زیب لباس پہنتے اور ہر شخص ان کی شان اور وقار سے مرعوب نظر آتا ۔ آپؒ نے اپنا منفرد انداز کبھی تبدیل نہیں کیا آپؒ کا نظریہ تھا کہ انسان کو ہمیشہ صاف ستھرا رہنا چاہیئے آپؒ صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھتے یہی وجہ ہے کہ آپؒ ہفتہ میں دو مرتبہ لباس تبدیل کرتے ۔

رات کے وقت آپؒ سفید شلوار یا لنگی اور سفید ململ کی قمیض پہنتے اور سردیوں میں گرم شال کندھوں پر ڈالتے اور ٹوپی پہنتے ۔ پاؤں کے لئے چپل استعمال کرتے ۔ گرمی کے موسم میں کندھوں کے گرد سفید رومال ڈالتے ۔ سر مبارک کے لئے مدینہ منورہ سے لائی ہوئی پگڑی یا سفید رومال استعمال کرتے ۔ موسم سرما میں کبھی کبھی مزری سے بنی ہوئی ٹوپی پہنتے ۔ آپؒ ہمیشہ ہاتھ میں تسبیح لئے

ہوتے۔ بابو جیؒ فرماتے کہ انسان کا لباس سادہ اور نفیس ہونا چاہیئے اور اسے اپنی استطاعت سے بڑھ کر نہیں ہونا چاہیے۔ خود پسندی اور غرور سے اپنے لباس کو عیب دار نہیں بنانا چاہیئے۔ اور نہ ہی اسے احساس برتری یا احساس کمتری کا سبب بنانا چاہیے۔ بابو جیؒ کے انتہائی قریبی خادم نے بتایا کہ ان کے لباس کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی قمیض کے نیچے پرانی استعمال شدہ مگر صاف ستھری بنیان بھی پہن لیا کرتے تھے۔ اور ان کی ململ کی پگڑی کی اندرونی تہہ میں کبھی کبھی سوراخ بھی ہوتے تھے۔ یہ بھی بابو جیؒ کی عاجزی اور انکساری کا ایک پہلو تھا جس سے آپ کی شخصیت مزید تابناک بنتی اور آپؒ کو ایک مکمل روحانی پیشوا کا درجہ دیتی ہے۔ ان کے لباس سے مندرجہ ذیل درس حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۱) جب تک پوشاک استعمال کرنے کے قابل ہو اسے استعمال کرنا چاہیئے اور بے کار سمجھ کر پھینکنا نہیں چاہیے۔

(۲) ایسے لباس کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے جس کو دوسرے حاجتمند پہننے کے لئے تیار ہوں۔

(۳) داخلی اور ذاتی دکھ درد کو پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ ظاہری سج دھج اسطرح کی ہونی چاہیے کہ دیکھنے والا دوسرا شخص اس کی اندرونی حالت میں جھانک نہ سکے۔ ذاتی زیاں کو دوسروں کے سامنے مشتہر نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی اپنی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہئے تاکہ دوسرا کوئی شخص اسے مجروح نہ کر سکے۔

اس نظریے پر تنقید کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ بابو جیؒ نے کبھی اپنے ذاتی دُکھ درد کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ جبکہ وہ خود دوسروں کے دُکھ درد میں کام آتے اور لوگوں کی بہتری مدنظر رکھتے تھے۔ اسکے علاوہ وہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے زائرین کا بھی خیال رکھتے۔

تنقید اس وقت موقع پاتی ہے جب انسان بظاہر غریبانہ لباس پہنے اور اندرون خانہ امیرانہ زندگی بسر کرے۔ بابو جیؒ ممکن حد تک نفیس لباس پہنتے لیکن اس کے ساتھ شائستگی کو برقرار رکھتے۔ انسانی ذہن چیزوں کے اسباب کے بارے میں سوچتا اور سوال کرتا ہے۔ ذہنوں میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ ایک شخص لباس کا ایک ہی جوڑا پہنے ہوئے ہے اور اس پر ذرہ بھر دھبہ نہیں اور نہ ہی اس

سے ہلکی سی بو کا شائبہ تک محسوس ہوتا ہے۔اس کا جواب خود بابو جیؒ یوں دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روحانی اور اخلاقی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی عزت اور وقار کے ساتھ گزارتا ہو تو وہ ایک شائستہ اور عمدہ طرزِ زندگی کے معیار کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تب اسے ہر روز نئے لباس کی ضرورت نہیں پڑتی۔

بابو جیؒ کا طرز حیات یہ پیغام دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص عزت اور وقار کے ساتھ روحانی اور اخلاقی اقدار کی پابندی کرتے ہوئے زندگی گزارے تو وہ انفرادی اور اجتماعی حیات میں اپنے وجود کی نفاست کا لوہا منوا سکتا ہے۔اُن کا پختہ عقیدہ تھا کہ اپنی ذات اور خاندان پر صرف ضروری اخراجات ہی کرنے چاہئیں جبکہ ان کا اصل مقصد اپنے پیروکاروں کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی مدد کرنا ہے کیونکہ وہ غوث پاکؒ کے مہمان ہوتے ہیں ان مہمانوں کیلئے کھانا اور رہائش مہیا کرنا بابو جیؒ کا بنیادی مقصد ہوتا۔وہ اپنی ذات پر ہمیشہ اوروں کو ترجیح دیتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا ''اپنی جان سے بھی پیارے غوث پاکؒ کے مہمان''

☆☆☆☆☆☆☆☆

بائیسواں باب

عائلی زندگی

ہر شادی شدہ انسان کی ایک داخلی زندگی ہوتی ہے اور ایک خارجی یعنی ایک گھر کے اندر اور ایک گھر سے باہر۔ وہ لوگ جو اپنے سربراہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں زندگی بسر کرتے ہوں وہ ایک خاندان کے افراد کہلاتے ہیں۔ اس میں عام طور پر جو رشتے نبھتے ہیں اُن میں والد، والدہ، شوہر، بیوی، بیٹے اور بیٹیاں شامل ہیں اور ان کا سربراہ والد کو سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر پورے گھر کا نظام اس کا مرہون منت ہوتا ہے اور یہیں سے اس سربراہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے اصل جوہر کی پرکھ ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھر کے اندر بیوی' بیٹے اور بیٹیوں کے تقاضوں اور گھر سے باہر روحانی پیشوا کے طور پر عائد ہونے والے تقاضوں کے درمیان کیسے توازن رکھتا ہے۔ یہ اس کی شخصیت کی پرکھ کی ''کسوٹی'' ہے۔

بابو جیؒ مکمل روحانی عظمت، مہر و محبت اور خلوص کی علامت ہونے کے ساتھ شریعت کا کامل نمونہ بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک نہایت فرماں بردار انسان جنہیں پیر مہر علی شاہؒ نے سنوارا ہو۔ ایک صاحبزادے کی حثیت سے اُنکے حالاتِ زندگی بیان ہو چکے ہیں۔

ہر سنگی کی آمد کو زیاراتِ مقدسہ کے تسلسل کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ اور اس لئے اس کی پوری دل جمعی سے تواضع کی جاتی تھی۔ رنگ، مذہب اور ذات کا خیال کئے بغیر، امیر یا غریب، اعلیٰ و ادنیٰ میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ سنگیوں کی مہمانداری کرتے ہوئے طبقاتی برتری کے احساس کو پس پشت ڈالنا پڑتا ہے کیونکہ اس طرح کے رویے بد اخلاقی اور منافقت کو تقویت دیتے ہیں۔ جو کہ سماجی برائیاں ہیں۔ بابو جیؒ کے نزدیک اخلاقیات معاشرے سے کٹی ہوئی شے نہیں تھی۔ معاشرہ ایک ایسا میدان ہے جہاں انسان کو اپنی روحانی قدر و قیمت ظاہر کرنا پڑتی ہے۔ اور اس کی اصلیت ظاہر ہوتی ہے۔

فطری طور پر بابو جیؒ کو اپنے تمام اہل خانہ سے بے انتہا محبت اور شفقت تھی۔ ان کی مناسب دیکھ بھال اور ضروریات کو پورا کرنا وہ اپنا فرض عین سمجھتے تھے اور اسے بطریق احسن نبھاتے۔ اُنہوں نے اپنی داخلی اور خارجی زندگی میں کمال کی حد تک توازن برقرار رکھا ہوا تھا۔ جو مہر

ومحبت، شفقت، رواداری اور مساوات کا سلوک گھر سے باہر تھا یعنی اپنے سنگیوں اور دربار شریف کے مہمانوں کے ساتھ، ویسا ہی سلوک گھر کے اندر افرادِ خانہ کے ساتھ روا رکھا جاتا۔ صاحبزادوں کو یہ تلقین تھی کہ وہ اپنے آپ کو ''صاحبزادے'' نہ سمجھیں اور نہ یہ کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں۔ بلکہ اُن کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ ان کے کندھوں پر فرائض و ذمہ داری کا بوجھ ہے جنہیں بطریق احسن نبھانا ہے۔ بابو جیؒ فرماتے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہمیں بنی نوع انسان کی خدمت کیلئے بھیجا گیا ہے۔ نیز یہ کہ ہمیں اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنی چاہئے۔ آپؒ نے اپنے والد گرامی سے حاصل کردہ تعلیمات پر نہ صرف عمل کیا بلکہ آئندہ نسلوں کی اُسی نہج پر تربیت بھی کی۔

بابو جیؒ کا فلسفہ حیات نیکی اور حسنِ خلق کی بنیادوں پر مبنی تھا ایک مُرشد کی حیثیت سے اپنے پیروکاروں اور سنگیوں، ایک والد کی حیثیت سے اپنے صاحبزادوں اور ایک سربراہِ خاندان کی حیثیت سے تمام اہل قرابت اور رشتے داروں کے ساتھ آپؒ کا سلوک نہ صرف اسی فلسفے کا عملی مظہر تھا بلکہ اس فلسفے کی ترویج کی ضمانت بھی۔ بابو جیؒ اس فلسفے پر عمل پیرا تھے اور اپنے اہل خانہ میں بھی انہوں نے نہایت محنت سے اس سوچ کو سمویا تھا۔ سنگیوں کی کیسے پذیرائی کرنی ہے اور ہر وقت ان سے خلوص اور ایمانداری سے پیش آنا ہے اور اپنے آپ کو ''صاحبزادہ'' نہیں بلکہ عام انسانوں کی طرح سمجھنا ہے بلکہ ایسا انسان سمجھنا ہے جس کے ذمے دوسروں کے بہت زیادہ فرائض اور ذمہ داریاں واجب الادا ہیں۔

بابو جیؒ نہ صرف افرادِ خانہ کے ساتھ بھرپور رشتہ نبھاتے بلکہ دور کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی فیاضی اور معاونت کا برتاؤ فرماتے اور اُنکی بالواسطہ یا بلاواسطہ مدد فرماتے۔ اور آپ اپنے آپ کو رشتہ داروں کی ضروریات سے آگاہ رکھتے اور صلہ رحمی کا بہترین ثبوت پیش کرتے۔

بابو جیؒ نے اپنے آپ کو ایک مثالی والدِ محترم ثابت کیا ہے۔ اُنہوں نے مختلف حیثیتوں سے اپنے صاحبزادوں کی پرورش کی ہے ایک اُستاد مربی، اور اخلاقی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے ان کی تعلیم و تربیت میں جو اساسی بات ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے خود بہترین انسان بننا اور اس کے بعد اپنے آپ کو بنی نوع کی خدمت کیلئے وقف کر دینا۔ اور اس ہدف کو بابو جیؒ حاصل کر

گئے۔اور دنیا نے دیکھا کہ ان کے صاحبزادوں نے والد بزرگوار کے بتائے ہوئے اصولوں پر حرف بہ حرف عمل کر کے مکمل طور پر ان کی پیروی کی۔

بابو جیؒ اپنے تمام اہل خاندان سے بہت گہری وابستگی رکھتے تھے اور انتہائی محبت کرتے تھے۔وہ اپنے دور کے رشتے داروں کی بھی سرپرستی کرتے تھے اور ان سے فیاضی کا سلوک کرتے تھے۔اور ان کے کہنے پر، یا ان کی ضروریات کی طرف توجہ دلائے جانے پر ان کی دل کھول کر مالی امداد کیا کرتے تھے۔بابو جیؒ ضرورت مندوں کی امداد میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے تھے۔بابو جیؒ اپنے دور کے رشتہ داروں کے معاملات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے۔

بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔مولانا محمد غازیؒ کی وفات کے بعد، جو بابو جیؒ کے صاحبزادوں کے استاد تھے، بابو جیؒ نے اپنے بیٹوں سیّد غلام معین الدینؒ اور سیّد شاہ عبدالحق کو جامعہ اسلامیہ عباسیہ بہاولپور میں داخل کروایا جہاں ہندو پاک کے مایہ ناز عالم مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کے زیر نگرانی ان کی تعلیم مکمل ہوئی۔

اپنے جگر گوشوں کو حصولِ علم کی خاطر دور دراز مقام پر بھیجنا دراصل حضور پاکؐ کی حدیث مبارک کی روشنی میں روحانی طلب کی تکمیل کی کوشش تھی کہ ''علم حاصل کرو اگر چہ اس کے لئے تمہیں چین جانا پڑے''۔کیونکہ علم وہ طاقت ہے جو انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر حقیقتوں کے راستہ پر ڈالتی ہے جس کے ذریعے انسان نہ صرف اپنے آپ کو مسخر کر لیتا ہے بلکہ کائنات کی تسخیر کے قابل ہو جاتا ہے۔انسان پہلے اپنے آپ کو پہچانتا ہے یعنی عرفانِ نفس حاصل کرتا ہے اس کے بعد اسی کے ذریعے اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے یعنی عرفانِ رب حاصل کر لیتا ہے۔شاید اسی کو معراجِ انسانی کہا جا سکتا ہے۔بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔اس سلسلے میں آپؒ کسی رورعایت کے قائل نہیں تھے۔ان کی ذہنی اور روحانی کوششوں کے راستے میں کسی رکاوٹ کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے اور نہ ہی علم کی جستجو کو ادھورا چھوڑنے کی اجازت دیتے۔ اس لئے عارضی دوری، پریشانیوں اور تکلیفات کو خاطر میں لانا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔یہ دنیا دراصل روح کی تربیت گاہ ہے بقول ایک انگریز شاعر کیٹس (Keats):

''یہ دنیا ایسی جگہ ہے جہاں ایک شخصیت اپنے آپ کو ابتدائی قید و بند سے آزاد کر کے اپنے اندرونی جوہر، یعنی اصلی شخصیت یا ''ذہانت'' سے ''رُوح'' میں تبدیل کر دیتی ہے اور یہ رُوح اُسے دکھ برداشت کرنے، حقیقتوں کو پانے اور کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل بنا دیتی ہے جو کہ انسان کی آخری شناخت ہوتی ہے۔''

اسی قسم کے خیالات کا اظہار اردو کے ایک شاعر حالیؔ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

صبر، قوتِ برداشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ زندگی کی پیچیدہ حقیقتوں کو اس کے تمام تر مثبت اور منفی گوشوں کے ساتھ تسلیم کرنے کے اوصاف، انسان کی زندگی سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جسکے نتیجے میں اس کی روحانی تکمیل ہوتی ہے۔ احساسِ سُود و زیاں کو اس راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے اور اس پر قابو پانا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ صاحبزادوں کی دادی جان سخت بیمار پڑ گئی تھیں اس کے باوجود اُن کو مدرسہ سے چھٹی لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ایک عظیم مقصد کے مقابلے میں ذاتی تکلیف کوئی اہمیت نہیں رکھتی خاص کر جب ان کے ذمے روحانی فیض پھیلانے کا کام سپرد ہو۔ اس دنیا کو ''سَان'' سمجھ کر اس کے ذریعے اپنی زندگی کی تراش خراش کرتے رہنا چاہیے۔ بابو جیؒ ایک بہترین والد محترم تھے جنہوں نے اپنے صاحبزادوں کی رہنمائی صحیح سمت میں کی اور ہمہ وقت ان کی نگرانی کرتے رہے تا کہ بھٹکنے نہ پائیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے تعلیم و تربیت کی جس روایت کی بنیاد رکھی تھی۔ آپؒ کے صاحبزادے نے اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے صاحبزادوں کو کسی ناجائز آزادی کی اجازت نہیں دی۔ بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کو بہت تھوڑا جیب خرچ دیا کرتے تھے اور وہ ریل کے تیسرے درجے میں سفر کرتے تھے تا کہ وہ اُن تکلیفات اور خطرات سے آگاہ رہیں جو ایک عام آدمی کی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ آپؒ چاہتے تھے کہ صاحبزادے زندگی کے نشیب و فراز کا عملی تجربہ حاصل کر سکیں۔ زندگی کے دُکھ اور ذہنی خوف کی حقیقتوں کو محسوس کر سکیں، جس کی بدولت وہ گوناگوں وساوس

انا نیتوں اور سماجی ناہمواریوں کو تسخیر کرنے کے قابل بن سکیں۔

محدود وسائل ہونے کی وجہ سے انسان خود پر قابو پانا سیکھتا ہے اور ہر طرح کی دنیاوی خواہشوں اور خوابوں کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ پیسہ برائی اور اچھائی کسی بھی طرف لے جا سکتا ہے۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ پیسہ کیسے خرچ کیا جاتا ہے۔ اسے روح کی بیداری کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بابو جیؒ نے اپنی زندگی کو انتہائی نظم وضبط کا پابند کیا ہوا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے اہل خانہ بھی اس طرز کو اپنائیں اور اسی کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے صاحبزادے اپنی زندگی پوری طرح شریعت کے اصولوں کے مطابق گزاریں اور دنیا اور پیسے کی طلب میں مشغول دوسرے لوگوں کے انداز زندگی کی پرواہ نہ کریں۔ نہایت محدود وسائل انسان میں اعلیٰ اقدار کو تقویت دیتے ہیں اور اسے اس مقام پر لے جاتے ہیں جہاں وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں عار محسوس کرتا ہے۔ وہ دنیاداری پر غلبہ حاصل کرنا سیکھتا ہے اور اپنی فانی خواہشات کے تابع نہیں رہتا۔ مادی دولت کی عارضی حیثیت اور اس سے حاصل ہونے والا مقام انسان کی شخصیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسے چھوڑ کے فرد کو وہ حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ آئندہ نسلوں کی رہنمائی کر سکے۔

تعلیم کا حصول ایک مسلسل عمل ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اس کا اصل مقصد قابل تقلید کردار کا نمونہ بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کو اپنے ہمراہ سفر پر لے جاتے تھے تاکہ صاحبزادے لوگوں سے ملیں اور ان کی مشکلات اور مسائل کو سمجھیں۔ اُن کا لوگوں سے میل ملاپ اُنکی ذود حسی میں اضافے کا سبب بنے۔ اُنہوں نے بابو جیؒ کے ہمراہ عراق، ترکی، شام، اردن، فلسطین اور کچھ مغربی ممالک کا سفر کیا تاکہ اپنے علم اور معلومات میں اضافہ کر سکیں۔ انہوں نے بابو جیؒ کے ہمراہ فریضہ حج ادا کیا اور عمرہ ادا کرنے کیلئے کئی مرتبہ سعودی عرب گئے دونوں صاحبزادوں نے حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ بابو جیؒ نے تربیت کا یہ سلسلہ اپنے پوتوں تک بڑھایا۔ بچپن سے ہی اُنہیں روایتی تربیت دی جانے لگی اور شریعت کے رنگ میں ڈھالنا شروع کیا۔ دادا جان کی حیثیت سے آپؒ کے نزدیک سب سے پہلا

کام پوتوں کی کردار سازی تھی۔ اس مقصد کیلئے عالم، فاضل اور محنتی اساتذہ اور معروف علما، کو ان کی تعلیم و تربیت کیلئے مقرر کیا گیا۔ انسانی زندگی میں کردار کے کسی ایک پہلو میں اس طرح کمال حاصل کر لینا کہ اُس سے کسی دوسرے پہلو میں کمی واقع ہو جاتے فطرت اور مزاج کی محدود کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ بابو جیؒ نے اپنے افکار وکردار اور عمل میں جو حسین توازن پیدا کیا وہ نہ صرف حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ کی دی ہوئی تربیت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ آپؒ کے خاندان کی مستقبل کی تربیت اور کردار سازی کا غماز بھی ہے۔ آپ کے ایک پوتے کبھی کبھی بذریعہ ٹرک اپنے اُستاد صاحب کے پاس راولپنڈی بھیجے جاتے تھے تا کہ کٹھن زندگی کے عادی ہو سکیں اور انانیت جنم نہ لے سکے۔

بطور ایک والدِ محترم کے بابو جیؒ نے اپنی آل اولاد کی تربیت اس نہج پر کی کہ وہ ہمیشہ انسانی اور روحانی قدروں کے مطابق اپنی زندگی سنواریں۔ بڑے چھوٹے خواتین و حضرات خاندان کے سبھی افراد کی یکساں تعلیم و تربیت ہوتی۔ گھر کی خواتین کیلئے بابو جیؒ کا یہ حکم تھا کہ با قاعدہ نماز اور وظائف کی ادائیگی کی جائے۔ معمر خواتین کا خیال خاص رکھا جائے اور ان کی دیکھ بھال کی جائے۔ باہر سے آنے والی مہمان خواتین کا خیال رکھا جائے اور انہیں مہمان تصور کیا جائے۔ بابو جیؒ اس سلسلے میں گھر کے افراد سے مہمانوں کے بارے میں با قاعدہ استفسار فرماتے تھے۔

حضرت بابو جیؒ کے روزمرہ کے معمولات بے حد سادگی سے ترتیب پاتے تھے۔ دینی اور دنیاوی فرائض کے ایک بارِگراں کے ساتھ آپؒ کے روز و شب کا آغاز اور انجام عجز و انکسار، خلوص اور سخاوت سے ہوتا۔ بابو جیؒ کا معمول تھا کہ آپ محفل سماع کے بعد "یار" اپنی رہائش گاہ تشریف لے جاتے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ قیلولہ کرتے۔ اس سے قبل مجلس خانہ جانے سے پہلے بابو جیؒ گھر کے افراد سے ملتے اور اُن سے گھریلو معاملات پر بات چیت کرتے، ضروری مشورے دیتے اور رہنمائی کرتے۔ نیز اپنے مشوروں اور ہدایات پر عمل سے متعلق اپنے آپ کو آگاہ رکھتے۔

بابو جیؒ کا خیال تھا کہ اولاد اور گھر کے افراد جن میں خدام بھی شامل ہیں، سب کی حتی المقدور دیکھ بھال بہترین طریقہ سے کی جائے۔ ان کی بہبود، ضروریات اور رہنمائی کا سنجیدگی اور خلوصِ دل سے ایسا خیال رکھنا چاہیے جیسے پیروکاروں کا رکھنا چاہیے۔ آپؒ کا گھریلو زندگی اور سماجی

زندگی میں اس قدر توازن برقرار رکھنا قابل صد ستائش ہے۔ باباجیؒ اپنے گھر کے افراد اور دور کے رشتہ داروں کے علاوہ ہر کس و ناکس کی خبر گیری کرتے ان کی دلجوئی کرتے اور اگر اُن میں سے کوئی بیمار ہوتا تو اس کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے۔ آپؒ فرماتے کہ شفا من جانب اللہ ہوتی ہے جبکہ علاج سنتِ نبویؐ ہے۔ اسلئے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

تیئسواں باب

گولڑہ شریف میں تعمیراتی کام

مہمانوں کا گرم جوشی سے خیر مقدم کرنا اور پورے اخلاص سے اُن کی خاطر تواضع کرنا اسلامی شریعت کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے حضور پاک ﷺ نے مہمان نوازی کی شاندار مثال قائم کی ہے۔ پیر مہر علی شاہؒ حضور پاک ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسی مثال کی پوری طرح پیروی فرماتے تھے۔ آپؒ کی وفات کے بعد حضرت بابو جیؒ نے اپنے والد محترم کی روایت برقرار رکھتے ہوئے پوری ذمہ داری کے ساتھ اس فریضہ کو نبھایا۔ بابو جیؒ دربار شریف میں حاضری دینے کیلئے ہزاروں کی تعداد میں آنے والے تمام زائرین کو غوث پاکؒ کے مہمان تصور کرتے تھے۔ ان کے تمام تعمیراتی کاموں کی تہہ میں یہی فلسفہ کارفرما تھا۔

(1) حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے دور میں صرف ایک مہمان خانہ (سرائے) ہوا کرتا تھا۔ زائرین کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا جس کے پیش نظر مزید مہمان خانوں کی ضرورت پڑی۔ جنہیں بابو جیؒ کے دور میں تعمیر کیا گیا اور دو مزید مہمان خانے تعمیر کئے گئے جو رقبے کے اعتبار سے کافی بڑے تھے۔

(2) نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر پرانی مسجد کو شہید کرا کے دو منزلہ کشادہ مسجد تعمیر کی گئی اور اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے اس کے بائیں پہلو میں ایک بلند و بالا مینار تعمیر کیا گیا جس کی اونچائی 175 فٹ ہے۔

(3) بابو جیؒ اپنے والد بزرگوار حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی انتہائی قدر و منزلت کرتے تھے۔ یہ محض ایک بیٹے کی باپ کیلئے محبت ہی نہ تھی بلکہ ایک مرید کا اپنے مرشد کیلئے اخلاص اور فرمان برداری کا جذبہ تھا جو وہ ہر قدم پر اُنکی تعلیمات اور تربیت کے تحت اُنکے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ بابو جیؒ اس بات سے باخبر تھے کہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا روحانی مرتبہ کس قدر عظیم ہے۔ اُنکے اس عالی شان مرتبے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہی بابو جیؒ نے ایک کامل ولی کو اپنا خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا شاندار روضہ مبارک تعمیر کرایا۔

پیر سیّد غلام محی الدین بابو جیؒ کی تعمیر کردہ مسجد کا اندرونی نظارہ

اس پر سنگ مرمر لگوایا گیا اور اس کی اندرونی اور بیرونی دیواروں پر قرآنی آیات' احادیث نبوی اور مثنوی مولانا رومؒ کے کچھ اشعار درج ہیں۔ جن سے انسان کی روح تازہ ہوتی ہے۔ دیگر تعمیرات اور آپؒ کے قائم کردہ اداروں میں قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔

(4) ایک مجلس خانہ جو 120x80 فٹ رقبہ پر محیط ہے تعمیر کیا گیا جو تقریباً 2000 افراد کیلئے کافی ہے اس مجلس خانے میں محفل سماع کا اہتمام ہوتا ہے جس کا فلسفہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(5) لنگر غوثیہ کی ضروریات پوری کی گئیں۔ اسکے ساز و سامان میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔ بستروں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا گیا ہے جن کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

(6) مدرسہ کا انتظام چلانے کیلئے فنڈ زمختص ہوتے تھے۔ بابو جیؒ مدرسہ کی نگرانی خود کرتے تھے۔ اب بھی اسکے طلباء اور اساتذہ کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ طلباء اور اساتذہ کی سہولت کیلئے ایک لائبریری بھی موجود ہے جس میں 6000 سے زائد کتب موجود ہیں ان میں کچھ نایاب کتب کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔

(7) بابو جیؒ تعلیم کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اسے ایک فریضہ تصور کرتے تھے۔ آپؒ مدرسہ میں موجودہ اور فارغ التحصیل طلباء کی فلاح و بہبود کا بہت خیال رکھتے تھے۔ طلباء کو وظائف دیئے جاتے جن کے لئے خاص طور پر فنڈ زمختص کئے جاتے ہیں۔ طلباء کو تعلیم و تدریس کے دوران رہائش' خوراک اور کتابیں مفت مہیا کئے جاتے ہیں اور ان کو لنگر شریف کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے اور ان کی مکمل دیکھ بھال ہوتی ہے۔ مدرسہ کیلئے عالم فاضل اساتذہ مقرر کئے جاتے ہیں جو فقہ' حدیث اور شریعت پرمبنی کتب کا درس دیتے ہیں۔ جیّد علمائے کرام کو مدعو کیا جاتا ہے تا کہ درس نظامی کے مختلف اہم موضوعات پر اپنے زرّیں خیالات کا اظہار فرمائیں اور اسکی روایت ہمیشہ سے قائم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چوبیسواں باب

تحریک پاکستان میں بابو جیؒ کا کردار

بابو جیؒ کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ برصغیر میں مسلمانوں کیلئے ایک الگ ملک ہو۔ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر اخلاقی اور سماجی قدروں کی پاسداری کے نام پر آئے دن جو ظلم و ستم، اکثریتی ہندو روا رکھتے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں تھے اور اب وہ لوگ بھی جنہیں سماجی مساوات کے نام نہاد علمبرداروں نے جھوٹی امیدوں اور وعدوں کے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا بالآخر مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کے قیام کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے تھے کیونکہ ہندو اکثریت' اقلیتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی کمتر سلوک کرتے تھے اور انہیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ان کے مذہب' ثقافت اور شہری حقوق کو پامال کیا جاتا تھا۔ اب برصغیر کے مسلمان ایک مخلص قیادت کے منتظر تھے کہ وہ سامنے آئے اور ذاتی مفادات اور سیاسی شہرت کے حصول سے بالاتر ہو کر انسانیت اور مذہب کے نام پر آزادی کیلئے جدوجہد کرے۔

بابو جیؒ نے کبھی سیاست اور صدارتی یا انتخابی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا۔ حصول اقتدار کے لئے مکر و فریب اتنی ادنیٰ حیثیت رکھتے ہیں کہ آپؒ ان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایمان اور روحانی دولت کے مقابلے میں عارضی شان و شوکت کوئی معنی نہیں رکھتے۔ دنیاوی تخت و تاج اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مقابلے میں بہت ہیچ ہے۔

بمصداق:۔ ادنیٰ سی کرامت ہے ابدال بنا دینا۔ یعنی:

نے تاج و تخت میں' نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

بابو جیؒ کی سیاست سے عدم دلچسپی کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

سر سکندر حیات خان برطانوی دور حکومت میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور گورنر رہ چکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خاندان کے افراد نے بابو جیؒ سے درخواست کی کہ ان کے بڑے بیٹے شوکت حیات خان کی دستار بندی ان کی رہائش گاہ پر فرمائیں۔ لیکن بابو جیؒ ان کی رہائش گاہ کی

بجائے داتا دربار پر دستار بندی فرمانے پر رضا مند ہو گئے۔ دستار بندی کی تقریب داتا دربار پر صبح کے وقت منعقد ہوئی اس تقریب کے بعد شام کو سر سکندر حیات خان کی رہائش پر پنجاب کے گورنر نے بابو جیؒ اور حسن نظامیؒ سے درخواست کی کہ وہ دونوں پگڑی پر ہاتھ رکھ دیں اس کے بعد خواجہ حسن نظامیؒ نے شوکت حیات خان کو وہ پگڑی پہنادی۔

تقسیم ہند کے بعد برصغیر پاک وہند میں فرقہ وارانہ فسادات پر بابو جیؒ کو بہت تشویش لاحق ہوئی۔ جب کچھ لوگوں نے گولڑہ شریف میں مقیم ہندوؤں کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو بابو جیؒ نے مداخلت کی اور ہندوؤں کو تحفظ دیا۔ اور انہیں ہندوستان کی سرحد تک پہنچانے میں ان کی مدد کی۔ بابو جیؒ کا عقیدہ تھا کہ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ معصوم لوگوں کا قتل کیا جائے۔ وہ لوگ بابو جیؒ کی مہربانیوں کو کبھی نہیں بھولے اور جب بابو جیؒ اجمیر شریف جانے کے لئے دہلی کے سفر پر تھے تو ان لوگوں نے آپؒ کو اپنے گھروں پر مدعو کیا اور وہاں مئی 1952 میں محفل سماع منعقد ہوئی اور غیر مسلموں پر بھی اس قدر وجد آور کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ وہ بھی بے ساختہ ''اللہ اکبر'' ''اللہ اکبر'' کے نعرے بلند کرنے لگے۔ یہ سب حضرت بابو جیؒ کے اخلاص اور مہربانی کا اثر تھا۔

جنوری ۱۹۶۱ء میں ہندوستان کے سفر کے دوران جب سکھوں نے سنا کہ بابو جیؒ امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ہیں تو انہوں نے ایک بڑے استقبالئے کا اہتمام کیا اور محفل سماع کا انعقاد بھی کیا گیا۔

تحریک پاکستان کیلئے بابو جیؒ کی تائید اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ آپؒ کو اسلامی شریعت اور بنی نوع انسان کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ آپؒ نے کسی سیاسی پلیٹ فارم سے جدوجہد نہیں کی۔ آپؒ نے شریعت اسلامی کے نفاذ کی خاطر مسلسل جدوجہد کی جو حقیقی آزادی، مساوات اور حق وانصاف کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

یہ ایک ایسا مقام تھا جب مسلمان ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ہندوستان سے آئے ہوئے بے یار و مددگار مہاجرین کی کھل کر امداد کی جائے۔ چنانچہ بابو جیؒ نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپؒ ہندو پاک سرحد پر جا کر آنے والے مہاجرین

کی ہر ممکن مدد کرتے اور انہیں تمام بنیادی ضروریات مہیا کرنے میں بھرپور حصہ لیتے اور یہ امداد مذہب ملت' ذات پات کی تفریق اور رنگ ونسل کی پرواہ کئے بغیر چاہے ہندو ہو' مسلمان ہو، سکھ ہو، پارسی ہو یا عیسائی، سب کو یکساں مہیا کی جاتی۔ بابو جیؒ نے ان خاندانوں کی امداد بھی کی جو پاکستان سے ہندوستان جانا چاہتے تھے۔ آپؒ کپڑوں کا انبار لگا رکھتے اور کافی سے زیادہ خشک راشن کا بندوبست کرتے تاکہ فوری طور پر ان مہاجرین کو کم از کم خوراک اور کپڑوں کی سہولت مہیا کردی جائے۔ اور جو لوگ ہندوستان جانا چاہتے ہیں انہیں مکمل تحفظ مہیا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بابو جیؒ اپنی بندہ پروری اور انسانیت نوازی کی بنا پر'' جگت پیر'' کہلانے لگے یعنی پوری دنیا کے پیر جبکہ خود انہوں نے کبھی اپنے آپ کو پیر یا پیشوا نہیں کہا تحریک آزادی کشمیر کے سلسلے میں بابو جیؒ نے تحریک سے وابستہ کارکنوں کی حتی المقدور حمایت اور امداد کی ہے۔

انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزادی اس کا پیدائشی حق ہے اسلئے کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں کو آزادی سے محروم کرے۔ کشمیری مسلمان اسی آزادی کے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے مذہب اور ثقافت کے مطابق اپنی زندگی گذار سکیں۔ انقلابات عام طور پر انسانی ارتقاء کی نفی کرتے اور انسانی خوبیوں کو گہنا دیتے ہیں۔

فلسطینی، کشمیری اور تمام دنیا کے حریت پسندوں کی تحریک آزادی میں مدد کی جانی چاہیے۔ ہر قوم اور نسل کے لوگوں کو آزادی حاصل کرنے کا حق ہے۔ انسانی اقدار کے پرچار کی بجائے ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حضرت بابو جیؒ نے دامے 'درمے' قدمے' سخنے انسان کی عظمت و وقار کی حفاظت اور آزادی کی جدوجہد میں مصروف لوگوں کی مدد کی۔ مصائب و آلام میں مبتلا مہاجرین اور بے گھر ہونیوالے لوگوں کو ہر طرح کی امداد مہیا کی گئی خواہ ان کا تعلق ہندو' پارسی' انگریز' سکھ یا کسی بھی قوم سے تھا۔ عالم انسانیت کی ہمدردی اور غم خواری کے سبب وہ بلاشبہ جگت پیر کہلانے کے مستحق تھے۔

تقسیم سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان کی دگرگوں حالت سے باخبر ہونے کے بعد بابو جیؒ نے تحریک پاکستان کی بھرپور حمایت اور امداد کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ

مسلمان اپنے اس مطالبے میں حق بجانب ہیں ۔ تا کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کی زندگی گذار سکیں ۔ اس سلسلے میں جب ملک خضر حیات خان ٹوانہ جو اس وقت پنجاب کا وزیر اعلیٰ تھا مسلم لیگ میں شامل نہ ہوا ۔ تو بابو جیؒ نے اُس کی رہائش پر جانا بند کر دیا جبکہ آپؒ عام طور پر سیال شریف کے عرس پر حاضری کے موقع پر ان کے ہاں قیام کیا کرتے تھے ۔ بعد ازاں جب ٹوانہ صاحب سے کرسی چھن گئی تو بابو جیؒ نے پھر سے ملاقات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے بعد خضر حیات ٹوانہ گولڑہ شریف پہلے کی نسبت زیادہ جانے لگے۔

1945ء میں رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے بابو جیؒ بہت پریشان تھے کیونکہ ان سے پوری انسانیت کو خطرہ تھا۔ جبکہ جنگِ عظیم نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ آپؒ نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت فرمائی کہ وہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں مسلم لیگ کا ساتھ دیں تا کہ مسلمان اپنے لئے ایک جداگانہ ریاست کے قیام میں کامیاب ہو جائیں ۔

اسی طرح 1950 میں جب ملک میں سیاسی حالت دگرگوں ہوگئی اور حکومتی سطح پر اخلاقی بگاڑ اور اقربا پروری جیسی خامیاں زور پکڑ گئیں تو بابو جیؒ کو بہت تشویش ہوئی کیونکہ عوام نے اسلام کے نام پر پاکستان کے حصول کیلئے قربانیاں دی تھیں اور ''لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ بلند کیا تھا۔ لیکن اب یہ نعرہ بدلتا نظر آتا تھا ۔ پاکستان کے حکام اپنے ذاتی اغراض و مقاصد میں مگن ہو گئے تھے اور اسی کو پاکستان کے حصول کا اصل مقصد سمجھنے لگے تھے ۔ بابو جیؒ فرمانے لگے کہ پاکستانی عوام نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور پاکستان حاصل کیا لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود یہاں اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں ہو رہا ہے ۔ حکام کے قول و فعل میں تضاد تھا۔ یوں نظر آرہا تھا کہ مسلمانوں نے پاکستان کے حصول کے لئے جو قربانیاں دی تھیں وہ رائیگاں ہوگئیں ہیں ۔ بابو جیؒ محسوس کرتے تھے کہ اُن حالات میں شریعت کے پابند اور مخلص انسانوں کی زندگی نہایت کٹھن ہوگئی ہے کیونکہ لوگ اسلام اور شریعت کے زبانی دعوے کرتے اور اسے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کر رہے تھے ۔ لیکن ان کی حقیقی زندگی کے اعمال اس سے بالکل برعکس تھے ۔ بابو جیؒ اپنے ایک خط میں پشاور کے مولانا گل فقیر احمد کو ذیل کا شعر لکھ کر اس وقت کی ناگفتہ بہ حالت کو بیان کرتے ہیں ۔

نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

کمیونزم کے متعلق بابو جیؒ کے تاثرات

بابو جیؒ کا خیال تھا کہ ایک دن آئے گا جب کمیونسٹ اور دوسرے لوگ اپنے خیالات کی بے مائیگی تسلیم کرلیں گے اور خدا اور وحی الٰہی کو تسلیم کرلیں گے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ سیدھا راستہ نہ ترک نہ کرے اور نہ ہی اپنی ناقص سوچ اور نہ ہی اپنی ضعیف بصارت کے ذریعے اپنے آپ کو گمراہ کرے۔ بابو جیؒ کا عقیدہ تھا کہ کمیونزم دوسرے مختلف ''ازموں'' کی طرح وحی الٰہی سے ٹکرانے والے انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات پر مبنی ہے اور اسلام کے خلاف ہے۔ کمیونزم کی اساس غیر فطری سوچ پر رکھی گئی ہے۔ اس کی حقیقت ایک دن آشکارا ہو جائیگی۔ چنانچہ بابو جیؒ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔ آج روس کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جو اپنے آپ کو ایک ''سپر پاور'' یعنی عظیم قوت تصور کرتا تھا۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا کیونکہ اس کے نظام کی اساس انسانیت اور شخصی آزادی کے خلاف ہے۔ یہ نظام نیکی بدی اور محنت میں فرق نہیں کرتا۔ سزا و جزا اور حصول آخرت کے تصورات کی بھی نفی کرتا ہے۔ یہ سب باتیں انسان کی نشوونما میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ بابو جیؒ فرماتے تھے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور اسکا ہر اصول فطرت کے عین مطابق ہے اس کے مقابلے میں کوئی فلسفہ یا دوسرا مذہب اس قدر جامع اور قابل عمل نہیں۔ اسلام قدرتِ خداوندی کا قائل ہے۔ یہ نیکی اور بدی میں تمیز کرتا ہے سزا اور جزا کا قائل ہے اور یہ کہ یہ ساری کائنات اللہ کی مرضی سے ایک خاص نظام کے تحت چلتی ہے۔ ہر انسان کی ذہنی سطح، عقل و دانش، جذبات واحساسات مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے تمام انسانوں کو برابر سمجھنا فطری تقاضوں کے منافی ہے۔ سب کے ساتھ اہلیت کی بنیاد پر سلوک کرنا چاہئے۔ اسلام انسانی حقوق کا علمبردار ہے۔ یعنی ہر انسان کو ذاتی قابلیت اور اہلیت کی بنیاد پر انصاف کے تقاضوں کے مطابق معاوضہ ملنا چاہئے۔ اسلام میں مساوات کا مطلب انصافی تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنی ذاتی قابلیت کے مطابق اپنا مقام بناتا ہے۔

کمیونزم انسانوں سے ان کی آزادی، پیسہ، طاقت اور ترقی کے مواقع چھین لیتا ہے۔ اس

کے برعکس اسلام ایک مخلصانہ، نرم رفتار اور بتدریج تبدیلی اور جدو جہد میں یقین رکھتا ہے اور افراد کی آزادیاں چھیننے کی اجازت نہیں دیتا۔ کمیونزم ایک نہ ختم ہونے والی طبقاتی جنگ کو جنم دیتا ہے۔ اسلام ایک متحدہ اور منظم اکائی میں یقین رکھتا ہے۔ ایک جامع اکائی جہاں پر اونچے اور نیچے طبقات مل کر کام کرتے ہیں۔ پھر بھی ہر فرد کو اپنی اندرونی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے بے شمار مواقع ملتے ہیں۔ انتہاؤں کا وجود نہیں ہوتا۔ کمیونزم میں ایک محنتی اور باصلاحیت انسان کو ایک نکھٹو انسان کے برابر معاوضہ ملتا ہے۔ ایک جیسا ہونے اور برابر ہونے میں فرق ہے۔ اسلام انسان کی فطری اور سماجی ضرورتوں کو سمجھتا ہے۔ وہ ایک بہتر فرد اور بہتر معاشرے کے لئے کام کرتا ہے۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنا اور اسلام کے بنیادی عقائد کے برعکس کام کرنا لفظ مسلمان کی صحیح تعریف نہیں ہے۔ مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی شریعت اور سنت پر عمل کیا جائے۔

اللہ کے پیغام کو چھپانا اور اس کی نفی کرنا آسان کام ہے۔ لیکن ذاتِ حقیقی کا عرفان حاصل کرنا اور فلسفہء الٰہی کی صحیح مثال بن کر سامنے آنا اتنا کٹھن کام ہے کہ جو افراد دنیاوی سیاست میں الجھے ہوتے ہیں یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

بابو جیؒ اور فتنہ انکارِ ختم نبوت

اسلام سب کو گلے لگاتا ہے۔ جو چاہے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی مذہبی آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد شریعت اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی نفی کرنا اسلام کی مخالفت کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ طریقہ کار اسلام نہیں کسی اور دھرم کے پرچار میں آتا ہے۔ برصغیر میں قادیانیت کی تحریک اسی مسلک کی ایک مثال تھی۔ جبکہ حضرت بابو جیؒ اپنے والدِ گرامی کے مسلک پر عمل پیرا ہو کر اس فتنے کا سدباب کرنے میں پیش پیش تھے۔

برصغیر ہندوستان میں قادیانیت کی بنیاد بھی ایک ''ازم'' پر رکھی گئی ہے جس کے تحت عام لوگوں کو گمراہ کیا گیا اور مذہب کے نام پر مسلمان قوم کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی چنانچہ ضروری سمجھا گیا کہ کذب و منافقت کی بنیاد پر بنائے گئے اس ''ازم'' کے خلاف تحریک چلائی جائے۔

1951-52ء میں پنجاب میں قادیانیت کے خلاف احتجاج کے دوران بابو جیؒ نے اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین اور گورنر جنرل غلام محمد سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ آپؒ کی زندگی کے آخری ایام کے دوران یہ تحریک دوبارہ شروع کی گئی۔ چنیوٹ کے ریلوے اسٹیشن پر قادیانی غنڈے مسلمان طلباء پر جھپٹ پڑے اور کلہاڑیوں اور بیلچوں سے ان کے سر پھاڑ ڈالے۔ بابو جیؒ اس واقعہ کے دوران ہسپتال میں صاحب فراش تھے۔ اس خبر کو سننے کے بعد آپ بے حد ملول ہوئے اور فرمانے لگے کاش میں صحت یاب ہوتا تو جا کر ان طلباء کے قدم چومتا جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ آپؒ نے صوفیائے کرام اور بزرگان دین سے اپیل کی کہ وہ ان جان نثاران اسلام کی ہر طرح سے مدد کریں۔ 1899ء میں حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے قادیانیت کے خلاف تحریک کا آغاز کیا تھا حضرت بابو جیؒ نے عمر بھر اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور آخر کار آپؒ کی یہ خواہش کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ 1974ء میں پوری ہوگئی جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔

تحریک آزادی کشمیر

بابو جیؒ جہاد کو بہت افضل سمجھتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ سماجی برائیوں کے خلاف لڑنا بہت افضل عمل ہے۔ کیونکہ حضور پاکؐ ان سپاہیوں پر اپنی رحمت بھیجتے ہیں جو برے لوگوں کے خلاف لڑتے ہیں۔ یہ بابو جی کی رسول کریم ﷺ سے محبت کا اظہار تھا۔ 1947-48ء میں تقسیم ہند کے فوراً بعد کشمیریوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ہندوستان نے طاقت کے ذریعے کشمیریوں کو اپنے جداگانہ اسلامی تشخص کے حصول سے بھی محروم کر رکھا ہے۔ چنانچہ کشمیریوں نے ظلم و تشدد کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ اور تحریک آزادی کشمیر کی ابتدا کر دی۔ اس جہاد کے دوران بابو جیؒ خود جنگ کے محاذ پر گئے اور وہاں موجود سپاہیوں کو کھانا اور کپڑے تقسیم کیے۔ پانڈو کے محاذ کے نگران افسر نے بابو جیؒ سے استدعا کی کہ ان کی کامیابی کیلئے دعا کریں کیونکہ یہ محاذ کافی کٹھن ہے۔ بابو جیؒ نے تمام رات اس پہاڑی پر گزاری اور خدا کے فضل سے اس اہم چوکی پر کشمیریوں کا قبضہ ہوگیا۔

1965ء میں جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تو بابو جیؒ نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی

کہ وہ اپنے وطن عزیز کے تحفظ کی خاطر کسی بھی قربانی سے گریز نہ کریں۔ اس دوران بابو جیؒ راولا کوٹ کے محاذ پر تشریف لے گئے اور وہاں کے آرمی ہیڈ کوارٹر پر ایک رات گزاری۔ وہاں محفل سماع منعقد بھی کی گئی تا کہ مجاہدین کے حوصلے بلند ہوں۔ نگران افسر نے بابو جیؒ سے فتح و نصرت کی دعا کی استدعا کی۔ دوسرے دن بابو جیؒ مہاجرین کے کیمپ گئے جہاں آپؒ نے خاندان کے ہر فرد کو 50 روپے عنایت کئے۔ تراڑ کھل کے مقام پر اپنی مدد آپ کے تحت ایک ہسپتال تعمیر ہو رہا تھا، آپؒ نے ایک بڑی رقم اس ہسپتال کی تعمیر میں خرچ کرنے کیلئے عطا فرمائی۔ مریضوں کے پاس گئے اور ان کی صحت یابی کیلئے دعا فرمائی۔ یہ معلومات بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اسحاق کے 17 مارچ 1994ء کے خط سے موصول ہوئیں۔

ملکی حالات

1962ء میں پاکستان کے اندرونی حالات بہت بگڑ چکے تھے۔ ایک طرف پاکستانی حکام میں پائی جانے والی بدعنوانی اور دوسری طرف پاکستانی قوم کی ناگفتہ بہ حالت کی وجہ سے بابو جیؒ بہت زیادہ پریشان رہتے تھے اور اس امر پر افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں لوگوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ادھر علاقے کے بہت سے لوگ بابو جیؒ کے پاس اپنی حالت زار بیان کرنے آئے کہ اسلام آباد کے نئے شہر کو آباد کرنے کیلئے مرکزی حکومت ان کی زمینیں حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ بابو جیؒ نے ان کی ہر طرح سے مدد کی تا کہ ان کی زمینوں پر ناجائز قبضہ نہ ہو سکے۔ بابو جیؒ کی بے لوث امداد کو حکومتی افسران نے غلط رنگ دیا۔ بابو جیؒ کے ایک عقیدت مند میجر الطاف نے آپؒ سے عرض کیا کہ اخبار میں یہ خبر آئی ہے کہ بابو جیؒ دیوان صاحب پاک پتن شریف کی انتخابی مہم کے سلسلے میں ملک بھر کا دورہ کرنے والے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ کیونکہ بابو جیؒ کا خیال تھا کہ دیوان صاحب انتخاب نہ لڑیں تو بہتر ہوگا۔ بابو جیؒ کے علم میں یہ بات بھی لائی گئی تھی کہ دیوان صاحب نے انتخابات کی خاطر اپنی لاکھوں روپوں کی جائیداد بیچ ڈالی۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ کس قسم کی سیاست ہے جس میں لوگ اپنے لئے پیسے دے کر ووٹ خریدتے ہیں۔ یہ سب کچھ شریعت کے خلاف ہے اور اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کے احکامات کو پامال کر کے ان کی ناراضگی مول لینے کے برابر ہے۔

15 مارچ 1974ء کو بابو جیؒ نے محمد واصل سیٹھی کی پشاور میں شادی کی تقریب میں شرکت

فرمائی۔ اس تقریب کے موقع پر صوبہ سرحد کے گورنر جناب محمد اسلم خٹک نے حضرت بابوجیؒ سے پاکستان کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ بابوجیؒ نے فرمایا کہ یہ مسائل اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ لوگ اسلام کو بھول چکے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسائل حل ہوں تو اس کے لئے ہمیں اسلام کا دامن پکڑنا ہوگا جو ہمیں ہر مصیبت سے نجات دلاسکتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اسلم خٹک کے ساتھ ان کی پہلی ملاقات بغداد شریف میں ہوئی تھی اور یہ باہمی تعلق ہمیشہ برقرار رہے گا۔

مسلم دنیا کا اتحاد

بابوجیؒ فرمایا کرتے کہ اگر مسلمان اپنی ذاتی انا اور دنیاوی خواہشات کو بھلا دیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کرسکتی۔ 19 جون 1967ء کے خط میں آپؒ مادام سارہ اتچہ کو لکھتے ہیں کہ اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی ہے۔ اس سے انہیں بہت صدمہ پہنچا ہے اور دل شکستہ ہو گئے ہیں۔ آپؒ نے مادام سے درخواست کی کہ وہ عربوں کی فتح کیلئے دعا کریں۔ تا کہ انہیں اپنی کھوئی ہوئی سرزمین واپس مل جائے۔ آپؒ نے تاکید کی کہ اپنی نمازوں میں اور حضرت ابوایوب انصاریؓ اور مولانا رومیؒ کے مزارات پر حاضر ہو کر عربوں کے حق میں دعا کریں۔

مشرقی پاکستان کا سانحہ

1971ء میں مشرقی پاکستان کے سانحے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا جو خون بہا اس نے بابوجیؒ کو بہت افسردہ کررکھا تھا۔ مشرقی پاکستان کے کچھ خاندان مغربی پاکستان میں پھنس گئے۔ بابوجیؒ نے مشرقی پاکستان واپسی میں ان خاندانوں کی امداد فرمائی۔ آپؒ کی یہ خواہش تھی کہ دونوں قومیں پھر سے یکجا ہوجائیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کا بٹوارہ بیرونی سازش کا نتیجہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ایک دن مغربی اور مشرقی حصے میں دوبارہ تعلقات قائم ہوجائیں گے۔ چنانچہ اب دیکھنے میں آیا ہے کہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان افہام وتفہیم کی راہیں کھل رہی ہیں جو ایک پائیدار دوستی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ ذاتی اغراض سے بالا مخلص تمنائیں ہمیشہ سچی ثابت ہوتی ہیں۔ بابوجیؒ کی دلی تمنا تھی کہ پوری مسلم دنیا میں اتحاد ہوجائے تا کہ غیر مسلم دنیا ان کا استحصال نہ کرسکے۔ بابوجیؒ نے کشمیر، مشرقی پاکستان، فلسطین اور عرب دنیا سب کے بارے میں نیک خواہشات کا اظہار کیا۔
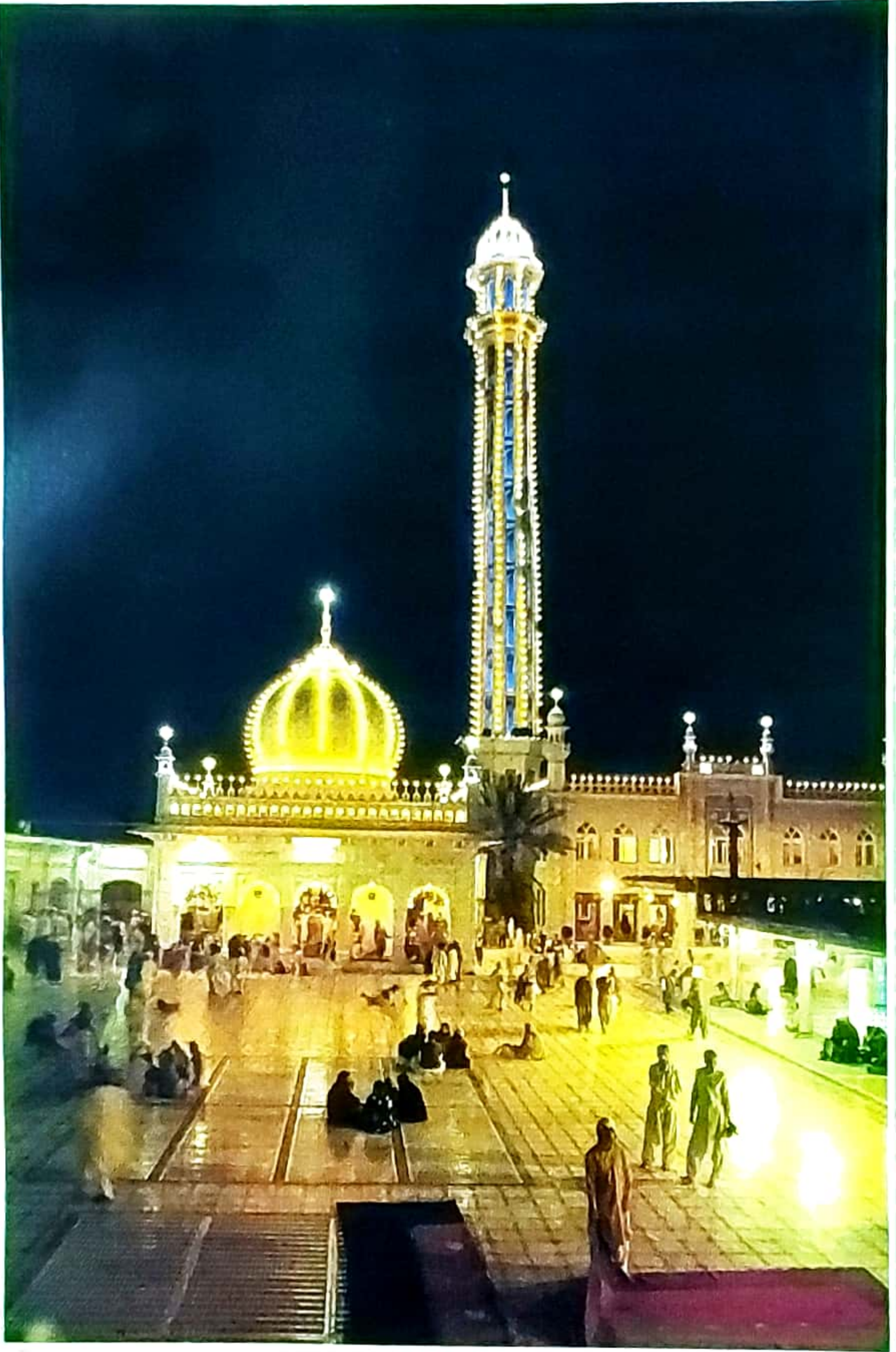
روضہء انور پر عُرس کی شب چراغاں کا دلکش نظارہ

پچیسواں باب

عزت نفس، دربار شریف پر محکمہ اوقاف کا قبضہ اور واگزاری

بابو جیؒ عزت نفس کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چاہے کوئی کتنے بڑے مرتبے کا مالک ہی کیوں نہ ہو وہ اس کے سامنے کبھی نہیں جھکتے تھے۔ سیاسی رتبہ اور دنیاوی جاہ جلال بابو جیؒ کے سامنے ہیچ تھے۔ 1961ء میں دربار گولڑہ شریف پر حکومت نے قبضہ کرلیا۔ اور اسے محکمہ اوقاف کے حوالے کردیا۔ بابو جیؒ کسی سرکاری عہدے دار سے نہیں ملے اور فیصلہ کیا کہ عدالت سے رجوع کیا جائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں کسی انسانی سفارش کی ضرورت نہیں۔

آپؒ نے مدنی صاحبؒ کے نام اپنے ایک خط میں فرمایا کہ ہم نے اپنا معاملہ حضور پاکؐ کے سپرد کردیا ہے لیکن ان کا فرمان ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ بیماری کی صورت میں علاج اور دوا کے بارے میں کوشش کرنا جائز ہے۔ حکومتی کارندوں کا خیال تھا کہ اس سلسلہ میں بابو جیؒ کسی سفارش وغیرہ کا سہارا ڈھونڈیں گے۔ لیکن ایسا کرنا بابو جیؒ کے مزاج کے فطری تقاضوں کے خلاف تھا۔ چنانچہ راولپنڈی کی سول عدالت میں قانونی چارہ جوئی کی گئی اور بالآخر جسٹس محسن ایس ترمذی سیشن جج راولپنڈی نے اپنا فیصلہ حضرت بابو جیؒ کے حق میں سنایا اور دربار شریف مکمل طور پر واگزار کردیا گیا۔

9 جون 1964ء کو بغداد شریف میں پاکستان کے سفیر نے بابو جیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ سفیر محترم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مداح اور معتقد بھی تھے۔ اور اس سے پہلے بھی حضرت بابو جیؒ سے ملتے رہے تھے۔ گفتگو کے دوران بابو جیؒ نے حکومت کے محکمہ اوقاف کی طرف سے کئے گئے ناروا اقدام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں نہ تو حکومت کی خواہش ہے نہ اقتدار سے غرض۔ مقصد یہ تھا کہ آپؒ سیاسی چپقلش کے باوجود حکومتی حلقوں کی چھیڑ چھاڑ سے کنارہ کش ہی رہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بابو جیؒ کو سفارت خانے کی طرف سے عشائیے کی دعوت دی۔ بیرون ملک سفارتخانوں کیلئے اس قسم کی دعوتیں دنیا اور ہم وطن وفود اور معزز شخصیات کی تواضع

کرنا ایک عام معمول ہے تاہم حضرت بابو جیؒ سرکاری اخراجات پر اس قسم کی دعوتوں کے حق میں نہ تھے اس لئے آپؒ نے اس دعوت کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا کہ ''چونکہ یہ دعوت حکومت کی طرف سے ہے اس لئے ہم اسے قبول نہیں کر سکتے۔ ہاں البتہ اگر وہ اپنے ذاتی خرچ سے ایک کپ چائے یا پانی کا ایک گلاس پلائیں تو ہم اسے ضرور قبول کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

چھبیسواں باب

بابو جیؒ کے آخری ایام

زندگی اُس جہد کا نام ہے جو انسان اور اس کی روح کو بالیدہ کر کے اپنی آخری منزل میں یعنی خدا تک پہنچاتی ہے۔ اس زندگی کی مثال اس سفر کی مانند ہے جو محدود سے لامحدود تک پہنچاتا ہے۔ بابو جیؒ نے اِسی قسم کی زندگی گزاری۔

11 اکتوبر 1971ء کو افغانستان سے واپسی کے بعد بابو جیؒ سرگودھا تشریف لے گئے۔ آپؒ نے سرگودھا کے متعلقہ گاؤں تک کا کچھ سفر پیدل بھی طے کیا تھا جس کے دوران آپ کو دل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس کے بعد آپؒ ملتان تشریف لے گئے جہاں سے طبی مشورے پر آپؒ نے لاہور سے اسلام آباد بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا۔ 1972ء میں باوجود ناسازی طبع اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کرنے مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ واپسی پر آپؒ نے بغداد شریف میں مقامات مقدسہ اور کربلا کا سفر کیا۔ اس کے بعد آپؒ زیادہ تر خاموشی اختیار کرنے لگے اور عالم استغراق میں رہتے۔ آپؒ کی موجودہ حالت آخرت کی طرف سفر کا اشارہ کر رہی تھی۔ اور آپؒ کی روحانیت کی معراج کا اعلان کر رہی تھی۔ آپؒ کی جسمانی صحت گرتی جا رہی تھی لیکن روحانی اعتبار سے آپ کا اطمینان قلب اپنے عروج پر تھا۔ آپؒ محبوب قوال سے فرمایا کرتے کہ رومیؒ کے یہ اشعار پڑھیں۔

چند باشی عاشق صورت بگو
طالب معنیٰ شو و معنی بجو
صورت ظاہر فنا گردد بداں
عالم معنیٰ بماند جاوداں
گفت المعنیٰ ہو اللہ شیخ دیں
بحر معنی ہاست رب العالمیں

یعنی ظاہری شکل وصورت غائب ہو جائیگی لیکن باطنی صورت یعنی روح ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی

لہذا زندگی اس طرح گزارنا چاہیے ۔ کہ ظاہری شکل وصورت کی بجائے داخلی یا باطنی حقیقت کو پانے کی کوشش کرنا چاہیے ۔ ذاتِ حقیقی، دائمی حقیقت خداوندی کے متعلق شیخ دیں (حضرت محی الدین ابن عربیؒ) نے فرمایا ہے کہ داخلی یا باطنی وجود صرف اللہ کی ذات ہے جو قادر مطلق ہے اور اس طرح شاید بابو جیؒ اپنے آنے والے سفر کو محسوس کرتے ہوئے سنگیوں کو تسلی و تشفی دے رہے ہوں۔

صورت از بے صورتی آمد بروں

باز شد انا الیہ راجعوں

یعنی ظاہری صورت باطنی صورت سے جنم لیتی ہے اور آخر کار اپنے اصل سے جا ملتی ہے یہی اس کی آخری منزل ہے جہاں ہر ایک کو لوٹ کر جانا ہے۔

5 نومبر 1973ء کو بابو جیؒ ریاست امب کے نواب کی فاتحہ کیلئے شیر گڑھ تشریف لے گئے اور پھر سردار بہادر خان کی والدہ ماجدہ کی فاتحہ کیلئے ریحانہ (ہری پور) تشریف لے گئے ۔ اب بابو جیؒ کی صحت روز بروز بگڑتی جارہی تھی ۔ 22 مارچ 1974ء کو جناب سید یوسف الگیلانی (بغداد شریف) آپؒ کو دیکھنے تشریف لائے ۔ مادام سارہ اُچہ بھی استنبول سے تشریف لائیں۔ 2 سے 4 مئی 1974ء کو حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کے سالانہ عرس کی تقریبات میں بابو جیؒ نے شرکت فرمائی اور معمول کے مطابق ہزاروں زائرین کو ملنے کا شرف بخشا۔ آپؒ نے اپنے تمام عقیدت مندوں کی تشفی اور دلجوئی فرمائی ۔ اس کے ایک ہفتہ بعد بابو جیؒ کو مثانہ کی تکلیف لاحق ہوگئی ۔ چنانچہ آپؒ کو سی ایم ایچ راولپنڈی کے کمرہ نمبر 4 میں داخل کردیا گیا حضرت مدنی صاحبؒ مدینہ منورہ سے تشریف لے آئے اور عیادت کے بعد بابو جیؒ سے واپس وطن جانے کی اجازت مانگی ۔ آپؒ نے انہیں مزید رکنے کو کہا لیکن مدنی صاحبؒ نے واپس جانے کیلئے بے حد اصرار کیا تو بابو جیؒ باوجود بے حد کمزوری کے مدنی صاحبؒ کو ہوائی اڈہ تک الوداع کہنے کیلئے تشریف لے گئے ۔ بابو جیؒ کی خواہش تھی کہ مدنی صاحبؒ آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائیں لیکن انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ بابو جیؒ رخصت ہونے والے ہیں اوران سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہوسکے گا۔

ہسپتال میں بیماری کے دوران بابو جیؒ نے ایک مثالی قوت ارادی کا مظاہرہ فرمایا۔ انتہائی کمزوری کے باوجود بابو جیؒ ہر آنے والے عقیدت مند کیلئے اٹھتے اور کسی دوسرے شخص کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ جسمانی اعصاب پر قابو پانا بھی تصوف کی خوبی ہے۔ جب انسان اپنی خودی کی قدر ومنزلت اور اس کی اصل حقیقت سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے تو پھر جسم تو جسم ہے وہ کائنات کی ہر شے کو مسخر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے اپنے مقالات میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ بابو جیؒ کی زندگی کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ حضور پاکؐ کے لئے سراپا وفا بن گئے تھے جسکے ذریعے آپؒ نے پہلے نفس کا عرفان حاصل کیا اور پھر رب کا عرفان اور آخرکار جسم وروح دونوں کو تسخیر کر لیا۔ جسکے بعد انسان وہ مقام حاصل کر لیتا ہے جہاں خود خدا بندے سے پوچھتا ہے کہ بتا اب تیری رضا کیا ہے۔

بابو جیؒ ہسپتال میں 19 دن تک بریگیڈیئر آئی ڈی حسن اور ڈاکٹر جنرل اکرم کے زیر علاج رہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپریشن کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آپؒ کی کمزوری اور نقاہت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ ڈاکٹر صاحبان چھوٹے سے چھوٹے آلہ جراحی کو چھو تک نہیں سکتے تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحبان نے کیا تجربہ حاصل کیا اور ان کے حوصلوں کے ساتھ کیا ہوا اس کی توضیح اور ادراک کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن ظاہری طور پر جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی اس پوری ٹیم کے ارکان اس کوشش کے بعد بابو جیؒ کے پکے مرید بن گئے۔

3 جون 1974ء کو بابو جیؒ ہسپتال سے اپنے گھر کے افراد اور دیگر ملاقاتیوں سے ملنے آخری مرتبہ گولڑہ شریف تشریف لائے۔ اس دوران بابو جیؒ نے اپنے پوتوں کو بلایا اور انہیں تلقین کی کہ ہمیشہ متحد رہیں اور اپنے آپ کو "صاحبزادے" نہ کہلائیں بلکہ لوگوں کے خادم سمجھیں۔ ملاقاتیوں کیلئے ہمہ وقت موجود رہا کریں۔ تن آسانی سے بچیں اور مشکلات برداشت کرنا سیکھیں۔ اپنی ذاتی خواہشات اور دنیاوی مفادات کو پس پشت ڈالیں۔ نفسِ امارہ کو قابو میں رکھیں اور اللہ کو ہر وقت یاد رکھیں اور فرمایا کہ اگر انہوں نے ان ہدایات پر عمل کیا تو وہ یقیناً اپنی منزل پالیں گے۔

بابو جیؒ اگرچہ جسمانی طور پر کمزور ہو رہے تھے۔ لیکن روحانی طور پر بہت مضبوط ہو چکے

تھے۔ ہمہ وقت عالم استغراق میں رہتے تھے۔ 11 جون کو بابو جیؒ کو دوبارہ ہسپتال میں داخل کر دیا گیا جب آپؒ سے صحت کے بارے میں کوئی پوچھتا تو آپؒ فرماتے "الحمدللہ" یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ 19 جون کو آپؒ نے محبوب قوال کو ہدایت کی کہ وہ حضرت عبدالقادر گیلانیؒ کی مدح میں یہ قصیدہ پڑھیں:

شاہباز لامکانی مظہر رب قدیر
حضرت محبوب سبحانی شہ پیرانِ پیرؒ
ہواگر آزاد اپنی قید ہست وبود سے
ربط ہوجائے مدامی عبد کا معبود سے

یعنی اگر ظاہری قید و بند کی زنجیریں ٹوٹ جائیں تو عبد (بندہ) کا اپنے معبود (اللہ) سے وصل ہو جائے۔

ان اشعار کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ جب انسان کا روحانی سفر شروع ہو جاتا ہے تو پھر عبد اور معبود ایک ہو جاتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ بابو جیؒ اپنے جسم کی قید سے آزاد ہو کر اپنا رابطہ اللہ سے بنا رہے ہیں یعنی بقول ایک شاعر:

پہنچے بام وصل جاناں تک جو گزرے جان سے
واصلِ جاناں ہوا جب جان سے جانا ہوا

یعنی خاکی جسم نے روح کو اپنی قید میں جکڑا ہوا ہے۔ آخر کار روح جسم کی قید سے رہائی پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور اپنے معبود سے جا ملتی ہے جو اس کی اصل منزل ہے۔ دراصل بابو جیؒ کی خواہش یہ تھی کہ حضرت غوث پاکؒ کی مدح میں کہے گئے اشعار کے ذریعے آپ ذاتِ خداوندی سے استدعا کرنا چاہتے تھے کہ اب آپؒ کی روح کو اپنے اصل سرچشمہ سے ملا دے۔

یہاں مندرجہ ذیل باتیں ذہن میں رکھنا ضروری ہیں۔

(i) حضرت غوث پاکؒ بابو جیؒ کے پیشوا تھے اور اب وہ ان اشعار کے ذریعے اپنے تعلق کو ازسرنو تازہ کرنا چاہتے تھے۔

(ii) شاہباز لامکانی سے مراد ذات غوث الاعظمؒ ہے اور یہ ذات قادر مطلق کی ازلی اور ابدی عطا کی آئینہ دار ہے۔ اور دنیا میں حضرت رسولِ اکرمؐ کے وسیلہ سے مظہر خداوندی ہے۔

(iii) یہ درخواست غوث پاکؒ کے نام پر کی گئی ہے۔

(iv) جس طرح غوث پاکؒ کو اجازت ملی کہ وہ روحانیت کے اعتبار سے اپنے معبود سے جاملیں اسی طرح بابو جیؒ کو یہ اجازت مل جائے کہ وہ بھی معبود حقیقی سے جاملیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سراسر طہارت ہے۔ انسانی جسم میں ایک عضو ایسا بھی ہوتا ہے جس کا تعلق براہ راست خدا سے ہوتا ہے یعنی انسان کا دل۔ جوں جوں یہ دل پاکیزہ ہوتا جاتا ہے انسان اسی طرح خدا کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ جب انسان اپنی زندگی غور و فکر اور تقویٰ کے ساتھ گزارتا ہے اپنے نفس امارہ کو مارتا ہے تو آخر کار انسان اتنی پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے جسکی بدولت اب وہ خدا کی ذات کا حصہ بننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے قبل اللہ کے پیارے حبیبؐ کی تائید حاصل کرنا ہوگی۔ اپنی ذات اور وجود کی مکمل نفی میں فنافی اللہ کا راز پنہاں ہے۔

فنافی اللہ ہونے سے قبل فنافی الرسولؐ ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ رب العالمین سے ملنے کیلئے رحمتہ اللعالمینؐ کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے اس کے بعد کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی اور خود ذات خداوندی ایسے انسان کا خیر مقدم کرتی ہے۔ پھر تعینات کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور مکان اور مکین ایک ہو جاتے ہیں۔

بابو جیؒ کا وصال

روح اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہر انسان اپنے متعین مقصد کے حصول کیلئے جدوجہد کرتا ہے جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یہی اس کی توانائی بن جاتی ہے پیغمبروں اور اولیائے کرام کی نظر میں خدا کی ذات ہی ابدی حقیقت ہے اور یہی ان کی آخری منزل ہوتی ہے۔ بابو جیؒ نے اپنی زندگی ایسے ہی ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے گزار دی۔ آپؒ کا جسم مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف تھا اور روح اللہ اللہ کرنے میں اور ان دونوں میں مکمل ہم آہنگی اور توازن برقرار تھا۔ انہوں نے خود زندگی میں نئی روح پھونکی تھی۔ بیماری کے دوران بھی آپ

ؒ نے کبھی نماز ترک نہیں کی۔ ڈاکٹروں کے مشورے کے برعکس آپؒ ہرروز ہزاروں معتقدین سے ملاقات کرتے جب آپؒ کو ڈاکٹروں کے مشورے یاددلائے جاتے تو آپ فرماتے ''آپ کو میری فکر ہے اور مجھے میرے مہمانوں کی۔ نہ جانے وہ کتنی تکلیف اٹھا کر یہاں تک پہنچتے ہونگے۔'' وہ بھوکے پیاسے یہاں تک کیسے پہنچے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے ''اے دنیا والو! تم اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' گولڑہ شریف کے درودیوار آج یہ پکار پکار کے ہم سے سوال کرتے ہیں ''بابو جیؒ کی کون کونسی مہربانیوں کو یاد کرو گے؟'' آخر کار آپ 22 جون 1974ء بمطابق 2 جمادی الثانی بروز ہفتہ بوقت 11 بجے شب اپنے رب سے جا ملے۔ یہ ہیں وہ ہستی جنہیں غریب نواز، بندہ نواز اور انسانیت نواز کے ساتھ ساتھ اللہ اللہ کرنے والی روح کہہ سکتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

حضرت بابو جیؒ کے وصال کے وقت کرنل ڈاکٹر محمد شفیع، میجر ڈاکٹر شہاب الدین، کرنل ڈاکٹر آصف، راجہ غلام سرور، عبدالرزاق، ملک غلام ربانی اور پروفیسر اسماعیل سیٹھی آپؒ کے پاس موجود تھے۔ آپؒ کے صاحبزادے سیّد غلام معین الدینؒ اور شاہ عبدالحق جو ہسپتال کے باہر میدان میں موجود تھے فوراً اندر کمرے میں آ گئے آپ کے جسدِ پاک کو گولڑہ شریف لے جایا گیا۔ مولانا فیض احمد ، مولانا عبدالرزاق ، ملک غلام ربانی، راجہ غلام سرور اور مولانا اللہ بخش نے بابو جیؒ کے جسد پاک کو غسل دیا بعد ازاں اسے گھر لے جایا گیا اس کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔

23 جون کا عجیب سماں

موسمی اعتبار سے پاکستان میں 23 جون کا دن گرم ترین دنوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اُس دن بھی بے انتہا گرمی تھی اور جھلسانے والی دھوپ پڑ رہی تھی۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کا رنگ بدل گیا اور ساتھ ہی موسم کا سماں بدل گیا۔ آسمان پر گھنے بادل چھا گئے اور ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہوگئی۔ موسم یکا یک خوشگوار ہوگیا اور موسم کی اس اچانک تبدیلی نے لوگوں کو تشکر آمیز حیرت میں ڈال دیا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور موسم کی شدت، گرمی اور پیاس کا احساس یکسر جاتا رہا حاضرین اپنے ذاتی احساسات بھول کر بابو جیؒ کی جدائی کے خیالوں میں کھو گئے۔

"مُسافرِ چند روزہ" کا سفرِ آخرت

جہاں بابو جیؒ کے عقیدت مند غم سے نڈھال ہو رہے تھے' وہاں آسمان بھی سوگوار تھا وہ بھی آنسو بہار ہا تھا۔ اُس دن گولڑہ شریف کا ذرہ ذرہ ماتم کناں تھا۔ شجر و حجر' چرند و پرند' مرد و زن سب کے سب مل کر آنسو بہا رہے تھے۔ پوری کی پوری فضا سوگوار تھی۔

بابو جیؒ جیتے جی بندوں پر مہربان ہوئے تھے۔ آج ان کی روح اپنے پیارے بندوں پر' اپنے سوگواروں پر مہربان ہوگئی اور انہیں بے پناہ گرمی کی صعوبت سے بچالیا۔ جب اکثریت اس قسم کی کیفیت کا مشاہدہ کرے جو عام طور پر انسانی سمجھ سے بالاتر ہو تو یہ کوئی راز کی بات نہیں رہتی بلکہ ایک واضح حقیقت اور صداقت بن جاتی ہے۔

جنازے کے دوران ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا چڑیوں' اور پرندوں کے غول کے غول جن میں ابابیل بھی شامل تھیں بابو جیؒ کے تابوت کے اوپر فضاؤں میں چیختے چلاتے اڑتے ہوئے گذر گئے۔ ان پرندوں نے بھی اپنا سوگ منایا اور یوں لگ رہا تھا گویا وہ بھی جنازے میں شرکت کیلئے آئے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ پرندے کہاں سے آئے اور پھر کہاں چلے گئے۔ جو لوگ بابو جیؒ کے پیروکار نہیں تھے انہوں نے بھی اس صورت حال پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ان کی عظمت کا اعتراف کیا۔ ہزاروں لوگوں نے بابو جیؒ کے روحانی مرتبے کو محسوس کیا اور سب پر آپؒ کی کرامت افشا ہوگئی۔

بابو جیؒ کے تابوت کو مہمان خانہ نمبر ا کے صحن میں رکھا گیا۔ عقیدت مند بڑے گیٹ سے داخل ہو کر تابوت کے قریب سے گذرتے ہوئے اپنے محبوب مرشد کا آخری دیدار کر کے گذر جاتے۔ جناب سید عبدالقادر گیلانیؒ جو پاکستان میں عراق کے سفیر رہ چکے تھے نے بابو جیؒ کی نماز جنازہ کی امامت کی۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے ہزاروں افراد نے گولڑہ شریف آ کر نماز جنازہ میں شرکت کی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر بابو جیؒ کی رحلت کی خبر نشر کی گئی۔ اتوار کی تعطیل کے سبب ان گنت لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور بابو جیؒ کو عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔

نماز جنازہ کے بعد بابو جیؒ کے جسد پاک کو اپنے والد بزرگوار حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ کے روضہ مبارک میں آپؒ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

ہر گز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

یعنی وہ انسان کبھی نہیں مرتا جسکے دل میں عشق الہٰی موجود ہو ایسے شخص کے وجود کو ہر جگہ محسوس کیا جا سکتا ہے اور وہ موت سے فنا ہونے کی بجائے زمانے میں نقش دوام بن جاتا ہے۔

والد بزرگوار کے احترام اور پاس ولحاظ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بابو جیؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کا مرقد انوار، والد محترم کے مرقد انوار سے نیچا رکھا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

ہر نقش را کہ دیدی جنبش ز لا مکانست

گر نقش رفت غم نیست اصلش چو جاوِ دانست

یعنی اس دنیا میں ہر وہ نقش جو ہم دیکھتے ہیں اس کا اصلی نمونہ لا مکاں میں موجود ہوتا ہے اگر دنیا والا نقش مٹ جائے اس کا کوئی غم نہیں کیونکہ اس کا اصل نقش موجود ہے جو انمٹ اور لا فانی ہے۔

خراج عقیدت

بابو جیؒ کی رحلت کے موقع پر دنیا بھر سے شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کئے گئے۔ ہندوستان کے آکاش وانی ریڈیو اسٹیشن سے بابو جیؒ کو ''جگت پیر'' (پوری دنیا کے پیر) کہہ کر نہایت پر جوش الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا اور یہ بات نشر کی گئی کہ اگر بابو جیؒ کی طرح کی ایک شخصیت ہندوستان میں پیدا ہوتی تو یہاں کے لوگوں میں زبردست اتحاد ہوتا۔ ہر مذہبی پیروکار نے بابو جیؒ کے لئے اپنے دلی محبت اور احترام کا اظہار کیا۔ آپؒ کی شخصیت اس قدر دلنواز تھی کہ ہر ذی شعور انسان اسے پسند کرتا اور اُن کی عزت کرتا تھا۔

شورش کاشمیری کے الفاظ میں ''بابو جیؒ پاکستان کے حسرت آیات دنوں میں روشنی کا مینار تھے'' آپؒ کی شخصیت روحانیت کی ایسی قندیل تھی جس نے اپنی ضیاء سے شش جہات کو لازوال اجالا بخشا۔

بابو جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مسلمان حضور پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں تو ان کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ آپؒ تلقین فرماتے کہ اللہ کے ساتھ لو لگانا چاہیے اور یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا رشتہ جوڑیں۔ جیسا کہ رومیؒ فرماتے ہیں۔

حضرت سیّد عبدالقادر گیلانیؒ اور حضرات لالہ جی صاحبان
حضرت قبلہ بابو جیؒ کی نمازِ جنازہ میں۔

شرکائے جنازہ کا ہجوم

ہر درختے کو نہ دارد میوہ حبِ نبیؐ

اصلِ او راسر بسر با تیشہ ہا باید زدن

یعنی وہ درخت جو حبّ نبیؐ کا پھل نہیں لاتا، اسکو کاٹ دینا ہی بہتر ہے اب اسکو اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ بابو جیؒ سراپا محبت تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے باشندوں نے بابو جیؒ کی المناک رحلت کی خبر سن کر حرم شریف میں فاتحہ خوانی کی۔ دنیا بھر سے تعزیتی پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ جن کا یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ البتہ ذیل میں بعض پیغامات بھیجنے والے حضرات کے اسمائے گرامی لکھے جاتے ہیں۔

اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو، میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی پاکستان، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ایئر مارشل اصغر خان، نواب زادہ نصراللہ خان، چوہدری ظہور الٰہی ایم این اے، مولانا مفتی محمود، خان عبدالولی خان، پروفیسر غفور احمد، مولانا شاہ احمد نورانی، پیر صاحب دیول شریف، مولانا ابوالبرکات، علامہ محمود احمد رضوی، خواجہ عبدالرحیم، معروف شاعر احسان دانش اور دوسرے سینکڑوں افراد نے تعزیتی پیغامات بھیجے۔

شورش کاشمیری نے اپنے ذیل کے اشعار میں بابو جیؒ کے لیے روح پرور عقیدت کا اظہار کیا ہے:

ان کا وجود آئینہ رب ودود تھا

میر اممؐ کے عشق کا عنواں چلا گیا

یعنی ان کا وجود آئینہ خداوندی تھا۔ اور دوسری طرف عشق رسولؐ کا مجسم نمونہ تھے آج دنیا سے پردہ کر گئے۔

چمنے کہ تا قیامت گل اُو بہار بادا

صنمے کہ بر جمالش دوجہاں نثار بادا

ایک ایسا باغ، قیامت تک جس کے گل بوٹے بہار بداماں رہیں اور وہ ایک محبوب و دل آویز شخصیت جس کے حسن و جمال پر دوجہاں قربان ہوں۔

ستائیسواں باب

صَلِّ علیٰ -- صَلِّ علیٰ

بابو جیؒ مجسم نیکی، مجسم کمال

وقت اپنا راستہ آہستہ آہستہ خود متعین کرتا ہے۔ دن راتوں میں اور راتیں دنوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور یوں وقت کا یہ کارواں رواں دواں رہتا ہے لیکن اس تبدیلی کے پیچھے ایک تخلیقی قوت کارفرما ہوتی ہے۔ جو محض اس تغیر و تبدل میں مصروف نہیں ہے۔ بلکہ اس نے چاہا کہ اپنی قدرت کو ظاہر کرے اور اس کے لیے اس نے انسان کو منتخب کیا۔ انسان نے ''قدرت'' کی صفات کو اپنایا اور اپنے آپ کو اس ''قدرت'' کا نمونہ بنا کر پیش کیا اور یہی انسان کا اصل منصب ہے۔ اس قسم کے انسانوں کو اس ''ذات'' نے اپنے نور سے منور کیا ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا میں دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں اور اپنے پیچھے لازوال روحانی اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ مصلحین اور نجات دہندہ ہوتے ہیں اور اپنی زندہ مثال چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک ہستی بابو جیؒ کی تھی۔ جنہوں نے اپنے گوناگوں فرائض کو کبھی نہیں بھلایا۔ اپنی ولادت کی ساعت سے لے کر بابو جیؒ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی یاد میں گذارا۔ آپؒ چاہے گھوڑے پر سوار ہوتے یا اپنے کمرے میں تشریف فرما ہوتے ہمیشہ یادِ الٰہی میں منہمک رہتے۔ آپؒ کے ساتھ پیر مہر علی شاہؒ کی پدرانہ توانائی اور روحانی پیشوائی شاملِ حال تھی جس کی وجہ سے آپؒ نے بلاشبہ کمال کا درجہ حاصل کر لیا۔

جذبہ اور ذوق و شوق اپنے عملی اظہار کے بغیر اپنا مدعا حاصل نہیں کر سکتا۔ محض الفاظ سے کام نہیں چلتا۔ اس کے لئے عمل کی ضرورت پڑتی ہے۔ عمل کیلئے سیدھی راہ متعین کرنے کیلئے سچے جذبے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور انسانیت کا جذبہ سب سے سچا جذبہ کہلاتا ہے۔ اور اسی جذبے نے بابو جیؒ کو سب سے بڑھ کر توانائی بخشی۔ بطور ایک فرماں بردار صاحبزادے کے، بطور ایک شفیق باپ کے، یا ایک روحانی پیشوا کے آپؒ ہر سطح پر بندہ نواز اور انسانیت نواز نظر آئیں گے۔ جس ڈسپلن کی تربیت آپؒ کو بچپن میں دی گئی تھی۔ آپؒ نے اپنی ساری زندگی اس کی پیروی میں گذار دی

ایک انتہائی فرمانبردار اور مودب بچے کی حیثیت سے بابو جیؒ نے اسلامی قوانین کی پیروی کی جو تمام آنے والی نسلوں کے لئے بنائے گئے تھے۔ اپنی زندگی کے نظم وضبط میں بابو جیؒ نے اپنی حاصل شدہ تربیت پر پوری طرح عمل کیا۔ مشہور اساتذہ اور فاضل علماء کی رہنمائی میں بابو جیؒ نے سماجی اور اخلاقی آداب کے وسیع پہلوؤں پر اچھی طرح گرفت حاصل کر لی۔

زندگی سماجی ذمہ داریوں، عوامی زندگی کے تقاضوں اور اخلاقی اور روحانی ذمہ داریوں کے درمیان توازن کا نام ہے۔ یہ بات ظاہری طور پر نہایت سیدھی سادی نظر آتی ہے۔ لیکن اس پر عمل بہت کٹھن ہے۔ انسان اگر روحانی معاملات کی جستجو جاری رکھے لیکن اپنی خانگی زندگی میں ناکام ہو تو وہ بے اثر ہو جاتا ہے۔ بابو جیؒ نے نہایت اعلیٰ طریقے سے اپنی روحانی اور دنیاوی دونوں ذمہ داریاں پوری کیں۔ بابو جیؒ دنیاوی شان وشوکت اور لفظ ''صاحبزادہ'' کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور اپنی سماجی اور اخلاقی ذمہ داریاں پوری کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ وہ بیک وقت اپنی مختلف طرح کی ذمہ داریاں اتنے احسن طریقے سے نبھا رہے تھے کہ زندگی ان پر ناز کرتی تھی۔ وہ ایک ایسا وجود تھے جنہوں نے انسانیت کو وقار عطا کیا۔

وہ اپنی نجی اور عوامی زندگی دونوں میں شریعت کی پابندی کا کامل نمونہ تھے۔ وہ گھر میں اپنے بیٹوں اور پوتوں کی رہنمائی اور ان کی آئندہ نسل کی تربیت عین اسی طریقے سے کرتے تھے جو انہوں نے اپنے والد محترم پیر مہر علی شاہؒ سے حاصل کی تھی۔ وہ عام آدمی کی فلاح کا خیال کرتے، لنگر کی سرگرمیاں جاری رکھتے، لوگوں کی روحانی ضروریات پوری کرتے، پنجگانہ نماز کے ساتھ وظائف ادا کرتے، اپنے ہمسایوں کا خیال کرتے، دوسروں کی طرف سے ہونے والے مظالم کو معاف کر دیتے، بابو جیؒ کی زندگی وسیع سرگرمیوں پر مشتمل تھی۔ اور وہ یہ تمام سرگرمیاں شریعت کے مطابق سرانجام دیتے تھے۔

صوفیائے کرام اپنی ذاتی زندگی کے معاملات سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ انبیاء اور روحانی پیشواؤں کے لئے عام آدمی بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ذاتی خواہشات پس پشت چلی جاتی ہیں اور مرید پر توجہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ بابو جیؒ کے لئے وہ تمام افراد جو گولڑہ شریف آتے تھے حضرت

غوث پاکؒ کے مہمان تھے اور گرمجوش مہمان نوازی کے حق دار تھے۔ بابو جیؒ ان کی فلاح کا خیال کرتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کی شادیوں اور جنازوں میں شرکت کرتے، ان کے مسائل حل کرتے، ہر وقت ملاقات کے لئے وقت دیتے اور نہایت کھلے دل سے تمام آنے والوں کی تواضع کرتے خواہ ان کا کسی قوم، رنگ یا مذہب سے تعلق ہو۔ غریب اور ضرورتمند لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے آپؒ آیات کریمہ اور وظائف کا ورد بھی جاری رکھتے۔ آپؒ نے اس طرح سے انسان کی اندرونی اہلیت کا عملی اظہار کیا کہ کس طرح انسان روحانی اور سماجی تقاضوں کے درمیان توازن قائم رکھ سکتا ہے۔ ایک انسانِ کامل جو سنت اور شریعت کا مکمل نمونہ ہو کیسا ہوتا ہے۔ بابو جیؒ نے حضور نبی کریم ﷺ کا راستہ اختیار کیا اور ان کا اس حد تک اتباع کیا کہ فرد اور اس کے عمل میں فرق کرنا ممکن نہ رہا۔ وہ کسی ایک سنت کسی ایک چھوٹے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ وہ لوگ بھی جو حضرت بابو جیؒ سے اختلاف کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت بابو جیؒ کے عشقِ اور شریعت سے والہانہ محبت کی غیر متنازعہ علامت کے طور پر قدر و قیمت کا بہ آواز بلند اقرار کرتے تھے۔ بابو جیؒ بے انتہا محبت کے مالک تھے جو شخص بھی ایک دفعہ بابو جیؒ سے مل لیتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ بابو جیؒ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

پست و بالا، امیر و غریب، قریب یا دور ہر طرح کے افراد سے بابو جیؒ سخاوت، محبت، رحم دلی اور خلوص سے پیش آتے۔ اور کسی میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ وہ عشق مجسم تھے۔ اپنی سخاوت اور ہمدردی سے سب کو مالا مال کرتے تھے۔

وہ ایک اعلیٰ درجے کے منتظم تھے۔ لنگر، عرس کے انتظامات، گھریلو ذمہ داریاں وہ سب کی طرف ذاتی توجہ دیا کرتے تھے۔ بابو جیؒ مزار شریف پر حاضری دینے والے لوگوں کی بھلائی کی طرف خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ تھکے ہوئے، غریب اور دکھی انسانوں کو وہ بہت شفقت سے نوازتے تھے۔

اپنے لڑکپن کے زمانے میں ایک فقیر کا روپ دھار کر بابو جیؒ ایک ایک در پر دستک دیتے تھے اور روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے اکٹھے کیا کرتے تھے۔ اس طرح سے وہ اپنی روح کی تربیت کرتے تھے اور غربت اور اس سے متعلقہ مسائل سے آگاہی حاصل کرتے تھے۔ اس طرح سے

بابو جیؒ کو نہ صرف سماجی تضادات سے واقفیت ہوتی تھی بلکہ غربا کی مدد کا راستہ بھی سامنے آ گیا۔

بابو جیؒ کا مدینہ شریف کا ہر سفر ایک الگ باب ہے۔ بابو جیؒ کے زرّیں اعمال میں مکہ اور مدینہ کے ضرورتمندوں میں پیسے تقسیم کرنا، غریبوں کے قرضے ادا کرنا اور مدینہ شریف کے فرش کی صفائی کرنا شامل تھے۔

حالت سفر میں آپؒ اچھے طریقے سے وقت گزارتے تھے۔ آپؒ نے مدینہ شریف، بغداد شریف، اجمیر شریف، افغانستان اور دوسرے لاتعداد مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی اور لوگوں کے دلوں پر ایسا دلکش اثر چھوڑا کہ اس بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان سفروں کے درمیان روحانی شوکت اپنے عروج پر ہوتی تھی۔ اور سماجی اور اخلاقی تمام ذمہ داریاں پوری کی جاتی تھیں۔ آپؒ بیماروں کی عیادت کرتے، انہیں دوائیاں مہیا کرتے اور ان کی ضروریات کا خیال کرتے۔ وہ کبھی معمولی چیزوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔

قومی یکجہتی کے لئے بابو جیؒ کی محبت اور تحریک پاکستان میں اسلام کے نام پر آپؒ کی مکمل شرکت آپ کے اس جذبہ محبت کا اظہار ہیں جو آپؒ کے دل میں مذہبی پہچان اور سماجی بہتری کے لئے تھا۔ مساوات اور رحم پر مبنی انصاف آپؒ کیلئے نشان راہ تھا۔ اسلام کو وہ آخری پناہ گاہ اور پاکستان کو انتہائی مقصد سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ اسلام کو پاکستان کو متحد رکھنے والی قوت سمجھتے تھے۔

انسانی اقدار پر عمل کرنا ان کی تبلیغ کرنے پر فوقیت رکھتا ہے۔ آزادی کو برقرار رکھنا اور انسانی حقوق کی پاسداری کرنا نہایت اہم ہے۔ طاقت اور سیاست کسی نظریے کے فیصلہ کن جوابات نہیں ہیں۔ آزاد انسان جنہیں بنیادی حقوق مہیا ہوں، دائمی قومی اور بین الاقوامی مسائل کا حل ہیں۔

بابو جیؒ ان تمام ذمہ داریوں کو بطور احسن پورا کرتے رہے جو لوگوں کی طرف سے ان پر عائد ہوتی تھیں۔ اور ہمیشہ ان کی توقعات پر پورا اترتے رہے۔ یعنی معاملات کی حد تک لوگوں کے تمام حقوق پورا کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے حقوق آتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی مکمل طور پر پیروی کرنا۔ اور یہ سمجھنا کہ ان میں کسی قسم کی چھوٹ یا رعایت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک مکمل دین عطا کیا ہے اور اس دین کو اس کے رسول ﷺ نے دنیا

والوں تک پہنچایا ہے۔ اور اس کا نام دین اسلام بتایا ہے۔ جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو شخص اس ضابطہ حیات کو اپنائے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ فلاح پائے گا۔ بابو جیؒ نے اسی ضابطہ حیات کو اپنایا اور اس پر سر بسر عمل کیا اور ایک کامل نمونہ بن کر سامنے آئے۔ آپؒ لوگوں کے لئے آخری امید کی حیثیت رکھتے تھے۔ کیونکہ آپؒ نے اپنے جسم کو مسخر کر کے اپنی روحانی خودی کو سنت اور شریعت کی تعلیمات کے مطابق ڈھال دیا تھا۔ آپؒ ریا کاری کو ناپسند کرتے اور ایک بے لوث دینی جذبے کے ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کیلئے بے تاب رہتے تھے۔ آپؒ کا ہر قول ہر فعل صرف رضائے الٰہی کے جذبے کے تحت کارفرما ہوتا۔ آپؒ کی جبین پر جو نور چمک رہا تھا وہ نورِ الٰہی تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپؒ کے پسماندگان پر اس کی رحمتوں کی بارش ہو۔ کیونکہ وہ بھی اس راہ پر گامزن ہیں جس پر آپؒ زندگی بھر چلتے رہے اور جس راہ پر چلنے کیلئے آپؒ نے ان کو تلقین فرمائی۔

آنکھیں آج بھی انہیں سادہ لباس پہنے ہوئے باوقار انداز میں مجلس خانہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ سکتی ہیں۔ عقیدت مندوں کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں ان کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ بابو جیؒ ''روحِ مسرت'' تھے۔ اُن کا آنا جانا' اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' قول و فعل ایک پابند شریعت اور عاملِ سنت نبویؐ کے مظہر کا سا تھا۔ وہ سرتاپا وقار ہی وقار تھے۔ انہوں نے اپنی ہر ہر ادا سے حقِ بندگی ادا کر کے دکھا دیا۔ عزت نفس اور ضبطِ حال ان کے قابلِ رشک اوصاف تھے۔ سیاسی اقتدار اور دنیاوی جاہ وجلال ان کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ ان کا اصل سرمایہ ان کا کردار اور انسانی اقدار تھیں اور ان کا مایہء افتخار اللہ اور اللہ والوں کی محبت تھی جن میں سرفہرست حضورِ سرورِ کونینؐ اور تاجدارِ بغدادؒ تھے۔

وہ ایک ایسے حسین رعنا تھے جن میں تمام اوصاف حمیدہ سمائے ہوئے تھے۔ وہ حُسنِ صورت وسیرت کا مرقع اور خوبیوں کا سرچشمہ' ایک انسان کامل تھے۔ لفظ ان کے کمالات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اُنس و محبت' خلوص' سخاوت' سادگی' وقار' حقیقی دوستی اور وسعتِ قلب ونظر' رحم' عفو' مروت' عظمتِ خیال وفکر' روحانی رفعت وبالیدگی اور دل وذہن کی تمام تر خوبیوں سے مزیّن وہ ایک عدیم المثال شخص تھے۔ انہیں حضرت غوث پاکؒ کی توجہ اور سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ کی تربیت نے

سنوارا تھا۔ وہ دلوں کے فاتح اور سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تقدس مآب، بے لوث اور شفیق و مہربان کردار کے مالک تھے۔ وہ خود غرضی، ریاکاری اور دکھاوے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ان کی ہر کوشش حصولِ رضائے الٰہی کی جستجو کیلئے تھی اور ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو زمانے کے دلوں پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کرتے ہیں۔

اٹھائیسواں باب

جانشین

بابو جیؒ نے اپنی زندگی میں دونوں صاحبزادوں سیّد غلام معین الدینؒ اور سیّد شاہ عبدالحق کو مکمل دینی تعلیم وتربیت اور روحانی ڈسپلن سے روشناس کیا۔ چنانچہ انہوں نے آپؒ کی رحلت کے بعد وہ تمام فرائض سنبھال لئے جو آپؒ نے ان کے سپرد کئے تھے۔

حضرت سیّد غلام معین الدینؒ نے جناب اسماعیل سیٹھی کو بتایا کہ ایک مرتبہ وہ بابو جیؒ کے ساتھ کار میں پشاور جارہے تھے تو آپؒ نے ہدایت فرمائی کہ اگر کوئی شخص خود بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کرے تو اسے بیعت کرلیا کریں، لیکن اپنی طرف سے کسی سے بیعت نہ لیں ورنہ اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ سیّد غلام معین الدینؒ نے مزید کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ بابو جیؒ سے عرض کریں کہ ایسے شخص کی ذمہ داری وہ لیں۔ لیکن وہ خاموش ہو گئے کہ کہیں بابو جیؒ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بابو جیؒ کی نقل کررہے ہیں کیونکہ جب حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے بابو جیؒ کو بیعت لینے کیلئے ہدایت فرمائی تھی تو آپؒ نے اپنے والد محترم پیر مہر علی شاہؒ سے بیعت کی ذمہ داری لینے کی درخواست فرمائی تھی۔

ایک مرتبہ گجرات سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے بابو جیؒ سے درخواست کی کہ آپؒ سیّد شاہ عبدالحق سے فرمائیں کہ وہ اسے بیعت میں لے لیں۔ بابو جیؒ نے اس شخص کی سفارش کی لیکن سیّد شاہ عبدالحق نے معذرت طلب کرلی۔ چنانچہ بابو جیؒ نے اس شخص کے ہاتھ کو سیّد شاہ عبدالحق کے ہاتھ پر رکھ کر اپنا ہاتھ مبارک دونوں کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور یوں بیعت کرا دی۔ چونکہ دونوں صاحبزادوں کے دلوں میں والد بزرگوار کے لیے بے پناہ محبت تھی۔ احترام کے سبب وہ بیعت لینے سے گریز کرتے تھے۔ بابو جیؒ کی رحلت کے بعد پاکستان میں عراق کے سفیر سیّد عبدالقادر گیلانی گولڑہ شریف تشریف لائے اور حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے روضہ اقدس پر دونوں صاحبزادوں سیّد پیر غلام معین الدینؒ اور سیّد شاہ عبدالحق کی بطور روحانی جانشینوں کی جُبہ پوشی کے فرائض انجام دیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سجادہ نشین درگاہ غوثیہ مہریہ حضرت پیر سیّد شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی

انتیسواں باب

بابو جیؒ کے مکتوبات سے اقتباسات

بابو جیؒ نے وقتاً فوقتاً اپنے پیروکاروں، رشتہ داروں دوستوں اور علمائے کرام کو جو خطوط تحریر کئے تھے ان کے مطالعہ سے آپؒ کے دینی افکار اور گہرے جذبات و احساسات کا سراغ ملتا ہے۔ ان خطوط کے ذریعے آپؒ نے اسلامی تعلیمات کا درس بہم پہنچایا اور عقیدت مندوں اور پیروکاروں کی طرف سے خطوط میں کئے گئے سوالات کے جوابات قرآن و سنت، فقہ اور منطق کی روشنی میں دیئے۔ آپؒ کے خطوط سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپؒ کو اللہ تعالیٰ حضور پاک ﷺ حضرت غوث پاکؒ مولانا رومیؒ حضرت پیر مہر علی شاہؒ حضرت مدنی صاحبؒ، اہل خانہ اور اپنے عقیدت مندوں سے کس قدر دلی محبت اور انسیت تھی۔

بابو جیؒ کے مکتوبات سے چند ایک کے اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ آپؒ کے خطوط اور مکتوبات کا بنیادی فلسفہ حب الٰہی ہے جس کے عناصر ترکیبی یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور وہ لافانی ہے۔

(۲) اسلام کے بنیادی ارکان پر ایمان لانا اور ان پر عمل کی تلقین کرنا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور رحم کرنیوالا ہے۔ اور بندوں کو چاہیے کہ اُسے اپنی محبت و عقیدت کا مرکز بنائیں۔

یہ ہیں وہ بنیادی تصورات جنہیں بابو جیؒ کے مکتوبات کی روح سمجھا جا سکتا ہے۔

بمصداق:۔ یا یھا الذین آمنوا اذکُر اللّٰہ ذکرا کثیرا وسجوہ بکرۃ و اصیلا

(پارہ۲۲۔ سورۃ الاحزاب۔ آیات ۴۲۔۴۱)

یعنی ''اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح (تقدیس) کرتے رہو''۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے احکامات پر عمل کریں اور وہ کہتا ہے کہ میرے پیارے نبی محمد ﷺ کی اطاعت کرو یہی میری اطاعت ہے۔ توحید و رسالت کے

بعد اللہ سے محبت ایک ایسا زینہ ہے جو انسان کو معراج تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ ہمیشہ سے ہے اور رہے گا، اس لئے عشق الٰہی کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بابو جیؒ کا منشا بھی یہی ہے۔

از محبت مسہا زرّیں شود
وز محبت تلخہا شیریں شود
از محبت شاہ بندہ مے شود
وز محبت مردہ زندہ مے شود

یعنی روحانی محبت ایسی طاقت ہے جس کے ذریعے تانبے کو سونے میں اور کڑواہٹ کو مٹھاس میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ بادشاہ کو بندے کی عاجزی وانکساری عطا کرتی ہے اور مُردوں کو جلا بخشتی ہے۔

(خط بنام مادام سارہ اقچہ (ترکی) مورخہ 17 جولائی 1964ء)

عالم تصور بہت شاندار ہوتا ہے۔ اس میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی گئی۔ ہر شے انسان کیلئے بنائی گئی اور انسان کو اللہ کی محبت کیلئے بنایا گیا۔ جس انسان کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہے وہ جانور کی طرح ہے۔ پریشانی، بیماری اور مایوسی عارضی حالات ہیں جو تبدیل ہو سکتے ہیں ان کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے دل کو اللہ کے ساتھ لگاؤ اور اسمیں کسی دوسرے کو داخل نہ ہونے دو۔ جس دل میں ایمان کامل ہوتا ہے وہاں شیطان وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آپ اللہ کے ساتھ لو لگائے رکھیں۔

یفعل اللہ ما یشاء چوں خواندہ ای
پس چرا در فکر حیراں ماندہ ای

یعنی جب تم نے یہ بات پڑھ لی ہے کہ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے تو پھر پریشانی کس بات کی، اس لئے اپنے مسجود یعنی اللہ کو کسی حالت میں نہیں چھوڑنا ہے۔

لنگ و لوک وخفتہ شکل و بے ادب
سوئے او می تاز و اُو را می طلب

یعنی تم اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ چاہے تم لنگڑے ہو، بے ادب ہو، بدشکل ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ''میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جن کے دل میری خاطر توڑے گئے''۔

اللہ تعالیٰ کسی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ رات کے وقت وضو کرو۔ اور انا اعطینا ک الی آخر یعنی سورۃ کوثر کی تلاوت کرو اور پڑھنے سے قبل درود شریف پڑھو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات قادرِ مطلق ہے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ہر وقت شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنے اندر اپنی کم مائیگی کا احساس پیدا کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے (انا عندظن عبدی) یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ رہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ رزاق ہے وہ ہر ایک کو روزی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ (علی اللہ رزقھا)

دنیاوی ملازمت ختم ہوسکتی ہے۔ دنیا والے روزی کا سلسلہ بند کر دیتے ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں کو ہمیشہ روزی فراہم کرتا رہتا ہے۔

''ان الذین تعبدون من دون الله لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند الله الرزق''

(پارہ ۲۰۔ سورۃ العنکبوت۔ آیت۔ ۱۷)

''تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو''۔

انسان کو نیک اعمال محض ثواب (صلہ) کی خاطر نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کیلئے کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ مہربان اور بے نیاز ہے اور ہم محتاج ہیں۔ اگر اللہ کی رحمت صرف عبادت گذاروں کیلئے ہوتی تو شیطان سے بڑھ کر عبادت گذار کون تھا۔ اس طویل سفر پر بلاخوف چل پڑیں اور اللہ سے رحم کی امید رکھیں۔ اسطرح آپ شیطان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

(خطوط بنام کرنل عبدالغفار خان 16/12/67/64/65)

اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس میں انسان کی بھلائی ہوتی ہے۔ اللہ کل جہانوں کا بادشاہ ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

ملک ملک اوست او خود مالک است
غیر ذاتش کل شیٔ ہالک است

(شیخ عطارؒ)

بادشاہی اللہ ہی کی ہے جو ہر چیز کا مالک ہے۔ اُس کی ذاتِ پاک کے علاوہ باقی ہر چیز مٹ جانے والی ہے۔

وہ جس کو چاہے، بلاسبب، نواز دے۔ اور بے شمار عطا کرے

نیاوردم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیز و من چیزے تست

(سعدیؒ)

میں اپنے گھر سے یا اپنے پاس سے تو کچھ بھی نہیں لایا۔ اے میرے مالک و پروردگار میرے پاس جو کچھ ہے وہ تیرا ہی دیا ہوا ہے اور میں خود تیری چیز ہوں یعنی تیرا بندہ ہوں۔

ہیچ کسے بخویشتن رہ نبرد بسوئے او

بلکہ بہ پائے او رود ہر کہ رود بسوئے او

کوئی شخص از خود اُس کے راستے پر نہیں چل پڑتا بلکہ اُس کے پاؤں اُس طرف اٹھوائے جاتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص تعلق کی نسبت سے اللہ کی جانب ایک انچ بڑھتا ہے۔ اللہ اس کی جانب ایک گز بڑھتا ہے۔ انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اسے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور جب اللہ کے راستے پر چل نکلیں تو پھر کسی رہزن سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

انسان اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ مسافر کو سفر کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔

اُس کی طرف سے حضوری ایک پاکیزہ، صحیح رشتے اور دلی وابستگی پر منحصر ہے۔ ہر کسی کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ وہ تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ یہ بے چینی اور شدید محبت اس کی طرف سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ کبھی اپنے بندوں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔

(خط 8/1/1966)

ہر چیز کے متعلق غور و فکر کرتے رہو۔ قدرت خداوندی کے حسن و جمال کو دیکھو اور ان سے سبق سیکھو۔ ہمیشہ باامید رہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے وہ ہماری بدخواہی نہیں چاہتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اسمیں ہماری بھلائی ہوتی ہے اگرچہ بظاہر اس میں ہمیں نقصان نظر آتا ہے۔

مشکل کی اس گھڑی میں ایسا کون ہوگا جو پاکستان کی کامیابی اور سالمیت کے لیے دعا نہیں کرتا ہوگا۔ اس قادر مطلق کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاکؐ اور اپنے نیک بندوں کے صدقے میں ہم پر اپنا کرم فرمائے وہی ہمارا حامی و ناصر ہے۔ مسئلہ کشمیر شدت اختیار کر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو فتح مبین عطا فرمائے۔ ہم اسی کے ہی بندے ہیں ہمیں اس کی رحمت سے مانگنا چاہئے۔

ان دنوں با آسانی حاصل ہونے والی خلافتوں کا بڑا چرچا ہے خدا ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری زندگی کا انجام ایمان کے ساتھ ہو۔ (خط **21/12/70**)

مجھے پیری مریدی کا کوئی شوق نہیں میں کبھی نہیں سوچتا کہ لوگ میرے مرید ہیں میں اپنے آپ کو سب کا ساتھی اور سنگی سمجھتا ہوں میں تو صرف اپنے حضرتؒ (مرشد) کا حکم مان رہا ہوں۔

ہتھ کار ول، دل یار ول

یعنی دنیاوی فرائض کو بطریق احسن بجالاتے ہوئے دھیان ذات خداوندی کی طرف ہو۔

روزانہ ایک پارہ تلاوت کرو اس طرح مہینہ میں ایک قرآن ختم کر لو گے دین میں سختی نہیں ہمیشہ ایسا کام کرو جس میں آسانی ہو اور قابل برداشت ہو اللہ تعالیٰ ایسے چھوٹے عمل کو پسند کرتا ہے جس میں دوام ہو۔

(خطوط 17/1/62 اور 13/6/63 بنام کرنل عبد الغفار خان)

میں دوستوں کی شہادت کی خبریں سن رہا ہوں جس سے مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ انسان کو انسان ہڑپ کر رہا ہے۔ لوگوں نے وحشی جانوروں کی عادتیں اپنالی ہیں۔ انہیں نہ ہی اسلام سے کوئی غرض ہے اور نہ ہی غریبوں کے ساتھ کوئی ہمدردی' وہ اپنے لیے اقتدار کی کرسی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تمہیں پیسے اور اقتدار کا محتاج نہ بنائے۔

عزت اور ذلت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عزت بخش دے جسے چاہے ذلیل کر دے۔ روزمرہ کا مشاہدہ یہ بات ثابت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے کہ وہ نیک سفید پوش لوگوں کی بھلائی کر سکیں۔ یوم قیامت کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔

فااللّٰہ خیر حافظا وھوارحم الرٰحمین

(خطوط 2/4/71 اور 31/3/70)

ولنبلو نکم حتیٰ نعلم المجاھدین منکم والصابرین ونبلوا اخبار کم

(پارہ۲۶۔سورہ محمد۔آیت ۳۱)

یعنی اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تا کہ ہم ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں تا کہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں۔

تندرستی اور بیماری انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔پیغمبر، غوث، قطب اور اولیائے کرام بھی بیماری سے مستثنیٰ نہیں ہوئے بلکہ عام انسانوں کی نسبت انہوں نے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں ۔بیماری کسی گناہ کے سبب سے لاحق نہیں ہوتی ہے۔یہ بھی اللہ کی کرم نوازی ہے اور اس کے کئی طرح کے فائدے ہیں۔جب اللہ تعالیٰ اپنی محبت سے کسی کو نوازتا ہے تو وہ شخص اپنی تکلیفات اور مصیبتیں بھول جاتا ہے۔رومیؒ فرماتے ہیں امید ناامیدی سے پیدا ہوتی ہے جس طرح رات کا اندھیرا دن کی کڑکتی دھوپ سے پناہ دیتا ہے۔

بعد نامیدی بسے امیدہاست

زیر تاریکی بسے خورشیدہاست

نااُمیدی کے بعد کئی امیدیں پوری ہوجاتی ہیں اور تاریکیاں کئی سورج پنہاں رکھتی ہیں۔

شیخ عبدالقادر گیلانیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مومن کو اس کی قوت برداشت کے مطابق آزمائش میں ڈالتا ہے۔مومن کا ایمان جتنا پختہ ہوگا اس کی آزمائش بھی اتنی کڑی ہوگی۔رسول کی آزمائش نبی کی آزمائش سے بڑی اور نبی کی آزمائش غوث وابدال کی آزمائش سے بڑی ہوگی اور ابدال کی آزمائش ولی کی آزمائش سے بڑی ہوگی اس آزمائش سے انہیں اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔حضرت رابعہ بصریؒ کو جس دن بخار نہیں ہوتا تھا اس روز وہ زاروقطار رویا کرتیں۔

مااصاب من مصیۃالا باذن اللہ (پارہ۲۸۔سورۃ التغابن۔آیت ۱۱)

یعنی کوئی مصیبت بدون حکمِ خدا کے نہیں آتی۔

قدرتِ خداوندی کے نظام میں انصاف اور مہربانی ضرور موجود ہوتے ہیں۔ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی خامیوں کو معلوم کرکے اُن کا تدارک کریں اگر ہم پوری ایمانداری برتیں گے تو اللہ

ہماری مدد فرمائے گا۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (پارہ ۲۳۔الزمر۔آیت ۱۰)

یعنی مستقل مزاج والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔

(خطوط 26/10/66 اور 21/1/65)

وہی مالک حقیقی ہے اور اس کے خزانے لامحدود ہیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے تو آپ کی کس خوبی کی بنا پر رزق مل رہا تھا اپنے منفی خیالات کو ذہن سے ہٹا دو وہ ذات بغیر کسی صلے کے ہم کو سب کچھ عطا کرتی ہے اور ہر ایک کے لیے اپنا اپنا حصہ مقرر کیا ہوا ہے کوئی کسی کی روزی چھین نہیں سکتا آپ کو صرف اللہ کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے اس سے اسی کو مانگو۔

دل مکن از فکر باطل ہا سیاہ

از خدا غیر از خدا دیگر مخواہ

یعنی بیکار اور غلط خیالات سے اپنے دل کو آلودہ نہ کرو۔ اور اللہ سے اُس کے سوا کچھ اور نہ مانگو

(خطوط 31/10/65 اور 17/10/65)

توبہ کرنا اچھی علامت ہے یہ آپ کو حقیقی منزل کی جانب راستے پر لگاتی ہے۔ جو اس راستے پر چل نکلتا ہے وہ فلاح پاتا ہے۔

کفر کافر را و دیں دیندار را

ذرہ درد دل عطار را

کافر کیلئے کفر ہو اور دیندار کیلئے دین ہو مگر عطارؒ کے دل کو درد عطاء کیا جائے

توبہ دکھ درد اور اذیت برداشت کرنے سے روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے انہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ اس لئے اہل دل بھی درد کے طلبگار ہوتے ہیں۔

مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ اس کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی نیتوں سے باخبر ہے اور یہ کہ وہ ذات میرے ارادہ اور منصوبوں کو خوب جانتا ہے اور وہ مجھ سے بہتر میری مصیبتوں کو

دور کر سکتا ہے۔

کار ساز ما بہ فکرِ کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

میرے کارساز کو میرا کام بنانے کی فکر ہے۔ اپنے کام کیلئے میرا فکر کرنا اپنے آپ کو تکلیف دینے کے سوا کچھ نہیں۔

جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھا ہے وہی تم کو ملے گا تمہاری پرورش اور روزی کا دار و مدار تمہاری خدمت یا اور کسی چیز پر نہیں۔ صرف وہی ذات ہے جو ہم سب کا مرّبی ہے۔ گناہوں پر ندامت کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

مطلق پاکیزگی صرف اللہ کی صفت ہے۔ اگر اس دنیا میں کوئی گناہگار نہیں ہوگا تو اللہ کس کو بخشے گا اور کس پر رحم فرمائے گا۔ وہ رحیم ہے غفار و ستار ہے۔ قہار بھی ہے۔ اس پر ایمان رکھو۔ تصوف کی راہ میں امید اور خوف ایسی دو خوبیاں ہیں جن کے ذریعے انسانی روح اللہ کی طرف پرواز کر سکتی ہے۔

رومیؒ نے فرمایا ہے جان لو کہ خوف کی کیفیت وہ ہوتی ہے جس میں تم محفوظ ہوتے ہو اور امید (یعنی احساس تحفظ) کی کیفیت وہ ہوتی ہے جس میں آپ ٹھوکر کھا لیتے ہیں۔

(خط 24/1/65)

عید حقیقت میں ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اللہ کے ہو جاتے ہیں ان کے دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے وہ اس کے احکامات بجا لاتے ہیں اور دن رات اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

(خط 24/2/1963)

وہ لوگ جن کے والدین وفات پا چکے ہیں اگر ان کے پسماندگان اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کریں تو ان کی ارواح کو خوشی ہوتی ہے۔

(خط 17/1/1964)

نماز دین اسلام کا سب سے مضبوط ستون ہے۔ برائے مہربانی کلمہ شریف اور درود شریف

حضرات لالہ جی صاحبان قونیہ شریف (ترکی) میں۔ ساتھ میں پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی اور پیر سیّد غلام قطب الحق گیلانی (1986)

کا ورد ہمیشہ جاری رکھیں حضرت مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

عاشقی پیداست از زاری دل

نیست بیماری چوں بیماری دل

عشق کا وجود دل کے الحاح وزاری سے ہے اور دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں۔

دل کی آہ وزاری اور فریاد حب الٰہی کی نشانی ہے اور سب سے اشرف بیماری دل کی بیماری ہے۔ دل رب جلیل کا مسکن ہے۔ اس لیے دل کی بیماری سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں اور پوری کوشش رکھو کہ دوسری کوئی شے اس مسکن میں داخل نہ ہونے پائے۔ یہاں دل کی بیماری سے مُراد عشق میں مبتلا ہونا ہے۔ (بنام سارہ اقچہ 15/8/1964)

جسمانی طور پر میں یہاں ہوں لیکن ذہنی طور پر میں ہمیشہ مولانا رومیؒ کے مزار شریف میں موجود ہوتا ہوں اللہ تعالیٰ جلد وہ وقت لائے کہ ہم قونیہ شریف جائیں اور حضرت رومیؒ کے مزار کے در پر اپنا ہدیہ تعظیم پیش کر سکیں۔ میں جلال الدین رومیؒ کے روحانی فیض کا ممنون ہوں اور میرے دل میں ہر اس شخص کے لیے محبت اور تکریم کا جذبہ ہے جس کو مولانا رومیؒ کے ساتھ عقیدت ہے۔ ان کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ دراصل متبرک اور پرسکون سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں جو مجھے بے حد عزیز ہیں۔ حضرت مولانا کا پاک کلام ''مثنوی شریف'' بنی نوع انسان کے لیے روشنی اور ہدایت کا سرچشمہ ہے اس کے باقاعدہ مطالعہ سے روحانی رشتے اور باہمی محبت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

(خط بنام مادام سارہ اقچہ 1964)

30 جون 1937 کے خط کے جواب میں بابو جیؒ نے شیخ الجامعہ صاحبؒ (بہاولپور) کو لکھا کہ ''آپ دعا فرمائیں کہ مجھے وہ غزل مل جائے جو محبوب نے پڑھی تھی وہ گم ہو چکی ہے''۔

بے مثل بودی در جہاں

اللہ قادر مطلق ہے۔ اگر وہ کسی مجبور انسان کی دلگیری کرتا ہے تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اسے کوئی ٹوک نہیں سکتا۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کی نافرمانی کی جرات کوئی نہیں کر سکتا بلکہ ایسا سوچنا بھی عبدیت کے خلاف ہے۔ اللہ مجھے اپنے کرم سے ثابت رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہوا ختم ہستی کا میری فسانہ

بدلتا رہے کروٹیں اب زمانہ

24 اکتوبر 1935 کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہ کو لکھا کہ ''مجھے القابات سے پکارے جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے بلکہ مجھے ان سے نفرت ہے مجھے خلوص پسند ہے''۔ بابو جیؒ کبھی کبھی خط کے آخر میں ''حضرت کا عاجز بندہ'' لکھ کر دستخط فرماتے۔ عموماً آپؒ اپنے آپ کو ''مسافر چندروزہ'' کہتے تھے۔

پیر مہر علی شاہؒ کی رحلت کے بعد شیخ الجامعہؒ کے نام 8 مئی 1938 کے خط میں یہ تحریر کیا۔

''دوسرے لوگوں کے بوجھ میں نے اپنے کندھوں پر اٹھالئے ہیں۔ میں اس کے اہل نہیں ہوں اور میں یہ سب کچھ اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ میں اس قابل ہو چکا ہوں بلکہ اس لیے کہ حضرت اعلیٰؒ نے یہ ذمہ داری اٹھا رکھی تھی۔ اللہ مالک ہے اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں جو میرا سہارا بن سکے میرا آسرا صرف وہ ذات ہے مالک الملک۔

4 نومبر 1946 کو بابو جیؒ نے قاضی غلام احمد صاحب کو خط لکھا ''آج حج کا دن ہے منیٰ اور عرفات کی یاد نے میرے غمزدہ دل کو بہت متاثر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

14 دسمبر 1956 کے خط میں قاضی غلام احمد صاحب کو بابو جیؒ نے لکھا ''اللہ کی ذات رحمان اور رحیم ہے جب تک وہ چاہتا ہے ہمیں زندہ رکھتا ہے ہم اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

بابو جیؒ کی حب رسول ﷺ

بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ اور دوسرے حضرات کے نام جو خط لکھے ہیں ان سے حضور پاک کی بے پناہ محبت، عزت و تکریم اجاگر ہوتی ہے۔

9 مئی 1961 کو بابو جیؒ نے خواجہ مسعود (المعروف فقیر صاحب) کو خط لکھا جس میں انہوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچیں تو ان کی طرف سے حضرت مدنی

صاحبؒ کے قدموں پر اپنا سر رکھیں اور ان کی خدمت میں درخواست کریں کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمینؐ کے صدقے میں ان (بابو جیؒ) سے راضی ہو جائیں اور انہیں اپنی محبت سے نوازیں تا کہ دل میں دیار حبیب کے لیے مزید تڑپ پیدا ہو۔ ایک اور خط میں لکھا: گزشتہ شب ''عید میلاد النبیؐ'' منعقد کی گئی۔ ہر ایک پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی میری خواہش تھی کہ میلاد کی شب طویل ہو جائے اور ایسی مجلس ہر رات منعقد ہو۔ الحمد للہ کہ محبوب کی روزانہ کی قابل رحم التجائیں رحمۃ للعالمینؐ نے قبول فرمالیں۔ یہ تو صرف حضورؐ کی نظر کرم ہے اور ہم جو کچھ بھی ہیں اسی کے سبب ہیں۔ ہمارا دوسرا کوئی آسرا نہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سفر کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے سب سے پہلے ہم مدینہ منورہ حاضر ہوں گے۔ (خطوط بنام خواجہ مسعود 18/10/56 اور 1/7/1955)

یہ بات بہت ضروری ہے کہ اپنی محبت کو حضورؐ پاک کی جانب مبذول کیا جائے وہ ایک دمکتا مہتاب ہیں جو کبھی غروب نہیں ہوتا۔ فرصت کے وقت مکمل خاموشی اختیار کریں جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو سکے درود شریف کا ورد کریں اور اپنے خوابوں میں حضورؐ پاک کا جلوہ دیکھنے کی تمنا کریں۔

(بنام مادام سارہ اقچہ ترکی کے جواب میں خط 20/7/1964)

میں چاند اور چاندنی کو سراہتا ہوں اور آپ کو تلقین کرتا ہوں کہ آپ بھی خوابوں کے حسین ترین چاند کو دیکھنے کی تمنا کریں۔ تمام مخلوقات میں سب سے جمیل تخلیق یعنی حضورؐ پاک حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ جن کی انگشت کے اشارے سے چاند دولخت ہو گیا۔

(بنام سارہ اقچہ ترکی کے خط کے جواب میں 4/7/1964)

16 محرم الحرام 1934 کے خط میں بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو ذیل کا شعر لکھا:

رخنۂ تقدیر کا ممکن نہیں ہونا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

تقدیر کی خرابی کو تدبیر سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اگر انسان کی تقدیر بگڑ جائے تو کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔

بابو جیؒ کو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بے پناہ محبت تھی جو ان کے روحانی مرشد بھی

تھے۔اعلیٰ حضرتؒ کے بخار کی وجہ سے بابو جیؒ بہت پریشان تھے۔آخر کار والد محترم کی وفات سے
بابو جیؒ کو انتہائی صدمہ پہنچا۔انہوں نے شیخ الجامعہؒ کو لکھا۔

''زندگی اب موت نظر آنے لگی ہے اور موت زندگی۔مجھے ایسا کچو کا لگا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔''

کروں غم ستم کا میں کیا بیاں
میرا سینہ غم سے فگار ہے

اور خط کے آخر میں دستخط کے ساتھ یہ الفاظ لکھے۔ایک سوگوار یتیم (23/9/1937)

حضرت مدنی صاحبؒ کے نام خط

بابو جیؒ کو حضرت مدنی صاحبؒ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے جبکہ خود حضرت مدنی صاحبؒ عالی مرتبت ہونے کے باوجود اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ بابو جیؒ کو روحانیت میں کس قدر بلند مقام حاصل ہے۔

حضرت سید احمد بن مھار العطاس مدنی صاحبؒ نے اپنی یاداشتوں میں لکھا ہے کہ 6 رجب 1365 ہجری کو وہ حضورؐ پاک کے دربار میں نہایت خشوع و خضوع اور عجز و انکسار کے ساتھ حضرت سید غلام محی الدینؒ کا سلام حضورؐ پاک کی خدمت میں پیش کر رہے تھے کہ انہوں نے حضورؐ پاک کا جلوہ دیکھا جو وہاں تشریف فرما تھے اور آپؐ کے ساتھ دوسرے پانچ افراد بھی تھے۔جنہیں وہ (مدنی صاحبؒ) نہیں جانتے تھے۔حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ساتھ بائیں طرف کھڑے تھے۔حضرت مدنی صاحبؒ نے دیکھا کہ سیّد غلام محی الدینؒ سامنے کے راستے سے آرہے ہیں جو حضرت فاطمہؓ کی طرف جاتا ہے وہ ابوعبیدہؓ کے قریب آکر رک گئے۔تب حضور پاک ﷺ مسکرا دیئے اور اپنے مقدس ہاتھ مبارک سے بابو جیؒ سیّد غلام محی الدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اے عامر! یہ ہے میرا محبوب'' ''المتبسّم صلی اللّٰہ علیه وسلم و قال یا عامر هٰذا محبوبی'' اس کے بعد ابوعبیدہؓ روضہ اقدس کی جانب چل پڑے اور حضرت بابو جیؒ ان کے پیچھے ہو لئے۔وہ تمام حضرات جو وہاں بیٹھے تھے کھڑے ہو گئے اور حضور پاک ﷺ کے

ساتھ مصافحہ کرنے لگے اور اس کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اور حضرت مدنیؒ کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

''دو ماہ بعد دس رمضان المبارک کو دوپہر کے وقت میں قیلولہ کر رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مدینہ منورہ میں مسجد سباق کے باب شامی کے قریب بیٹھا ہوا ہوں بہت سے لوگ ارد گرد موجود ہیں۔ ایک شخص اعلان کر رہا ہے کہ حضور پاک ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ حضور پاک ﷺ دروازے کے پاس پہنچے۔ لوگوں میں سے ایک شخص دائیں جانب سے آگے بڑھا۔ وہ سیّد غلام محی الدین ابن مہر علی شاہؒ تھے۔ حضور پاک ﷺ نے ان کے کان میں کچھ کہا لیکن کوئی دوسرا نہیں سن سکا۔ اس کے بعد حضور پاک ﷺ نے بابو جیؒ کی طرف اپنی انگشت مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

''یہ ہے میرا محبوب''''وقال هذا محبوبی''الی السیّد غلام محی الدینؒ''

ستمبر 1952 میں بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کے نام خط میں ان کی گولڑہ شریف سے روانگی پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ میری تمام جائیداد، میرے بچے اللہ کے فضل وکرم سے آپ کے لئے ہیں اور مجھے کامل یقین ہے کہ آپ کی خدمت ہر لمحہ میرے لئے امن وراحت کا سرچشمہ ہیں۔''

فحبک راحتی فی کل حین
وذکرک مونسی فی کل حال

بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کو لکھا کہ برائے مہربانی میری طرف سے حضور ﷺ کو درود وسلام پیش کرتے ہوئے عرض ہو''ہم اپنے گناہوں کو نہیں دیکھتے بلکہ آپ کی بخشش اور کرم کے طلب گار ہیں۔ خدارا ہم گناہگار بندوں کو اپنی شان کریمی سے نواز دیجئے۔'' بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کو مزید لکھا کہ آپ حرم شریف میں مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس کا صلہ عطا فرمائے۔ مزید برآں حضور پاک ﷺ کی خدمت میں میرے یہ

اشعار پیش کر دیجیئے کہ ہم بے چارے بندوں پر اپنی نظر کرم کر دیجئے:
''اے ہمارے کریم آقا''

خدارا یک نظر از چشم نازے
بکن بر بندگاں بندہ نوازے

اذا لم یوجد بابک فیکفی للجبین ممرک فالسجدہ مقصود نا فھوان لم یقدر لنا ھناک فالحمد لله علی ھنا یعنی

تیرا آستاں جو نہ مل سکا تیری رہگذر پہ جبیں سہی
ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کو لکھا ''میں نے ایک چھوٹی سی رقم 92 گنی جن کے پاکستانی 4892 روپے بنتے ہیں بھیجے ہیں تا کہ آپ اسے اللہ کے حبیبؐ کے شہر میں مستحق غریبوں اور یتیموں میں تقسیم کر دیں''۔

17 اپریل 1945 کے اپنے خط میں بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کو لکھا ''آپ کا خط ملا جسمیں آپ نے باہمی فراق کے متعلق اپنے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ آپ کا خط پڑھنے کے بعد میرے آنسو خود بخود میرے رخسار پر بہنے لگے۔ یہ آپ کی سچی محبت کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے کئی غم ہیں سب سے زیادہ غم حرمین شریفین کی جدائی کی وجہ سے ہے۔ مزید غم آپ جیسے اچھے دوستوں سے دوری کی وجہ سے ہے۔ فارسی کے ایک عظیم شاعر حضرت جلال الدین رومیؒ نے ہی مثنوی میں کہا ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند

یعنی ''نے'' کو شکایت ہے کہ اسے نیستان سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا اور اب وہ فراق کی زندگی گذار رہی ہے۔ اس کی نیستان کے ساتھ بھرپور محبت کے درد و کسک کو کون جانے۔

''برائے کرم دعا کیجیے کہ ہم پھر واپس بطحا چلے جائیں اور حبیب خدا ﷺ اور رحمتہ اللعالمینؐ کے روضہ مبارک پر حاضری دیں۔ مجھے اس بات کا از حد دکھ ہے کہ میں آپ جیسے نہایت

معزز اور مکرم سیّد فخر سادات سے جدا ہو گیا ہوں۔ آپ ایک ایسے سیّد خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو نہایت شاندار کردار کے مالک ہیں جس نے میرے دل کو موہ لیا ہے۔ برائے مہربانی میری طرف سے نہایت عجز وانکسار، ادب وتکریم سے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں درود وسلام پیش کیجئے جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو پیدا کیا۔

4 فروری 1955 کے خط میں بابو جیؒ نے لکھا ہے:

''مجھے یہ سن کر از حد خوشی ہوئی ہے کہ ملک عبدالعزیز ابن سعود نے امیر مدنیہ منورہ کو ہدایت جاری کی ہے کہ وہ مسجد نبوی کی اصلی عمارت کے کسی حصے کو منہدم نہ کرے اور بے شک توسیع کا کام جاری رکھے۔ اس بات کی تصدیق کیجئے اور اگر یہ صحیح ہے تو میری جانب سے ملک عبدالعزیز ابن سعود کو شکریہ کا خط بھیج دیجئے۔ کیونکہ اس وجہ سے لوگوں کو بے حد سکون ملا ہے اور ان کی پریشانی دور ہوگئی ہے۔ اگر آپ یہ خط لکھنا مناسب نہیں سمجھتے تو امیر مدینہ منورہ کے ساتھ ملاقات کر کے میری طرف سے مسجد نبوی سے متعلق فیصلے پر تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کر دیجئے۔''

حضرت مدنی صاحبؒ کو دربار شریف پر محکمہ اوقاف کے قبضے سے متعلق خط۔

''محکمہ اوقاف نے دربار شریف سے متعلقہ تمام زیارات، چار مہمان خانوں، نئے اور پرانے مجلس خانے اور لائبریری اور اس کی چابیوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمام عقیدت مندوں کو محکمہ اوقاف کی اس کاروائی پر بہت دکھ ہوا ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس قسم کی مداخلت ترک کر دے کیونکہ یہاں کوئی وقف جائیداد نہیں۔ علاوہ ازیں دربار کا نظام بطریق احسن چل رہا ہے۔

اس سلسلے میں حکومت کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا رہی ہے یہ ہماری طرف سے ایک امکانی کوشش ہے لیکن میرا ایمان ہے کہ ہوگا وہی کچھ جس میں اللہ اور رسول کی رضا ہوگی۔ وہ عنایت کرنے والا، رحیم وکریم ہے'' اور پھر حضور پاک ﷺ ''داتا'' ہیں۔ برائے کرم حضور پاک ﷺ کے دربار میں میری طرف سے عاجزانہ سلام پیش کیجئے اور دعا کیجئے کہ

اللہ تعالیٰ ہمیں ظالم قابضوں سے محفوظ رکھے۔ ہم گناہگار ہیں۔ ہمیں اللہ اور اس کا رسول ﷺ کے سوا کوئی حفاظت میں نہیں رکھ سکتا۔''

ومن تکن برسول اللہ نصرتہ

ان تلقہ الا سد فی اجامھا تجم

اگر حضور پاک ﷺ کی مدد شامل ہو تو کچھاروں سے باہر جنگل میں آزاد پھرنے والے شیر بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔

(قصیدہ بردہ سے)

ایک خط میں حضرت مدنی صاحبؒ کو مطلع فرمایا کہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا عرس 11 اگست 1961 کو شروع ہوا اور 12 اگست کو اختتام پذیر ہوا۔ آپؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کو دعوت دی کہ وہ حضرت غوث پاکؒ کے عرس میں شریک ہوں۔ اور فرمایا کہ ان کا انتظار بے چینی سے کیا جائیگا۔ 28 مارچ 1961 کو آپؒ نے تحریر کیا کہ

''اس سے قبل میں نے آپ کو مبارکبادی کا خط لکھا تھا اور اب میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ 5 شوال یعنی 23 مارچ 1961 کو عزیزم شاہ عبدالحق کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی۔ بیٹے کا نام غلام قطب الحق رکھا گیا ہے۔

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''برائے کرم حضور ﷺ کے دربار میں میرا صلوۃ وسلام پیش کیجئے۔ ہماری بخشش اور دنیا و آخرت میں خیر و عافیت کی دعا کیجئے۔

نیز برائے کرم ان نوزائیدہ بچوں کی درازی عمر، صحت و عافیت اور اقبال مندی کیلئے خصوصی دعا کیجئے۔

''ولھما خصوصاً ''السلامتہ والسعادۃ''

''بابوجیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ سے ذیل میں دیئے گئے حضرات کے لئے اور مسلمانوں کی کامیابی کیلئے دعا کی درخواست کی۔

(۱)صفر 1367 ھجری کے خط میں اجمیر شریف میں مسلمانوں کے تحفظ اور سلامتی کیلئے۔

(۲)خصوصاً جناب اسرار احمد صاحب متولی۔فرقہ وارانہ فسادات میں سلامتی کیلئے دعا۔

(۳) 31 اگست 1965ء کشمیر کیلئے۔آپؒ نے کشمیر میں مسلمانوں کی فتح کیلئے دعا کرنے کی التجا بھی کی۔

(۴) 6 اکتوبر 1965ء کشمیر کیلئے۔

مندرجہ ذیل حضرات کی وفات پر حضرت مدنی صاحبؒ سے دعائے مغفرت کی درخواست کی گئی۔

(۱) الف: 16 اکتوبر 1947۔ بابو جیؒ کے چچا محترم پیر سید ولایت شاہ صاحبؒ اور محمد بن حسن ابدال کے لئے۔

ب: تعزیت۔شیخ عبدالحق صاحبؒ جو کہ مدینہ شریف کے معروف عالم اور صوفی بزرگ تھے۔

(۲) 15 اگست 1945ء۔آپؒ کی بڑی ہمشیرہ کے لئے

(۳) 19 دسمبر 1964ء مولانا گل فقیر احمد۔پشاور والے

(۴) 15 جولائی 1965ء۔غلام مصطفیٰ لال کرتی والے

(۵) 25 فروری 1967ء سید محسن ترمذی

(۶) 21 جنوری 1968ء دیوان غلام رسول

(۷) 17 اکتوبر 1968ء خواجہ نیاز حسین ملتان والے

(۸) 15 نومبر 1968ء حاجی غلام محمد (مائی بھاگو)

بابو جیؒ نے اپنے بہت سے خطوط میں ذیل کے حضرات کی طرف سے حضرت مدنی صاحبؒ کی خدمت میں آداب وسلام پیش کئے۔جو درج ذیل ہیں۔

سیّد غلام معین الدینؒ ، سیّد شاہ عبدالحق، مولوی عبدالرزاق، مولوی فتح محمد، مولوی اللہ بخش، مولوی فاضل، دیوان غلام رسول، محبوب، مشتاق، کرنل محمد شفیع، غلام مصطفیٰ جرنیل، صفت علی، بانی محمد نواز، راجہ غلام سرور، اور غلام قادر ملتان اور کراچی کے حضرات کی طرف سے آداب وسلام کرنل

ولایت خان، صبح صادق، ترمذی صاحب اور اقبال خان۔

بابو جیؒ نے حضرت مدنی صاحبؒ کی خدمت میں مندرجہ بالا حضرات کے حق میں دعا کی درخواست بھی کی۔

حضرت مدنی صاحبؒ کی جانب سے ذیل کے لکھے گئے خطوط سے ہمیں بابو جیؒ کے سفر د سیاحت کے بارے میں معلومات بہم پہنچتی ہیں۔

یکم مارچ 1948۔اپریل میں بغداد شریف کی تیاری

5 اگست 1949۔19 اگست کو استنبول۔بصرہ۔اور دمشق کیلئے روانگی۔

10 فروری 1951۔اپریل میں بغداد شریف کی زیارت

20 فروری 1952۔مدینہ شریف کے لئے روانگی۔

27 مارچ 1954 بغداد شریف کے لئے روانگی۔

30 مئی 1964 استنبول، انقرہ اور بغداد شریف۔

31 مارچ 1969 یکم اپریل کو جینیوا، پرتگال، لندن، فرنکفرٹ ، استنبول، انقرہ، بغداد شریف اور واپس کراچی 10 مئی 1969

13 جنوری 1971 کراچی، جدہ اور واپسی 17 فروری 25 ستمبر 1974 کو۔

حضرت مدنی صاحبؒ کی وفات پر سیّد غلام معین الدین، اور سیّد شاہ عبدالحق صاحبان کی طرف سے حضرت مدنی صاحبؒ کے صاحبزادوں سیّد شرف، سیّد سہل، سیّد حسن کو ان کے والد محترم کی وفات پر تعزیتی خط بھیجا گیا۔

انہوں نے حضرت مدنی صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ وہ پاسپورٹ کی تجدید اور ویزا کے حصول کے مسئلہ کی وجہ سے فوری طور پر حاضر نہیں ہو سکے لیکن حج کے موسم کے دوران وہ ضرور حاضر ہوں گے۔انہوں نے مزید لکھا کہ حضرت مدنی صاحبؒ ان کے لئے بمنزلہ والد بزرگوار تھے۔اُنکے والد محترم حضرت بابو جیؒ کے وصال کے بعد اُن کے لئے یہ دوسرا گہرا صدمہ تھا۔حضرت مدنی صاحبؒ نہایت مخلص، بہی خواہ، اور نہایت

مہربان انسان تھے۔اس کے علاوہ وہ حضور پاک ؐ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ بھی تھے۔ اس عظیم ہستی سے وہ محروم ہو گئے ۔ حضرت مدنی صاحبؒ کی افسوسناک رحلت کی خبر سن کر خواتین و حضرات جوق در جوق روتے ہوئے اور نوحہ زن انکے پاس تعزیت کے لئے آنے لگے اور انتہائی دکھ کا اظہار کرنے لگے ۔اس عظیم ہستی کے ایصال ثواب کیلئے وہ دعا ہی کر سکتے ہیں اگر چہ جسمانی طور پر وہ اُن سے دور چلے گئے ہیں لیکن وہ روحانی طور پر ان کے دلوں میں بس گئے ہیں ان کے تمام اہل خانہ اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں ۔

اُن کے ملک کے تمام عقیدت مند آپ سے تعزیت گذار ہیں اور حضرت مدنی صاحب کے ایصال ثواب کے لئے دست بہ دعا ہیں ۔ بالخصوص لنگر شریف کے رہائشی تمام لوگ' کرنل شفیع ' بریگیڈئیر علیم الدین 'مولینا فیض احمد فیض' مصباح صاحب' سب دعائے مغفرت کرتے اور تعزیت گزار ہیں اور دعاؤں کے طلب گار بھی ۔

آپ کے غم میں شریک

سیّد غلام معین الدین ۔شاہ عبدالحق

اپنے صاحبزادوں کے نام بابو جیؒ کے خطوط سے اقتباسات

18 اگست 1936 کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ سیّد شاہ عبدالحق نے قرآن شریف کی تجوید مکمل کر لی ہے۔ بابو جیؒ نے شیخ صاحب سے درخواست کی وہ دونوں صاحبزادوں کے حق میں دعا کریں کہ وہ عالم باعمل بن جائیں۔ایسے عالم جو علم حاصل کرنے کے بعد خود بھی اس پر عمل کریں اوران کے لیے یہ دعا بھی کریں کہ ان کے دل میں اللہ کی سچی محبت ہواورانہیں توفیق عطافرمائے کہ وہ بنی نوع انسان کی صحیح معنوں میں خدمت کرسکیں۔ بابو جیؒ کی خواہش تھی کہ ان کے صاحبزادوں میں یہ صفات پیدا ہوں۔خودی کی نفی' یادالٰہی اور مخلوق خدا کی خدمت کا سچا جذبہ۔صاحبزادوں نے والدمحترم کی خواہشات کو پورا کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے والدمحترم کے سچے جانشین ہیں۔تین دسمبر ۱۹۳۹ کے اپنے مکتوب میں بابو جیؒ نے اپنے صاحبزادوں سے پوچھا کہ اس سوال کا جواب تلاش کریں۔

''آپ کی منزل مقصود کیا ہے اور ہمیں کہاں جانا ہے؟ آپ نے کرنا کیا ہے؟ آپ فقط ذاتِ خداوندی کی پہچان کیلئے علم سیکھیں۔اسی کے لئے جئیں اسی کیلئے مریں' اوراپنی پوری زندگی اسی کیلئے وقف کردیں۔

در عقائد باش ثابت اے پسر
یاد گیر از اہلِ سنت سر بسر

یعنی اپنے عقائد کو درست رکھیں۔ان پر ثابت قدم رہیں۔مکمل طور پر اہل سنت میں شامل ہوجائیں۔

چھ جون ۱۹۳۹ء کے خط میں لکھا کہ'' آپ کی دادی محترمہ آپؒ کی جدائی پر اشک بارہیں مگر میں آپ کی تعلیم شیخ الجامعہؒ صاحب پر چھوڑتا ہوں۔اس لئے وہ آپ کو گولڑہ شریف واپس نہیں لائیں گے۔اپنی تعلیم مکمل کرنے اور جو سیکھا ہے اس پر عمل کرنے کیلئے پوری کوشش کریں۔استاد کے حکم کی تعمیل آپ کا فرض ہے۔

مکمل طور پر اپنے درس وتدریس میں محو ہوجائیں اوراس میں کسی شئے کو حارج نہ ہونے

دیں۔ اپنے سفر کی غرض و غایت کا خیال رکھیں۔ روحانیت کے سرچشمے اپنے حقیقی خریداروں کے نہ ہونے کی وجہ سے بند دکانوں کی طرح ہیں۔ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم جب کوئی حقیقی (اہل) خریدار آتا ہے تو اُس کا دامن گوہر مقصود سے بھر دیا جاتا ہے۔ جو ڈھونڈھتا ہے وہ پالیتا ہے۔

بقول:۔ مَن جدَ وجَد

جیسا کہ بلھے شاہ نے کہا ہے:

گُر چاہے سو کردا اے

گُر خالی کاسے بھردا اے

مالک جو چاہے سو کردے وہی ہے جو خالی پیالوں کو بھردے۔ مالک کی نسبت کے علم و ہنر میں ایسی طاقت ہے کہ اس کے ذریعے انسان جو اور جیسا چاہے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس علم و ہنر سے خالی پیالے بھرے جاسکتے ہیں۔ علم طاقت ہے۔ علم دولت ہے جس کے پاس علم ہوتا ہے اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔ اللہ جو کرتا ہے تمہارے لئے وہی بہتر ہے۔ قناعت اختیار کرو۔ بابو جیؒ نے فرمایا:

''تمہیں ذوق وشوق کے ساتھ محنت اور کوشش کرنی چاہیے۔ اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔''

(اسی ذوق اور کوشش کا نتیجہ تھا کہ لالہ جیؒ نے انجنوں اور سگنلوں کے مختلف خاکے بنانے کا فن سیکھا) انہوں نے فرمایا۔

اپنے جذبات اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھیں کیونکہ یہ انسان کو گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ سب سے بڑی دولت ایمان ہے۔ یاد رکھیں کہ اس دنیا کے عارضی دوستوں کی خاطر اپنے حقیقی دوست کو کبھی نہیں بھولنا۔ اللہ تمہارا رفیق تھا۔ رفیق ہے اور رفیق رہے گا۔ اُسے کبھی نہ چھوڑو

اپنے صاحبزادوں سے امتحان کے بارے میں سوال کرتے ہوئے بابو جیؒ نے پوچھا کہ وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے پرچے اچھے کئے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے سوالات کو اپنے اساتذہ اور کتابوں کے ذریعے جانچا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ مضمون جو انہوں نے امتحان میں لکھا تھا اس کی ایک نقل انہیں بھجوائیں تا کہ وہ خود اسے جانچیں۔ یہ تھی وہ احتیاط جو بابو جیؒ تعلیم و تربیت کے سلسلے

میں برتا کرتے۔ (خط مورخہ 24 مئی 1942ء)

از خدا غیر از خدا دیگر مخواہ یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مانگو۔ دل کی پاکیزگی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک نفسانی خواہشات اور ان سے متعلقہ خیالات کو مٹا نہیں دیا جاتا اللہ کی یاد کو دل میں بسالو۔ اور اس کے سوا کسی اور کو وہاں آنے نہ دو تم اس دنیا میں عارضی مدت کیلئے اور ایک مقصد کے لئے آئے ہو۔ اور وہ مقصد اللہ تعالیٰ کو حقیقی معنوں مین یاد کرنا۔ اپنا دل اس کے قبضے میں دے دیں۔ اور پوری ایمان داری کے ساتھ اسی کے ہو جائیں۔ چاہے وہ تمہیں قبول کرتا ہے کہ نہیں۔ تم اس کے بندے ہو اور وہ تمہارا آقا۔ وہ وہی کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے تم اللہ کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اپنے آقا کو ہر دم خوش رکھو۔ ایک لمحہ کیلئے بھی اسے نہ بھولو۔

ہتھ کار وَل دل یار وَل (خط 16 جنوری 1938ء)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کو ہر چیز پر مقدم سمجھو۔ اللہ ہی مالک حقیقی ہے۔ وہی ہمارے مسائل حل کرتا ہے لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھو کیونکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تمہیں نابود سے بود میں لایا۔ اپنی صلاحیتوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق استعمال کرو۔ اور نیک اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلو۔''

(خط 6 جون 1939)

''وقت بہت قیمتی ہے یہ وقت اللہ نے عطا کیا ہے اسے اسی کی یاد میں صرف کرو۔ تمہارا دل ہمیشہ زندہ رہے گا۔''

کے بمیرد ہر کہ او با اوست دل

دل بدو دہ دوست دارو دوست دل

یعنی جس شخص نے خدا کے ساتھ لو لگالی وہ کبھی نہیں مرتا یہ دنیا عارضی ہے اپنا دل اسے (اللہ کو) پیش کرو۔ اور اسے دل میں رکھو۔ (خط دسمبر 1938ء)

بس بزرگی ہاست اندر یاد اُو

یادِ اُوکن یادِ اُوکن یادِ اُو

یعنی تم اس دنیا میں اپنے رب کے ساتھ رشتے استوار کرنے آئے ہو اور یہ رشتہ روزِ ازل سے اس عہد (الست) کے تحت قائم ہوا تھا جسے نبھانے کی ضرورت ہے۔ یہ تمہارا فرض بنتا ہے اور اللہ کو عجز وانکسار بہت پسند ہے۔ پس اسے اللہ کے دربار میں پیش کرو۔ حقیقی بندگی خودی کو مٹانے اور عجز وانکسار میں ہے اس دنیا میں انسان کو صرف اور صرف بندگی یعنی عبادت کیلئے بھیجا گیا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی

زندگی بے بندگی شرمندگی

(خط 11 ستمبر 1938ء)

زندگی تو بندگی کرنے کیلئے عطا ہوئی ہے۔ اگر یہ بندگی سے خالی ہو تو شرم کا مقام ہے۔

یہ دنیا فانی ہے اس پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا اس پر بھروسہ کرنا اور اس میں مگن رہنا سراسر حماقت ہے دل اسی سے لگانا چاہئے جو اس کے قابل ہو اور جو ہمیشہ کے لئے ہو۔ حقیقی آقا اور داتا ہو۔ باوجود ہماری نافرمانیوں کے وہ ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ وہ سزا دینے کی بجائے ہمیں مہربانیوں سے نوازتا ہے۔

جرم ہا بینی نگیری انتقام

از درِ حلم و کرم آئی مدام

(خط 9 اکتوبر 1940)

''یہ ایک عارضی دنیا ہے اسے انتظار گاہ سمجھیں یہاں ایک راہگیر کی طرح رہیں اور اسی کی طرح زندگی بسر کریں۔ وہ ذات نیست سے ہست میں لانے والی ذات ہے۔ اللہ کی حیرت انگیز تخلیق کا مطالعہ کریں۔ تم اللہ کی کتاب ہو اس میں ہر چیز موجود ہے جو کچھ تم اس کتاب سے سیکھ سکتے ہو وہ کہیں اور سے نہیں سیکھ سکتے۔'' (تاریخ 19 نومبر 1940)

''اس ذاتِ غالب کے ساتھ رشتہ استوار کریں جو سب سے زیادہ قدرت رکھنے والا ہے۔ تا کہ تم بھی غالب بن جاؤ۔ سب پر حاوی ہونے والے بن جاؤ۔''

(خط 19 نومبر 1941)

اللہ پر بھروسہ رکھیں جو قادر مطلق ہے۔ (خط 28 نومبر 1941)

12 اکتوبر 1938 کے خط میں بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کو تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''اپنی نگاہ کو دن رات اپنے حقیقی دوست پر رکھیں اپنی خودی کو مٹا دیں۔اس ذات میں مستغرق ہو جانا انسان کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔عزیزم صرف نیک اعمال کو بقا ہے۔اے میری آنکھوں کی روشنی! میں ہر لمحہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ رہو اور اپنے آپ کو بھول جاؤ تا کہ تمہاری وجہ سے میں موت کے بعد اللہ کی مہربانی اور جزا کا مستحق ٹھہر جاؤں اور تمہاری وجہ سے وہ شان والا میری لحد کو اپنے نور سے منور کر دے۔

ذکر کن در روشنی و در غسق

تا حدیث نفس گردد یاد حق

یعنی اللہ تعالیٰ کو صبح و شام یاد کرتے رہو حتیٰ کہ اس یاد کا ورد تمہاری سانس کا حصہ بن جائے۔اے نیک انسان! سب سے افضل ذکر، ذکر الٰہی ہے جیسا کہ حضورؐ پاک نے فرمایا''لا الہٰ الا اللہ یعنی اللہ۔کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں''۔

افضل الذکر آمدہ اندر خبر

لا الہٰ الا اللہ اے دیدہ ور

پس زبان پر ہر وقت لا الہٰ کا ورد جاری رہنا چاہیے۔

فنا ایک اصطلاح ہے جسے تصوف میں مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے لفظ فنا کے معنی ہیں مٹ جانا، مٹا دینا۔صوفیائے کرام کے خیال میں نظام کائنات کو چلانے والی ایک عظیم قوت ہے جسے لوگ مختلف ناموں سے پکارتے جبکہ صوفیائے کرام اس قوت کو ذات خداوندی کے نام سے یاد کرتے ہیں ان کے خیال میں سب کچھ یہی ذات ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔وہ وجود مطلق اور وجود واحد ہے۔اس کے علاوہ ہمیں جتنے وجود نظر آتے ہیں وہ اسی ذات واحد کا پرتو ہیں اور آخر کار انہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔صوفیائے کرام کے نزدیک اس''فنا''کے مندرجہ ذیل عناصر ترکیبی ہیں۔

(i) مخلوق کا جوہر، ذاتِ عبد، خدا کے جوہر کی طرف جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے باقی نہیں رہتا۔پانی کا قطرہ سمندر میں مل کر اپنی انفرادیت یعنی تعین کھو دیتا ہے۔

(ii) انسان کی تمام صفات ماسوائے ''صفت عبد'' اللہ کی صفات کی طرف چلی جاتی ہیں اور اس طرح اس کی انسانی صفات خدا کی صفات میں مبدل یعنی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح خدا اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہے۔

(iii) مخلوق کا جوہر خدائی جوہر کے نور میں غائب ہو جاتا ہے جس طرح ستاروں کی روشنی سورج کی روشنی میں غائب ہو جاتی ہے اس کی خلقیہ اگرچہ فنا نہیں ہوتی بلکہ حقیہ میں چھپ جاتی ہے۔ رب ظاہر رہتا ہے اور عبد مخفی۔ (بحوالہ مثنوی جلد 3 صفحہ 3669)۔ بحوالہ کتاب۔ رومیؒ بطور ایک شاعر ایک صوفی۔ (تحریر رینالڈ اے نکلسن صفحہ 180)

12 اکتوبر 1936 کو بابو جیؒ نے اپنے صاحبزادوں کو خط لکھا جو کہ اپنے آبائی گاؤں گولڑہ شریف سے بہاولپور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گئے ہوئے تھے اور گھر سے دور جدائی کی تکلیفات برداشت کر رہے تھے۔ ان کے خط کے جواب میں بابو جیؒ نے لکھا۔

''دراصل ہمارا حقیقی ملک جہاں ہمیں ایک دن جانا ہے اس ملک سے مختلف ہے اور ہم اس دنیا میں ہر جگہ اجنبی ہیں۔ تم دونوں کو ہم نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا ہے تا کہ یہ علم دوسری دنیا میں تمہاری مدد کر سکے۔ چونکہ تمہارا اصلی ملک مختلف ہے اس لیے مقاصد بھی مختلف ہیں پس اپنے حقیقی ملک کے حقیقی مالک کو اپنے ذہن میں رکھو۔ حضرت رومیؒ نے اپنے کلام میں کائناتی شعور رکھنے والے شیدائی کے متعلق اس قسم کے تصور کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی نظر میں شمال جنوب کوئی معنی نہیں رکھتے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جنت بنائی ہے اور وہی ہمارا ملک ہے۔

16 جنوری 1938 بابو جیؒ نے خط میں فرمایا۔

''میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں بھائیوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور اپنی نظر کرم سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بہت جلد اپنی باطنی منزل سے ہمکنار کر دے جس طرح اس ذات نے تمہیں ظاہری منزل تک پہنچنے کے قابل بنایا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سیدھے راستے پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

21 نومبر 1938 کو بابو جیؒ نے لکھا۔

''اللہ تم دونوں بھائیوں کا حامی و ناصر ہو اور اس کے نیک بندے تمہاری کشتی کے ملاح ہوں۔ وہ تمہاری نگرانی کریں۔ ان کی محبت تمہارے قلب و روح میں سما جائے اور جب تم کامیابی حاصل کرنے کے بعد بہترین کردار کے ساتھ واپس آؤ اور لوگوں کی دعائیں حاصل کرو اور ان کی دل و جان سے خدمت کرو اور تکبر و غرور تمہارے قریب بھٹکنے نہ پائے۔''

اپنے عزیز برخوردار سیّد شاہ عبدالحق کی علالت کا سن کر بابو جیؒ نے انہیں یہ اشعار تحریر کیے۔

الٰہی تو بگرداں ہر بلا را

ز ہر آفت نگہداری تو مارا

بحق ہر دو گیسوئے محمدؐ

زبوں گرداں بد خواہانِ مارا

یعنی اے مالک! اپنے پیارے حبیب محمدؐ کے دو گیسوؤں کے صدقے میں میرے صاحبزادے کو شفا بخش دے اور انہیں ہر بلا و مصیبت سے اپنی پناہ میں رکھیں اور میرے بدخواہوں کو نیست و نابود کر دیجئے۔

(خط 5 اکتوبر 1940) بابو جیؒ نے فرمایا ''میں تمہیں اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں اور وہی یہ قدرت رکھتا ہے تم دونوں پر اللہ کی نظر عنایت ہو اور خط کے آخر میں شعر کے بعد تحریر فرمایا۔ ایک بدنصیب اور غمزدہ انسان

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا

مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں وہ ہری رہی

(خط 9 اکتوبر 1940)

24 ستمبر 1941 کو بابو جیؒ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

''دعا ہے کہ تمہاری زندگی اور موت مالک حقیقی کے لیے وقف ہو (امین)۔ ہماری پریشانی کا کوئی فائدہ نہیں۔ شفاء اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو جس کی حفاظت میں تم دونوں ہو۔''

24 ستمبر 1941 کے اسی خط میں بابو جی سیّد شاہ عبدالحق کے لیےؒ دعا فرماتے ہیں کہ

''شافیٔ مطلق ذات سے دعا ہے کہ وہ صحت کاملہ عطا فرمائے۔ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے''۔

''دستگیر تمہارا دستگیر (مدد کرنے والا) ہو۔معین تمہارا معین (سہارا) ہو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سچے خادم بن کے رہو۔عبودیت یعنی اللہ کی عبادت کا لباس پہن رکھو بڑوں کا ادب کرو اور چھوٹوں پر شفقت حتی الامکان نادار لوگوں کی مدد کرو اپنی زندگی خوف و رجا کے بین بین بسر کرو ہمہ وقت اللہ کو یاد رکھو اپنی خطاؤں پر نظر رکھو اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو۔''

(خط 2 جون 1942)

18 فروری 1943 کے اپنے خط میں فرماتے ہیں۔

ہر جا کہ روی مہر و وفا یار تو بادا

آرام وفراغت ہمہ جا یار تو بادا

یعنی خدا کرے محبت اور وفا تمہارے ساتھی ہوں۔جہاں کہیں تم جاؤ راحت وسکون ساتھ ہوں اللہ کرے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد کامیابی سے واپس لوٹو اور دربار شریف کی خوب خدمت کرو۔لنگر شریف جسے لنگر غوثیہ کہا جاتا ہے اس کی صحیح معنوں میں خدمت کرو اور دونوں جہانوں کی فلاح پاؤ۔

اس دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں بابو جیؒ فرماتے ہیں:

''مادی دنیا آخر مادی دنیا ہے اس کو کوئی استحکام نہیں۔اسے صرف اولیاء اللہ ہی سمجھ پاتے ہیں وہ اس کے جال میں نہیں پھنستے۔انسان کا اپنا نفس امارہ اس کا بدترین دشمن ہے اس لیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔'' (خط 24 اکتوبر 1943)

''دعا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کی محبت تمہارے رگ وریشہ میں سما جائے اللہ تعالیٰ تمہاری نیک تمنائیں پوری کرے اور تمہاری روح میں تڑپ پیدا کرے۔''

(خط 11 اپریل 1944)

افراد خاندان اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک

3 ستمبر 1939 کو بابو جیؒ نے اپنے بڑے صاحبزادے سید غلام معین الدینؒ کو لکھا:

''اپنے برادرِ عزیز سیّد شاہ عبدالحق کی خیر و عافیت کا ہمیشہ خیال رکھیں اور اپنی والدہ محترمہ کی دعاؤں کے طلب گار رہیں۔ روزانہ سیّد شاہ عبدالحق کے ساتھ مل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اپنی خالاؤں کی تعظیم کریں اور ان کی دعائیں لیں۔ یہ تمہارا فریضہ بنتا ہے کہ اپنے بھائی کا خیال رکھیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ تم اس کی پڑھائی تعلیم اور کردار سازی کی دیکھ بھال کرو۔'' اس سے پہلے 3 نومبر 1938 کے خط میں تاکید کی گئی کہ ''اپنے بھائی کی فلاح و بہبود سے ہرگز غافل نہ ہونا۔

16 جنوری 1938 کے خط میں بابو جیؒ نے اپنے بڑے صاحبزادے کو خط میں لکھا:

''اپنے بھائی کو اپنا بازو سمجھو۔ تم دونوں خدا کی خوشنودی اور لوگوں کی بھلائی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہو۔ وہ تمہارا بھائی ہے اس کی نگرانی تمہاری ذمہ داری ہے اسے تسلی دیا کرو تاکہ وہ دلجمعی کے ساتھ پڑھے۔''

24 فروری 1940 میں صاحبزادوں کو گولڑہ شریف آنے سے منع کیا گیا جبکہ ان کی دادی جان نے انہیں آنے کو لکھا تھا۔

''ماں کا حکم ماننا ایک مقدس فریضہ ہے لیکن تمہاری پڑھائی اور دینی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ نقصان برداشت کرلیا ہے۔ تمہاری دادی جان کی حالت تشویش ناک ہے لیکن سوال مدرسہ سے چھٹی لینے کا ہے۔ فیصلہ میں نے شیخ الجامعہ پر چھوڑ دیا ہے۔''

بابو جیؒ نے بار بار اپنے صاحبزادوں کو غریبوں اور پریشان حالوں کی مدد کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کی بھلائی کو اپنے فائدے پر ترجیح دینا سکھایا۔ خود تکلیف اٹھا کر لوگوں کو فائدہ دینے کی تلقین کی۔

(خط 17 ستمبر 1940)

14 جنوری 1941 کو بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کو یوں تلقین فرماتے ہیں۔

''ہر ایک کی عزت کریں اور سب کو خوش رکھنے کی کوشش کریں لیکن اس حد تک نہیں کہ کہیں مکار اور دھوکہ باز لوگوں کے ہاتھوں ان کی عزت نفس مجروح ہو جائے۔ چونکہ تم سفر میں ہو

اس لیے نیک اور شریف لوگوں کی صحبت میں رہو۔ جیسے کہ کہاوت ہے کہ اولیاء اللہ سفر پر جانے سے پہلے سفر کے ساتھی کا انتخاب ضروری سمجھتے ہیں۔ ''(الرفیق ثم الطریق) لوگوں کی نیک خواہشات اور دعائیں تمہارے ساتھ ہوں۔

4 فروری 1942 کے خط میں بابو جیؒ فرماتے ہیں

''ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک رکھیں اور ہر ایک کو اپنے آپ سے بہتر سمجھیں حضرت اعلیٰؒ اور ان کے پیروکاروں کی خدمت کرنا تمہارا فرضِ عین ہے۔ تم صاحبزادے نہیں ہو بلکہ غلام زادے ہو خدا کرے آخرت کے دن بندہِ خدا کے امتیازی نشان کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہو۔ کوئی ایسا کام نہیں کرنا جس سے حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے نام پر حرف آئے۔ لوگ تمہیں حضرت اعلیٰؒ کی نسبت سے جانتے ہیں اپنے آقا کے لیے بدنامی کا سبب بننا سرکشی کہلاتا ہے۔''

26 اپریل 1936 کے خط میں بابو جیؒ فرماتے ہیں

''زندگی خدا کے خادم کی طرح گزارو چونکہ تم مجھے بہت عزیز ہو تمہارے حق میں اس سے بڑھ کر اور کوئی تلقین نہیں ہو سکتی کہ تم صرف خدائے لم یزل کے بن کر رہو اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے احکامات من وعن بجا لاؤ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں نیک کاموں کے بیج بونے کا وقت ہے فصل آخرت میں کاٹنی ہے یہاں جو کچھ بوؤ گے وہاں وہی کچھ کاٹو گے۔''

26 اپریل 1939 کے خط میں بابو جیؒ فرماتے ہیں

''یہ دنیا عارضی اور فریبی ہے اس کے مکر سے بچے رہنا اپنی حفاظت کرنا''۔ 21 نومبر 1939 کے خط میں لکھتے ہیں۔ اسے اپنے دل میں جگہ نہ دینا ورنہ خسارے میں رہو گے اس کے ساتھ سرسری تعلق رکھو لیکن اس کے بھی کچھ قاعدے ہیں جن کا خیال کرنا پڑتا ہے۔''

11 ستمبر 1938، 12 اکتوبر 1938 اور 9 اکتوبر 1941 کے مکتوبات میں بابو جیؒ نے ذیل کے اشعار تحریر فرمائے۔

چوں نہادی دل بریں ملک جہاں
ہست غمناکی و دل تنگی ازاں
چوں بدانستی تو خود را ایں چنیں
پس نباشی گاہ دل تنگ و حزیں

یعنی جب تمہیں احساس ہو جائے کہ یہ دنیا عارضی اور فانی ہے تو تم نہ ہی پریشان ہو گے اور نہ ہی غمزدہ۔

خویش را داں چوں غریبے اے پسر
کہ نمانی می روی جائے دگر

یعنی اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی بسر کرو۔

منہ دل دریں دیر نا پائیدار
ز سعدیؔ ہمیں یک سخن یاد دار

یعنی سعدیؔ کا یہ شعر یاد رکھو کہ اپنے دل کو اس عارضی دنیا کے ساتھ نہ لگاؤ۔

مرغ باغ ملکوتیم نیم از عالم خاک
دوسہ روزے قفسے ساختہ انداز بدنم

یعنی میں بہشت کے باغات کا ایک پرندہ ہوں اس خاکی دنیا کے ساتھ میرا کیا رشتہ ہے۔ دو تین دن کے لیے میرے جسم کو میری روح کیلئے مثالِ قفس بنایا گیا ہے۔

دراصل بابو جیؒ قرآن پاک کی اس آیت کا حوالہ دے رہے تھے

وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون۔

(پارہ۔۷۔سورت الانعام۔آیت۔۳۲)

اور دنیا کی زندگی تو کھیل تماشے سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں اور پرہیز گاروں کیلئے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ کیا تم یہ بات نہیں سمجھتے

یعنی اس دنیا کی زندگی میں کیا رکھا ہے یہ تو فقط لھو ولعب ہے۔

اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو نیک اور متقی ہیں بشرطیکہ اس حقیقت کو سمجھ لیا جائے۔

حضرت شیخ الجامعہؒ اور دوسرے پیروکاروں کو خطوط:

ان خطوط میں بابو جیؒ مختلف موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں مثلاً روحانی محبت ' وجدان ربانی اور اپنے عقیدت مندوں کی فکر۔

18 ستمبر 1934 کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو خط لکھا جس میں یہ شعر تحریر فرمایا۔

اسرارِ محبت را ہر دل نبود قابل

دُر نیست بہر دریا زَر نیست بہر کانے

یعنی ہر دل اس قابل نہیں ہوتا کہ محبت کے اسرار کو سمجھ پائے جس طرح ہر دریا میں موتی نہیں پائے جاتے اور نہ ہی ہر کان میں سونا پایا جاتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں

از محبت شاہ بندہ میشود

یعنی محبت سے بادشاہ غلام بن جاتا ہے۔

6 نومبر 1964 کو بابو جیؒ چشتی صاحب کے خط کے جواب میں یہ شعر نقل فرماتے ہیں

کارِ معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن

کار عاشق جان خود در پای جاناں ریختن

یعنی معشوق کا کام چھپے ہوئے زخموں پر نمک پاشی کرنا ہوتا ہے جبکہ عاشق کا کام اپنے سر کو معشوق کے قدموں میں رکھنا ہوتا ہے۔

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے لیے سر تسلیم خم کر دے۔

حقیقی خوشی اس میں ہے کہ اپنی خواہشات پس پشت ڈال کر اُس ذات مطلق کیلئے خود کو وقف کر دو۔ اپنی انانیت کو مٹا ڈالو۔ اولیاء کا طرز عمل و حیات آپ کو معلوم ہے۔ تعلقات کا انحصار افراد کی فطرت پر ہے کیونکہ موسم اور طبیعتیں مختلف ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دل و دماغ ایک جیسے نہیں ہوتے۔

حضرت جامیؒ نے اپنی کتاب ''زلیخا'' میں ایک دعا تحریر کی ہے خدا کرے کوئی دل ایسا نہ ہو جس میں درد کی کسک نہ ہو در اصل اللہ نے انسان کو درد دل کے لیے ہی پیدا کیا ہے ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں ۔ سب رنگ اور افعال اللہ ہی کے ہیں ۔ وجودِ مطلق فقط وہی ذات پاک ہے ۔ باقی سب عدم ہے ۔

15 اپریل 1956 کو بابو جیؒ نے قاضی غلام احمد صاحب کو خط میں لکھا ۔

''غیرت کے درجے کا انحصار رشتے کے درجے پر ہوتا ہے حضرت اعلیٰؒ انتہائی درجے تک اس غیرت کے مالک تھے اس لیے اگر آپ ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو صرف ملاقات کی خاطر جائیں ۔''

13 اپریل 1943 میں بابو جیؒ نے قاضی صاحب کو بتایا کہ چونکہ ''آپ کا تعلق ایک ایسی شخصیت سے ہے جو مذہبی ذوق وشوق رکھتی ہے لامحالہ آپ ایسی ہستی سے متاثر ہونگے ۔''

8 مئی 1935 ءکو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو مدینہ منورہ کے لیے ان کے مجوزہ سفر پر مبارک دیتے ہوئے درخواست کی کہ وہ وہاں جا کر دعا کریں کہ اللہ انہیں ظلِ الٰہی کی پناہ سے محروم نہ رکھے جنہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے وہی اللہ اور ہمارے بیچ وسیلہ ہے ۔ بلھے شاہؒ کا شعر:

کن فیکون جداں آکھیا اہا تے اساں بھی کولے آہسے
کے لامکان مکان اساڈا' کے بُت وچ آن پھتیا سے

حضرت اعلیٰؒ نے فرمایا:

کن فیکون تاں کل دی گل ہے اساں اگے پریت لگائی

ذات خداوندی کا جمال شیخِ کامل کی صورت سے ظاہر ہے مگر کم فہموں کو یہ بات کہاں سمجھ آتی ہے ۔ شیخ کامل نورِ الٰہی کی روحانیت سے کام کرتا ہے ۔

صورتِ حق صورت خواجہ بود
ایں سخن کے باورِ ابلہ بود

یعنی نورِ خداوندی' شیخ کے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے اور وہ ایک آئینہ کی مانند ہے ۔ اس کی تمام

روحانی کیفیت خدائی نور کو منعکس کرتی ہے۔

5 نومبر 1937ء کو بابو جیؒ نے یہ شعر تحریر فرمایا۔

میری بے بسی کا عالم کوئی اس کے دل سے پوچھے

میری طرح لٹ گیا ہو جو بچھڑ کے کارواں سے

(بیدمؔ وارثی)

بابو جیؒ کا اشارہ حضرت اعلیٰؒ کی جدائی کے غم اور ان کے فراق کے درد و کسک کی طرف ہے۔ بابو جیؒ کو اپنے والد بزرگوار سے بے پناہ محبت تھی۔ 14 جون 1938 میں بابو جیؒ نے اپنے خط کے آخر میں یہ الفاظ تحریر فرمائے۔

''وہ جو اکیلا اور تنہا رہ گیا ہو''

سکون و صبر نے جس دن سے میرا ساتھ چھوڑا ہے

کہا کرتے ہیں اب وہ یوسف بے کارواں مجھ کو

بابو جیؒ لوگوں کے لیے ان کی مصیبت میں بڑی تسلی و تشفی کا ذریعہ تھے۔ چشتی صاحب نے اپنی پریشانیوں کا بابو جیؒ سے تذکرہ کیا جس پر بابو جیؒ نے 21 اپریل 1957 کو یہ جواب تحریر فرمایا۔

''آپ جس مشکل میں مبتلا ہیں وہ عارضی اور وقتی ہے یہ سب کچھ خدا کی طرف سے آزمائش ہے اور وہی اسے دور کریگا ظاہری اسباب پر بھروسہ نہ رکھو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔ بھلا آپ مدد کے لیے کس کے پاس جاسکتے ہیں۔ پورے عجز و انکسار کے ساتھ اللہ سے مدد مانگو، وہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ایک اور خط میں فرمایا کہ آپ قیود سے آزادی حاصل کرلیں تو مطلق کو پالیں گے اور جب آپ یہ مقام پالیں گے تو آپ کی نظر میں بہشت کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ یعنی جب انسان کو خدا مل جائے تو پھر اسے مزید کس چیز کی تمنا ہوسکتی ہے۔

چشتی صاحب کے ایک اور خط کے جواب میں بابو جیؒ 27 مارچ 1956ء کو یہ تحریر فرماتے ہیں۔

''امید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اللہ کے ساتھ رشتہ بھی ہو اور مایوسی بھی ہو یہ ایسی بات ہے جو مجھے پسند نہیں اللہ کے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے لہذا اپنے دل میں محبت

پیدا کرو اور ہنسی خوشی زندگی گزارو۔''

30 جون 1937 کو بابو جیؒ نے چشتی صاحب کو خط میں تحریر فرمایا

''دشمنوں کی طرف سے دی گئی پریشانیوں کو اللہ کے حوالے کردو۔ وہ ذات ہر حال میں ہماری خیر خواہ ہے اور وہ حکیم و علیم ہے ہمیں پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا ہمارے تمام خیالات کا مرکز اللہ کی یاد ہونا چاہیے جیسے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے''

حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے

لب پہ تیرا نام رہے دل میں تیری یاد رہے

بابو جیؒ کو شیخ الجامعہؒ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے آپؒ نے شیخ صاحب کو خط کے جواب میں 3 جون 1935ء کو جو خط لکھا تھا اس سے اس محبت اور احترام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بابو جیؒ شیخ الجامعہ کی پریشانیوں کا سن کر بہت افسردہ ہوئے اور حضرت اعلیٰؒ سے ان کے حق میں دعا فرمانے کی درخواست کی۔ بابو جیؒ نے حضرت اعلیٰؒ سے عرض کی کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ الجامعہؒ کی عزت کو محفوظ اور قائم و دائم رکھے۔ بابو جیؒ کی درخواست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اعلیٰؒ کی روحانی طاقت اور فیض پر بابو جیؒ کو کس قدر پختہ یقین تھا۔ چنانچہ حضرت اعلیٰؒ کی دعائیں اللہ کے دربار میں مقبول ہوئیں اور کچھ ہی عرصہ بعد شیخ الجامعہؒ کو اپنا من پسند عہدہ مل گیا اور انہیں بہاولپور یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیا گیا اور دراصل بابو جیؒ بھی یہی چاہتے تھے۔

26 فروری 1934 کو بابو جیؒ شیخ الجامعہؒ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر عارضی طور پر کچھ دنوں کے لیے ہم کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو یہ ہمارے آقا کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہمیں ہرگز پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ حکیم اور علیم ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں ہماری بھلائی ہوتی ہے۔

قرآن پاک کا فرمان ہے۔ وعسی ان تکرھوا شیاوھو خیر لکم

(پارہ ۲۔ سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۱۶)

یعنی اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔

18 ستمبر 1934 کو بابو جیؒ فرماتے ہیں

''اگر تمہارے دشمن نے مجازی بادشاہ تک رسائی حاصل کر لی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیا وہ حقیقی بادشاہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے؟ جو کچھ ہوتا ہے انشاءاللہ اس میں آپ کی خیر ہوگی میرا خدا تمہارا حافظ ہے''

اور پھر 2 دسمبر 1962 میں بابو جیؒ فرمانے لگے:

''اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے تکلیفات اور مشکلات عارضی ہیں۔ یہ گناہوں کے سبب سے نہیں ہوتیں اگر ایسا ہوتا تو آپ حضرت امام حسینؓ کے بارے میں کیا کہیں گے؟ آپ نے چشتی صاحب کو تلقین فرماتے ہوئے لکھا ''اپنا پورا دھیان کام پر رکھیں۔'' ہاتھ اپنے کام پر اور دل یار پر،'' دست بکار۔ دل بیار۔''

18 اگست 1943ء کو بابو جیؒ نے قاضی غلام احمد صاحب کو خط لکھا جس میں آپؒ نے فرمایا:

''آپ کے اخلاص کی وجہ سے ہم آپ کو بھولے ہیں نہ بھول سکیں گے۔ اگر چہ میں غمزدہ ہوں لیکن یقین رکھیں کہ ہم اپنے احباب کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ میں اس قابل تو نہیں لیکن میں جو کچھ بھی ہوں اس کا بندہ ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے میں آپ کے دینی اور دنیاوی مسائل حل کر دے۔''

22 جنوری 1963 کو قاضی صاحب کے خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا:

''آپ کو سلطان باہوؒ کی جانب سے جو دعوت نامہ موصول ہوا ہے اس کے لئے میری طرف سے مبارکباد ہو اور یہ کہ سب اولیاء اللہ ایک ہوتے ہیں البتہ مزاجوں کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ آپ وہاں جا کر میری طرف سے آداب بجا لائیں اور درخواست کریں کہ کچھ نظرِ عنایت مجھ پر بھی ہو جائے۔ مجھے پیری مریدی کا کوئی شوق نہیں ہے اور نہ دنیاوی خوشی کا۔ مجھے حقیقی خوشی کی خواہش ہے۔''

15 ستمبر کے خط میں بابو جیؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ خط لکھ رہا ہوں جبکہ محبوب ذیل کے اشعار کہہ رہا ہے۔

اے خاکِ درگہ تو جبینِ نیازِ ما

قربانِ یک نگاہِ تو عمرِ درازِ ما

یعنی تیری چوکھٹ پر میں نے اپنی جبینِ نیاز رکھ دی تیری ایک نگاہِ کرم پہ میں اپنی پوری زندگی نثار کر دوں گا۔

ما کے کنیم روبہ شفا خانہ مسیح

لعلِ شکر فروشِ تو بس چارہ سازِ ما

یعنی میں مسیحا کے شفا خانے کا رخ نہیں کروں گا۔ میرے ہر غم کا علاج تیرے سرخ لبوں میں ہے جو کہ میری چارہ گری کرنیوالے ہیں۔

12 جنوری 1946 کو محبوب یہ شعر کہہ رہا تھا جبکہ بابو جیؒ قاضی صاحب کو اس شعر کی تعریف میں تحریر فرما رہے تھے۔

گم گشتہ ام درذاتِ اُو انا الیہ راجعون

من نیست باقی ہست او انا الیہ راجعون

میں فانی ہوں وہ باقی ہے اور ہم سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یعنی میں خدا کا بندہ ہوں اور اسی کی ذات میں کھو چکا ہوں۔

بابو جیؒ کو منشی رحیم بخش (لال کرتی والے) کی وفات پر گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ آپؒ نے 6 جولائی 1939ء کو قاضی صاحب کو خط میں تحریر فرمایا "مجھے اس کی دائمی جدائی سے سخت پریشانی ہوئی ہے۔ وہ ایک سچا دوست تھا اور میں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ اس کی رفاقت میں گذارا تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت اعلیٰؒ کا عاشق تھا۔

موت و حیات میری دونوں تیری گلی میں

دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

منشی صاحب کی زندگی اس شعر کی ترجمانی کرتی تھی۔ اس کی زندگی قابل رشک تھی اس طرح اس کی موت بھی قابل رشک تھی۔ اس کی موت وحیات دونوں میں ایک درس ہے۔ اس نے اللہ کے
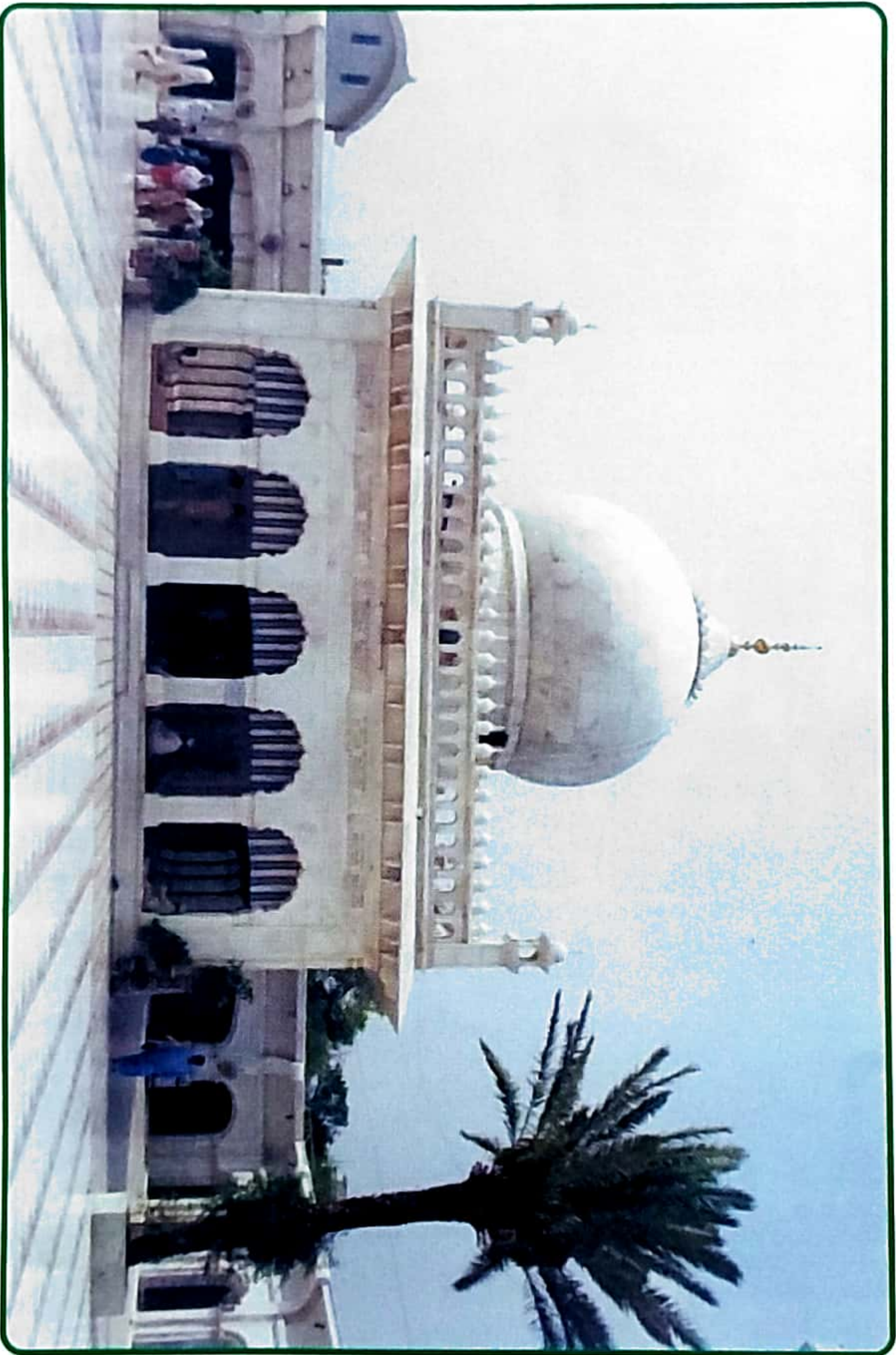
درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف میں حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ اور حضرت قبلہ بابو جیؒ کے مزارات

ساتھ سچا رشتہ قائم کر رکھا تھا۔ اسلئے ایمان کی دولت سمیٹ کر لے گیا۔ ہم پر ایک بوجھ پڑ گیا ہے۔ خدا جانے کیا ہوگا۔ وہ حضرت اعلیٰ ؒ کا سچا عاشق تھا۔ ہمیں ویرانی میں چھوڑ کر حیُ قیوم کے قدموں میں پناہ لے لی۔''

26 فروری 1948 کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو تحریر فرمایا۔

''ریل گاڑیوں کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے عرس پر لوگوں کا اجتماع پچھلے سال کی نسبت اس سال قدرے کم رہا۔ پھر بھی تعداد کافی تھی۔ عرس کے تین ایام کے دوران 35000 افراد کے لئے کھانا پکا تھا۔''

5 نومبر 1937ء کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہ کو خط میں تحریر فرمایا۔

''قرآن پاک کا ختم مزار شریف پر ہی کرایا گیا، مختلف مقامات پر تراویح کے دوران قرآن شریف کی تلاوت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ مزار شریف پر 9 دنوں میں قرآن شریف ختم ہوتا ہے۔ بڑی مسجد میں 10 دن میں لکھنو کے قاری صاحب پڑھتے ہیں۔ اور قاری صاحب ہی 20 رمضان تک مزار شریف پر پڑھتے ہیں۔ ایک قرآن شریف دادا جان کے مزار پر اور ایک قرآن شریف اس کمرے میں پڑھا جاتا ہے جہاں حضرت اعلیٰ نے وصال فرمایا تھا۔ لنگر شریف پر بھی ایک قرآن کا ختم ہوتا ہے۔ اور ایک قرآن شریف شہر کی مسجد میں ختم کیا گیا۔

6 اپریل 1934 کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو تحریر فرمایا۔

''کئی افراد کے ذریعے میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ شیخ الجامعہؒ صاحب نے عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا ہے میرے خیال میں یہ بات آپ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ میں آپ سے ناراض ہوں نہ ہی شاہ صاحب سے۔ شاہ صاحب اپنے جلسوں میں کہتے رہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اعلیٰ ؒ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کررکھی ہے لیکن پھر آپؒ کے خلاف ناجائز کلمات بھی استعمال کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے مجھے یہ بات بتائی لیکن میں نے کہا کہ یہ معاملہ شاہ صاحب اور حضرت اعلیٰ ؒ کے درمیان ہے

حضرت اعلیٰؒ کی عزت و تکریم کا انحصار شاہ صاحب کی تقاریر یا تحریروں پر نہیں ہے۔''

4 جون 1946 کے خط میں بابو جیؒ نے فرمایا:

''یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ مسلمان دنیاوی تعاون کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم نام کے مسلمان ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں ''مسلمان'' کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوتے تو اس قدر ذلیل نہ ہوتے۔ مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟۔ میں اپنی کمزوریوں پر تو تبصرہ کر سکتا ہوں مگر دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

9 مارچ 1935ء کو بابو جیؒ شیخ الجامعہؒ کو تحریر فرماتے ہیں۔

''مسلمانوں کی حالت زار پر مجھے بے حد دکھ ہو رہا ہے۔ سرحدی علاقوں میں اب بھی جھڑپیں جاری ہیں۔ اور حکومت کو بہت نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے''۔

14 ستمبر 1945 کو ماڈل ٹاون میں قوالی منعقد ہوئی تھی لیکن بابو جیؒ اس مجلس میں شامل نہ ہو سکے۔ آپؒ سڑک کے کنارے کار میں بیٹھے قوالی سن رہے تھے۔ محبوب نے ایک اچھے موضوع پر قوالی کی آج رات دوار کا سنگھ کی رہائش پر قوالی منعقد ہو گی۔ بابو جیؒ نے محبوب کو دہلی کے واعظ قوال سے قوالی سیکھنے کے لئے بھیجا تھا۔

7 نومبر 1963ء کو بابو جیؒ نے غلام احمد صاحب (چکوال) کو تحریر فرمایا۔

''مشائخ عظام کانفرنس منعقد کی جا رہی ہے چونکہ میں ان میں سے نہیں ہوں اسلئے میں شامل نہیں ہوا''۔

18 مارچ 1962ء کو بابو جیؒ نے قاضی صاحب کو تحریر فرمایا۔

''ہمارے مخالفین کوشش کریں گے کہ سیشن جج کو تبدیل کروا دیں جو کچھ وہ کرنا چاہیں وہ کریں لیکن وہ حقیقی فیصلے کو تبدیل نہیں کروا سکتے جو ہمارا مالک سنائے گا۔ ہمیں اپنے مالک پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ حکومت کی نگرانی میں ہیں جبکہ ہم مالک حقیقی کی پناہ میں ہیں۔ ہمارے اس مقابلے میں جو فیصلہ ہمارا مالک کرے گا وہی بہتر اور جائز ہو گا۔''

وظائف

21 اکتوبر 1934 کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ صاحب کو تحریر فرمایا:

''حضرت اعلیٰ کا فرمان ہے کہ آپ گیارہ دن تک روزانہ 11 مرتبہ چہل کاف پڑھیں اور اس کے شروع اور آخر میں تین تین مرتبہ درود شریف پڑھیں۔''

شیخ الجامعہؒ نے بابو جیؒ سے درخواست کی کہ مدینہ منورہ میں کچھ افراد کی امداد کی جائے اور ساتھ ہی ایک شخص کا نام بتایا کہ اس کے ذریعے یہ امداد دلوائی جاسکتی ہے۔ 24 اکتوبر 1935ء کو بابو جیؒ نے دریافت کیا کہ کیا وہ شخص جس کے ذریعے یہ امداد بہم پہنچائی ہے قابل اعتماد ہے تو پھر اسکو کہیں کہ وہ حضرت سیّد مھار العطاس صاحبؒ کا پتہ دریافت کرے اور یہ بھی معلوم کرے کہ آیا اس کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے اور یہ بھی کہ وہ حسنی سید ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کی بھی امداد کی جائیگی

حضرت مدنی صاحبؒ کچھ روز قبل گولڑہ شریف تشریف لائے تھے۔ 28 نومبر 1962ء کو بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو لکھا کہ حضرت مدنی صاحبؒ کے متعلق خط لکھنے کے دوران اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ حضرت مدنی صاحبؒ روحانی اعتبار سے ایک کامل انسان تھے۔ 8 جون 1940 کو بابو جیؒ نے جناب اسماعیل سیٹھی کو ملکی حالات کے بارے میں بتایا ''انقلاب کے بارے میں بڑا واویلا مچا ہوا ہے۔ خدا آپکو اپنی پناہ میں رکھے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے''۔

7 اپریل 1947ء کو خط میں لکھا ''آج کل بہت نازک حالات ہیں۔ مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ آج کل بے خودی کا عالم طاری ہے۔ حسن و محبت دونوں اپنی وقعت کھو چکے ہیں۔ عاشق اور معشوق دونوں اپنے جذب اندرون سے خالی ہو چکے ہیں۔''

(خط بنام مولانا گل فقیر احمد صاحب 9 نومبر 1950)

17 جولائی 1962ء کو بابو جیؒ نے شیخ عطار کا یہ شعر تحریر فرمایا۔

ہست سلطانی مسلم مرو را

نیست کس را زہرہ چون و چرا

اور جناب اسماعیل سیٹھی کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے تمام شکوک و شبہات کو اپنے

ذہن سے نکال دو۔صرف اللہ کے آگے اپنے سر کو جھکا دو۔اسلئے کہ ایک وقت ضرور آئیگا کہ تمام کمیونسٹ اور دوسرے باغی قادر مطلق ذات کے مطیع ہو جائیں گے۔اس کے سوا ان کے سامنے کوئی اور چارہ کار نہیں ہوگا۔سیدھے راستے کو مت چھوڑ واپنے معبود کے عبد بنو۔خدا تمہیں معاف کرے اور ایک دن بابو جیؒ کی پیشنگوئی سچ ثابت ہوئی۔

11 دسمبر 1964ء کو بابو جیؒ نے اخبار میں اس خبر پر شدید ردِعمل کا اظہار فرمایا جسمیں لکھا تھا کہ اس معاملے میں اسطرح کا انصاف کیا گیا کہ ایسا انصاف خدا بھی نہ کر سکتا۔

8 مارچ 1941 کو بابو جیؒ نے فرمایا:۔

''گذشتہ بدھ کو عبد المجید ٹانگہ والا قتل ہو گیا۔اور اس سلسلے میں صدر الدین' قائم شاہ حسن دین' شاہد موچی اور بخش مصلی زیر تفتیش ہیں۔تفتیش کے دوران پتہ چلا کہ حسن دین ایک گروہ کے ساتھ ملا ہوا تھا۔اور وہ اور مقتول دونوں مل کر مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔لیکن ابھی میرا وقت پورا نہیں ہوا تھا' میرے حقیقی محافظ نے مجھے بچا لیا۔میرے قتل کی سازش کے دوران حسن دین سے اچانک پستول چل پڑا اور گولی عبد المجید کو لگ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ میں ان سب کو معاف کرتا ہوں۔''

حضرت بابو جیؒ نے ملک خضر حیات خان ٹوانہ کے خط کے جواب میں جو اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے تحریر فرمایا۔''خدا کے فضل و کرم سے میں نے کبھی کسی دنیا دار صاحب حیثیت کے در پر قدم نہیں رکھا۔ میں ایسے معاملات میں تمہاری مدد کر دں گا جہاں سیاست ملوث نہ ہو۔چونکہ مسلم لیگ اسلام کے لیے کام کر رہی ہے اس لیے میں ان لوگوں کا مخالف ہوں جو مسلم لیگ کے مخالف ہیں۔اگر تم نے میرے مخلصانہ مشورے پر عمل کیا ہوتا تو باعزت طور پر کامیاب ہوتے اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کو کامیابی عطا فرمائے۔''

آپؒ نے اپنے صاحبزادگان کے نام 20 جنوری 1946 کے خط میں لکھا کہ''صوبہ سرحد میں تین مسلم لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے ہیں۔باقی تینوں کا نتیجہ آج نکلے گا خدا کرے وہ بھی کامیاب ہو جائیں۔عباس خان کا مقابلہ سخت ہے۔''

20 مارچ 1944 کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابو جیؒ نے اجمیر شریف کے متولی صاحب کے درگاہ شریف سے متعلق مسئلہ پر دہلی کے ریلوے سٹیشن پر نواب مظفر خان سے بات چیت کی تھی جنہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ متولی صاحب کو اپنی طرف سے اپیل داخل کرنی چاہیے۔ لیکن بابو جیؒ کا خیال تھا کہ متولی صاحب کی عزت نفس اپیل داخل کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔

مولانا گل فقیر کے نام خط میں بابو جیؒ نے تحریر فرمایا:۔

''عراق سے ایک معروف عالم دین پاکستان تشریف لا رہے ہیں۔ تاکہ عراق اور پاکستان کے علماء کے درمیان پائے جانے والے رشتے کو مزید مضبوط بنایا جائے۔ ان کے تمام اجلاس کے انتظامات پشاور میں کئے جائیں گے''۔ (خط 10 جنوری 1949)

22 ستمبر 1954 کو بابو جیؒ نے ملک شیر محمد کو تحریر فرمایا:۔

''مشکل گھڑیاں زندگی میں آتی رہتی ہیں فکر نہ کرو۔ صبر کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ اللہ کے بندوں پر تکلیفات آتی رہتی ہیں۔ انہیں بخوشی برداشت کرنا چاہیئے۔ ہر کام میں مشیت الٰہی پنہاں ہوتی ہے۔ خودکشی کرنا حرام ہے بلکہ اس کے متعلق سوچنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔''

انسانی فلاح و بہبود

''ملک احسان اللہ پریشان ہے کیونکہ چار ماہ گذر گئے اور ابھی تک زمین کے ''انتقال'' کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اس کا فوری فیصلہ کرو اور اس کے شرعی حق کو ذہن میں رکھنا۔ یوم آخرت کا بھی خیال رکھنا۔ اس کو پیسوں کی ضرورت ہے۔ رقم اس کو بھیج دو۔

(خط 24 اگست 1954)

22 اگست 1954 کو بابو جیؒ نے خواجہ مظفر محمود کو تحریر فرمایا:

''محترم حضرت امجد ضحاوی بغدادی یہاں تشریف لا چکے ہیں۔ وہ اسلامی ممالک کے 5 ماہ کے دورے پر نکلے ہوئے ہیں تاکہ فلسطینیوں کی فلاح و بہبود کیلئے مسلم ممالک سے اسلحہ، خوراک اور دوسرے عطیات کی امداد طلب کی جائے۔ یہ ''جہاد'' ہے۔ ہم نے یہ مہم جمعہ

سے شروع کر رکھی ہے اور لوگ عطیات جمع کر رہے ہیں ۔ میں اپنے احباب سے بڑھ چڑھ کر اس جہاد میں حصہ لینے کی اپیل کر رہا ہوں ۔ زکوٰۃ بھی جمع کی جا سکتی ہے تمام عطیات کنندوں کے نام رجسٹر میں درج کئے جائیں گے تمام متعلقہ احباب کو میری اور ضحاوی صاحب کی طرف سے مطلع کر دیں ۔

ضحاوی صاحب پشاور سے واپس آ چکے ہیں اور دو دن کیلئے لاہور جائیں گے اس کے بعد بغداد جائیں گے اور پھر عرب ممالک کا دورہ کریں گے ۔''

22 اگست 1954 کو بابو جیؒ نے خواجہ مظفر محمود کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ضحاوی صاحب کیلئے امدادی کھیپ بھیجی اور فرمایا کہ ضحاوی صاحب شاید ملتان بھی جائیں ۔ ان کا استقبال اچھی طرح سے کیا جائے ۔ اور اگر وہ چاہیں تو اس کام کیلئے ایک کمیٹی بنالیں اور فرمایا کہ وہ پشاور جائیں گے اور مولوی صاحب کو 500 روپیہ قرض چکانے کیلئے دیں گے ۔ ان کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے ۔ اور اگر خواجہ مظفر محمود کچھ مدد کر سکیں تو بہتر ہوگا ۔

2 نومبر 1954ء کو بابو جیؒ نے فقیر صاحب کو تحریر فرمایا:

''مولوی صاحب اور قاری صاحب کو احکامات جاری ہوئے ہیں کہ چالیس سال کا کرایہ ادا کریں اور مالکانہ حقوق لے لیں یا پھر گھر خالی کر دیں ۔ اگر ہو سکے تو زکوٰۃ فنڈ سے ان کی امداد کی جائے ۔''

13 اپریل 1956ء کو بابو جیؒ نے خواجہ مظفر محمود کو فرمایا:

''ایک دوست کا اچھا کاروبار تھا گردش زمانہ کی وجہ سے آج کل وہ مالی مشکلات میں مبتلا ہے اس کی مدد کریں اور اگر ہو سکے تو اس کی رہائش گاہ کا بندوبست کریں بشرطیکہ وہ اسے منظور کرے ''۔

10 نومبر 1956 کو بابو جیؒ نے خواجہ مظفر محمود کو ہدایت دی کہ مبلغ 500 روپیہ ایم جی فقیر کو 50 روپیہ مولوی ایچ آر حسن آباد والے کو اور 50 روپیہ ایک اور رکن کو زکوٰۃ فنڈ سے ادا کریں ۔

ملتان کے ایک شخص نے امداد کے لیے درخواست دی بابو جیؒ نے 24 جنوری 1960ء

کے خط میں دیوان صاحب کو ہدایت دی کہ اس شخص کی مدد کریں اور اگر فنڈ موجود نہ ہو تو کسی دوسرے ذریعے سے یہ نیک کام کر دیا جائے دیوان صاحب نے تجویز پیش کی کہ فنڈ مولوی صاحب کے گھر کے لیے مختص تھا اگر اجازت ہو تو اس شخص کو یہ رقم دے دی جائے۔ بابو جیؒ نے یہ تجویز منظور فرمائی۔اور مبلغ 2000 روپیہ اُردن کے ایک طالب علم سعدی کو دے دیئے گئے۔ یہ رقم بابو جیؒ نے اس کے سفری اخراجات کے لیے عطا کی تھی۔

بغداد شریف کے حالات پر بابو جیؒ بہت پریشان تھے۔جس کا علم آپؒ کے خط بنام خواجہ مظفر محمود 18 جولائی 1958 سے ہوتا ہے۔بابو جیؒ نے 12 نومبر 1955 کو ڈاکٹر رانا کی وفات پر گہرے رنج کا اظہار فرمایا کہ وہ ایک مخلص اور بہترین انسان تھے۔انہیں گولڑہ شریف میں دفن کیا گیا۔

خواجہ مسعود کو اس کے بیٹے کی وفات پر تعزیتی خط تحریر فرمایا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ چیز اللہ نے دی تھی۔وہ ہمارا مالک ہے اور ہم اس کے غلام اور رعایا۔ یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ ہر ایک کو اپنے وقت مقرر پر جانا ہے۔حضورﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ جب ایک نوزائیدہ بچہ فوت ہو جاتا ہے، چونکہ وہ معصوم ہوتا ہے اس لیے اسے جنت بھجوا دیا جاتا ہے۔لیکن وہ بچہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے والدین کو بھی ساتھ نہ لے جائے۔ بے شک یہ صدمہ بہت شدید ہے لیکن ایسے صدموں کا علاج صبر ہے۔اللہ کا حکم ہے صبر کرو اللہ تمہیں اس کے بدلے میں طویل العمر بچہ عطا فرمائے۔

زکوٰۃ کے متعلق بابو جیؒ نے خواجہ مسعود کو خط میں تحریر فرمایا۔

''اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ سیّد صاحبان زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں یا نہیں وہ جو کہ اس کے حق میں نہیں ہیں وہ اسے ''میل'' کہتے ہیں جبکہ اب وہ بھی ایسا کہنا درست نہیں سمجھتے اور وہ سیّد کو مستحق جانتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ چونکہ آج کل ''خمس'' موجود نہیں ہے اور ایسے لوگ اگر سخت تنگدستی میں ہوں تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔اگر میں کسی سیّد کو زکوٰۃ دیتا ہوں اُن کا قرض ادا کر دیتا ہوں تو وہ اس صورت میں کہ وہ ضرورت کی اشیاء قرض پر لیتے ہیں اور میں اُن کا قرض ادا کر دیتا ہوں۔اور قرض کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ خرچ

کرنا جائز ہے۔ ہمارے حضرت اعلیٰؒ بھی انتہائی ضرورت کی حالت میں سیّد کیلئے زکوٰۃ کو جائز قرار دیتے ہیں میں ایسے شُرفا کو جانتا ہوں جو مانگنے پر شرماتے ہیں اس لئے میں اُن کے لیے مانگ رہا ہوں۔

7اپریل 1962 کو بابو جیؒ نے ملک شیر محمد کو تحریر فرمایا:

''میں ہر ایک کا بہی خواہ ہوں اور یہ کہ میں کبھی کسی شخص کو مجبور نہیں کروں گا کہ وہ اپنے من پسند امیدوار کے خلاف ووٹ دے۔ آپؒ نے مزید فرمایا کہ وہ نہ ہی ملک صاحب کے لوگوں کے دشمن ہیں اور نہ ہی قریشی صاحبان کے۔''

29اپریل 1961 کو بابو جیؒ نے فرمایا۔

''نہ ہی ہم نے کسی کو کوئی ضرر پہنچائی ہے اور نہ ہی ہمیں کسی سے کوئی شکایت ہے۔''

12 مارچ 1963ء کو تحریر کیے گئے مکتوب میں حضرت بابو جیؒ صاحب نے اپنے جسم میں ٹیسیں مارنے والے درد کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ وہ تو ایک مختصر عرصے کے ایسے مسافر ہیں جو اپنے وطن حقیقی سے دور ہو۔

17اکتوبر 1963 کو بابو جیؒ نے خواجہ مسعود کو تحریر فرمایا۔

''محبوب نے ذیل کے ایک مصرعے سے ایک خوشگوار سماں پیدا کر رکھا ہے۔

''آج ساقی نے قطرے سے دریا کر دیا''

9 مئی 1961ء کو بابو جیؒ نے تحریر فرمایا: ''میں نے کبھی کسی کو ذاتی کام کے لیے درخواست نہیں کی۔''

عراقی سفیر سیّد عبدالقادر الگیلانی صاحب بابو جیؒ کے حال احوال کے متعلق مسلسل دریافت کرتے تھے جن کا خواجہ مسعود کے پاس 21 جولائی 1958 کو کراچی جانے کا ارادہ تھا۔

آپ نے اپنے ایک خط میں فرمایا کہ شورش نے محبوب کے متعلق عید نمبر میں بہت خوب لکھا ہے لوگ اسے پڑھ کر بے حد سراہ رہے ہیں۔

عوام کے ساتھ برتاؤ

14 مارچ 1966ء کو بابو جیؒ نے مدینہ منورہ سے خواجہ مسعود کو خط تحریر فرمایا جس میں آپؒ

نے فقیر صاحب کے خلوص اور بھلائی کی بے حد تعریف فرمائی اور یقین دلایا کہ وہ ایسا شخص ہے جسے اپنی عقیدت مندی اور وفاداری کی بنا پر کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

13 جولائی 1966 کو بابو جیؒ نے فقیر صاحب کو ہدایت دی کہ سیّد عبدالقادر الگیلانی صاحب سفیر عراق، بشیر صاحب، چوہدری ہمایوں، راشد اور احسن خان (حج آفس) کو آم بھجوا دیں۔ اس کے علاوہ آموں کی ایک ٹوکری اس ڈاکٹر صاحب کو بھجوا دیں جس نے کراچی میں میری آنکھوں کا معائنہ کیا تھا۔ اور ایک ٹوکری اس ڈاکٹر کو بھی جو مجھے وہاں احمد داود کی معرفت لے گیا تھا۔

10 اکتوبر 1963 کو بابو جیؒ نے تحریر فرمایا۔

''شاہ صاحب کو نہ بتایا جائے کیونکہ اس کی پریشانی میں اضافہ ہو جائے گا۔ آخر وہ ایک سیّد ہے اور اس رشتے کو سب پر فوقیت دینی چاہیے۔''

29 جولائی 1963ء کے خط میں بابو جیؒ نے خواجہ مسعود کا اپنے لئے تکلیفیں اٹھانے پر شکریہ ادا فرمایا کہ ایک مرتبہ رشتہ استوار ہو جائے وہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔''

20 جنوری 1956ء کو خواجہ صاحب کو تحریر فرمایا:

''میری صحت کا انحصار آپ کی صحت اور آرام پر ہے۔''

5 اپریل 1959ء کو بابو جیؒ نے فرمایا:

''جو کوئی مجھ سے ملتا ہے یا خط لکھتا ہے وہ مجھ سے اپنی مشکلات بیان کرتا ہے۔ ان کی پریشانیوں کی وجہ سے میری نیند اور اشتہا متاثر ہو چکے ہیں اور میری صحت گرتی جا رہی ہے۔''

17 اگست 1958ء کو بابو جیؒ نے کراچی سے خط تحریر فرمایا۔

''گزشتہ روز سیّد عبدالقادر الگیلانی صاحب ہمارے پاس تشریف لائے کوئی ساٹھ ستر لوگ ساتھ تھے۔ وہ بہت مہربان انسان ہیں۔ میں ہر روز ان کے پاس جاتا ہوں میں نے ان سے درخواست کی کہ ہم سب کے لیے دعا فرمائیں۔''

24 ستمبر 1960ء کو بابو جیؒ نے تحریر فرمایا:

''آج ایسا وقت آ گیا ہے کہ خلوص اور وفاداری ناپید ہوتی جا رہی ہے بلکہ ناپید ہو چکی ہے

جو کوئی دوست بنتا ہے یا پیر بھائی اس میں بھی کوئی مطلب پنہاں ہوتا ہے۔''

وظائف

ملتان کے خواجہ صاحب کو ہدایت کی کہ ہر نماز کے بعد نصر من اللہ و فتح قریب پڑھا کریں۔ اور اس سے قبل اور آخر میں گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

15 نومبر 1941 کو بابو جیؒ نے اپنے خط میں لوٹھڑ صاحب (غلام محمد عرف مائی بھاگو) کو ہدایت دی کہ ذیل کے کلمات کا ورد کریں۔

''چہل کاف'' گیارہ مرتبہ اور اس کے قبل اور آخر میں گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف اور پھر اس کے بعد ایک سو گیارہ مرتبہ یا کافی اور اس کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف اور دعا کریں۔

بابو جیؒ نے خواجہ صاحب کو تحریر فرمایا۔

''اگر آپ جناتی اثر محسوس کریں تو تیرہ مرتبہ آیت الکرسی پڑھیں اور اس سے قبل اور آخر میں سات سات مرتبہ درود شریف پڑھیں اور اپنے آپ پر پھونک دیں۔''

16 اگست 1954 کو بابو جیؒ نے خواجہ صاحب کو تحریر فرمایا:

''اگر آپ کو شک ہے کہ یہ جادو کا اثر ہے تو آخری سورتیں سات سات مرتبہ پڑھیں اور ان کے قبل اور آخر میں سات سات مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ پھر پھونکیں۔ پانی کے چند قطرے چھڑکیں اور ایک گھونٹ پینے کو دیں۔''

29 جولائی 1957ء کو بابو جیؒ نے خواجہ مسعود کو اطلاع دی کہ متعلقہ شخص پر کوئی جناتی اثر نہیں ہے اس لیے اس کا طبی معائنہ کرایا جائے۔ الحمد شریف 7 مرتبہ پڑھیں اور اس سے قبل اور آخر میں سات سات مرتبہ درود شریف پڑھ کر پھونکیں۔

21 اکتوبر 1934ء کو حضرت اعلیٰؒ کی اجازت سے بابو جیؒ نے شیخ الجامعہؒ کو تحریر فرمایا۔

''چہل کاف'' گیارہ مرتبہ روزانہ گیارہ دن پڑھیں اور اس سے قبل اور آخر میں تین تین مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ حضرت اعلیٰؒ نے اجازت فرمادی ہے کہ آپ قصیدہ روزانہ گیارہ مرتبہ پڑھیں اور اس سے قبل اور آخر میں تین تین مرتبہ درود شریف پڑھیں۔

''شیر محمد صاحب کو ہدایت کی گئی کہ 7 مرتبہ الحمد شریف پڑھیں اور اس سے قبل اور آخر میں گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں اور پھر جسم کے درد والے حصے پر پھونکیں۔''

☆☆☆☆☆☆

تیسواں باب

بابو جیؒ کی تعلیمات

سرگودھا والے غلام دستگیر کے نام بابو جیؒ کے خطوط سے اقتباسات۔

(1) نمازیں فرض ہیں۔قصداً ایک نماز کو چھوڑ دینا کفر ہے۔

(2) ہمہ وقت باوضو رہیں۔جب نماز کا وقت ہو جائے دوسرے تمام کام چھوڑ دیں۔

(3) خیر خواہ اور بدخواہ کے درمیان امتیاز برتیں۔یہ ضروری ہے کہ دوست اور دشمن میں فرق کو سمجھا جائے۔اسی طرح ایک سچے دوست اور منافق کے درمیان بھی تمیز کرنا چاہیے۔ دوست سے ہی مشورہ لینا چاہیے۔

(4) اچھے کام کی عادت پیدا کرنا چاہیے۔

(5) سب کے ساتھ یکساں سلوک کریں اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں۔

(6) حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پابندی سے ادا کریں۔

(7) یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔یہاں کوئی بھی مستقل نہیں رہ سکتا۔اس طویل سفر کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں جو آپ کو ایک دن شروع کرنا ہے۔

(8) روزانہ قرآن شریف کا ایک پارہ تلاوت کریں درود شریف کی ایک تسبیح اور ایک تسبیح یا حی یا قیوم کی۔

(9) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں اس لیے اس کے احکامات بجالانا ضروری ہیں۔

(10) سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) سات مرتبہ تلاوت کریں اور سات سات مرتبہ درود شریف اول اور آخر میں پڑھیں اور ہاتھوں پر پھونک کر اپنے بدن پر پھیریں۔

(11) استحصال اور ظلم وتشدد اچھی چیزیں نہیں ہیں اللہ سے ڈریں وہ حقیقی بادشاہ ہے۔اور وہی مالک الملک ہے اس نے آپ کو سب کچھ دے رکھا ہے اور اگر وہ چاہے وہ چھین بھی سکتا ہے اور یہ عام مشاہدے کی بات ہے اللہ کی مخلوق کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور ان پر رحم

کرو تا کہ وہ آپ سے خوش رہیں اور دعائیں دیں اللہ غریبوں اور محتاجوں کی سنتا ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھے گا کہ آپ نے اللہ کی مخلوق کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا آپ کو اس بات کا جواب دینا ہوگا خیرات مشکلات کو دور کرتی ہیں۔

(12) اگر آپ کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتے اور کوئی آپ کو ضرر پہنچاتا ہے اس کے لیے وہ اللہ کے سامنے خود جواب دہ ہوگا۔

اپنے پیروکاروں کو پندونصائح

(1) خالص اطاعت عبادت (نماز) کی روح ہے۔

(2) اپنی روحانی اشتہا کو تیز کرو۔مضبوط ایمانی قوت کے ساتھ ہزاروں سال کی مسافت کم ہو کر ایک قدم کے برابر ہو جاتی ہے

(3) اللہ کے ساتھ رابطہ استوار رکھیں۔وہ غفورالرحیم ہے۔

(4) عاجزی اختیار کریں اور اسے کبھی ترک نہ کریں۔

(5) نیک راہ کو کبھی ترک نہ کریں۔

(6) حبل متین وہ لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے انہیں پکڑے رکھیں۔

(7) ہمہ وقت باوضو رہیں۔پانچ وقت کی نماز قائم رکھیں۔

(8) انسان کو اللہ کی مخلوق سمجھ کر اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

(9) حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کریں۔

(10) اللہ تعالیٰ غریبوں اور دکھی انسانوں کی فریاد فوراً سنتا ہے تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور لوگوں کے ساتھ معاملات کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

(11) ظلم وتشدد اچھی بات نہیں۔اللہ سے ڈریں۔وہی قادر مطلق ہے اس نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے اگر وہ چاہے آپ سے چھین بھی سکتا ہے۔

(12) آپ نے یہ آیت پڑھی ہے کہ ہر کام میں مشیت الٰہی ہوتی ہے۔تو پھر آپ فکر کس بات کی کرتے ہیں۔

(13) اخلاق حسنہ پر سختی سے کاربند رہیں۔

(14) انسان کو چاہیے کہ وہ سوچے کہ وہ اس دنیا میں کس مقصد کیلئے آیا ہے اور اس نے اب تک کیا کچھ حاصل کر لیا ہے۔

(15) اپنا وقت اللہ کی یاد میں گزاریں۔یہ وقت آپ کو اسی نے عنایت کیا ہے۔

(16) اپنی زندگی اسی ذات کے دکھائے ہوئے راستے پر چل کر گزار دیں۔

(17) یادالٰہی کے بغیر سکون قلب حاصل نہیں ہوسکتا۔

(18) خبردار! یہ دنیا سچی خوشی کی جگہ نہیں ہے۔

(19) آپ جہاں کہیں بھی ہوں اُسے یادرکھیں۔

(20) ایک مسافر کی طرح زندگی گزاریں۔

(21) اہل اللہ کی چوکھٹ کے طلب گار بنو۔ان کے آستانوں کی خاک اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ اسکو نہ چھوڑو۔

(22) سلف صالحین کے راستے کو ہی سیدھا راستہ سمجھو۔ جو کہ نیکوکاروں کا راستہ ہے۔

(23) اپنی منزل حقیقی کی طرف لوٹنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہیں۔

(24) جس حالت میں ہوں اپنے مالک حقیقی کو ہمیشہ یادرکھیں۔

(25) اللہ آپ کو خلقِ خدا کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(26) اپنی پوری زندگی اسی کی راہ میں صرف کردیں۔

(27) امید کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

(28) یہ دنیا ایک سراب ہے ایک فریب ہے۔اس کے ساتھ کوئی تعلق قائم نہ کریں۔اور نہ ہی اپنے دل میں اس کے لئے جگہ بنائیں ورنہ انجام تباہی ہوگا۔

(29) شریف لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔

(30) اللہ کو کسی غرض کی خاطر یاد نہ رکھیں بلکہ اسے اپنا مالک اور رب جان کر یادرکھیں۔

(31) اللہ کے محبوب انسانوں کے ساتھ وفا کو اپنا فرض سمجھیں اور اس وفا کو استوار رکھیں۔

(32) ثواب پر نظر نہ رکھیں بلکہ ثواب دینے والے پر نظر رکھیں۔

(33) ساری دنیا کے گناہ جمع کر کے ترازو کے ایک پلڑے میں ڈال دیں اور دوسرے پلڑے میں اللہ کی رتی برابر رحمت۔ وہ ثواب کی بنیاد پر فیصلہ نہیں سنائے گا۔بلکہ رحمت خداوندی پر فیصلہ کرے گا۔

(34) یہ کائنات اللہ کی کتاب ہے اسے پڑھ کر اس سے سبق حاصل کریں۔

(35) کسی عمارت کی مضبوطی کا دارومدار اس کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

تعلیم وتربیت کی اہمیت پر بات کرتے ہوئے باباجیؒ نے اپنے خط میں میاں علی اکبر صاحب (بالا ضلع میاں والی) کے صاحبزادے کو تحریر فرمایا۔

''اللہ تمہیں علم باعمل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ محنت کرو اور اپنا وقت ضائع مت کرو۔ وقت بڑی نعمت ہے اور اسی طرح علم بھی۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک اَن پڑھ انسان خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ سات مرتبہ یہ آیت پڑھا کرو۔ **سبحانک لا علم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیم الحکیم۔** (پارہ۱۔سورۃ البقرہ۔آیت۳۲)

اور اس سے قبل اور آخر میں گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھو''

اسی طرح کی تلقین باباجیؒ نے اپنے خط محررہ ستمبر 1938ء میں اس کے بیٹوں کو بھی کی۔

ایک منٹ کیلئے بھی اللہ کی مرضی کے خلاف سوچنا عبودیت کے اصول کے خلاف ہے میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا کا طلب گار ہوں۔ خدا مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (خط بنام شیخ الجامعہ 30 جون 1937ء)

2 ستمبر 1968ء کو باباجیؒ نے رائے محمد یار خان کو درد کے متعلق تحریر فرمایا۔

''درد ایک عجیب کیفیت کا نام ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس سے محروم نہ کرے۔''

بسوی مصر یا نم مے کشد دل

ز مصر از قاصدے نبود چہ حاصل

دلم خواہد کہ پرم سوئے یاراں

دوالِ من بدستِ باز داراں

اس وقت محبوب قوال نے روح تڑپانے والا سماں پیدا کر رکھا ہے۔ آنسو مسلسل جاری ہیں۔ وہ کہتا ہے:

اُڈ گئے پنچھی ہتھیں رہ گئیاں ڈوراں

خالی تاں پنجرے پئے بولدے

میرے رُس گئے جانی نہیں بولدے

حضرت قبلہ بابو جیؒ صاحب پشاور میں واصل سیٹھی کی شادی کی تقریب میں

یعنی سب پرندے اڑ گئے ہیں۔ اور صرف ڈوریں ہاتھوں میں رہ گئی ہیں۔ سب پنجرے خالی پڑے ہیں۔ میرا محبوب مجھ سے روٹھ گیا ہے اب وہ مجھ سے نہیں بولتا۔

ان مصرعوں سے فراق کی کسک کو محسوس کیا جا سکتا ہے ان کی تشریح کرنا محال ہے۔

وہ ذات درد کی قدر کرتی ہے۔ وہ دردمند سے محبت کرتا ہے کیونکہ خود اس کے پاس یہ نہیں ہے۔ اس لئے وہ اسے بہت اہمیت دیتا ہے۔ میرے مولائے رومیؒ بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''عجز و انکسار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ اللہ کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ نماز سراپا عجز و انکسار ہے۔ اللہ اپنی مخلوق کو پانچ وقت عجز و انکسار کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔''

شیخ عطار نے بھی اللہ تعالیٰ سے تھوڑا سا درد طلب کیا ہے یہ بہت قیمتی تحفہ ہے۔ پس اس مالک حقیقی کے بن کر رہو۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ میں اور آپ نہیں ہونگے صرف وہی ذات باقی رہے گی۔ (خط 12 اپریل 1968 بنام راؤ محمد یار خان)

''میرا دل درد محسوس کر رہا ہے۔ اللہ مجھے دل کی بیماری عطا کر دے جو مجھے آرام پہنچاتی ہے۔ روح بس اب پنجرے سے پرواز کیلئے تیار ہے۔ اس وقت وہ بے قرار ہے۔ اللہ کے ہاں درد کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ خدا کرے درد کے ساتھ انجام کا اعلان ہو۔''

(خط 17 دسمبر 1968 بنام محمد یار خان)

بابو جیؒ ہمیشہ اپنے صاحبزادوں کو تلقین فرماتے کہ اللہ سے تھوڑا سا درد مانگیں۔

''اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ اور توبہ کرو۔ اس سے بخشش ہوتی ہے۔ شیطان باوجود عقیدت اور نمازوں کے راندۂ درگاہ رہا کیونکہ اس نے تکبر اور غرور کیا۔ جبکہ آدم اپنے گناہ پر نادم ہوا اور بخشش کا سزاوار ٹھہرا۔''

(خط 24 جنوری 1965ء بنام غلام دستگیر)

عشق انسان کو حیوان سے الگ کرتا ہے۔ اس کے ذریعے تانبے کو سونے میں تبدیل کیا

جا سکتا ہے۔ یہی سبب بھی ہے اور یہی انجام بھی۔

اپنے اندر اخلاص پیدا کرو اور اپنے تمام اعمال میں اسکو برتو۔

زندگی بغیر عبادت کے شرمندگی ہے۔ عبادت سے زندگی سنورتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کئے ہیں۔

بے لوث اور فی سبیل اللہ دوستی بہت فائدے کی چیز ہے۔ مومن کو کبھی نا امید نہیں ہونا چاہیئے۔ امید رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔ اور نا امید ہو جانا کفر ہے۔ مصائب ایسے اسباب ہیں جن سے ہم اپنے آپ کو کسی بڑی تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

بابو جیؒ کا مسلک رجائیت اور امید رکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ گناہگاروں کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ مالک الملک اور لا فانی ہے۔ ایک معزز انسان ایک بار وعدہ کر لے تو وعدہ خلافی نہیں کرتا' نہ ہی اپنے ہمراہیوں سے راستے میں جدا ہوتا ہے۔ تو وہ جو ہمارا خالق و مالک ہے' وہ ہمیں کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ اگر چہ ہم اپنی ناتوانی کے سبب کسی آزمائش کے قابل نہیں مگر یہ اُس کا ہی کام ہے کہ ہماری آزمائش کرے اور کبھی کبھی وہ ہماری آزمائش کرتا ہے اور ہماری کشتی کو بھنور میں پھنسا دیتا ہے اور پھر خود ہی اسکا ملاح بن کر اسے کنارے لگا دیتا ہے۔ (بنام خواجہ غلام ملتانی)

''اسی ذات کی نسبت میں آباد رہو۔ اس نسبت کو خدا کی عدالت میں ساتھ لے جاؤ وہ اسے قبول کرے گا اور تسلیم کر لیگا۔ یہ سکہ کھرا ہے جو اس کی منڈی میں قابل قبول ہے۔'' (بنام اسماعیل سیٹھی)

مزید پند و نصائح

بابو جیؒ نے اپنے خطوط کے ذریعے جو پند و نصائح عادل خان (قصور والے) کو تحریر فرمائے تھے وہ اس کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

'' جب کسی خاندان کے افراد میں بے اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے عزت اور وقار جاتا رہتا ہے بہت سے شریف خاندان اس کی وجہ سے مٹ گئے ہیں۔

میں آپ کے بزرگوں کو دیکھتا ہوں عزت اور توقیر کرنے کی جو فصل اُنھوں نے بوئی ہے وہ

کافی بھی ہے۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔" (خط 14 جولائی 1951)

"دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھو۔ ہر شخص کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق سلوک کرو۔ خوش خلقی کا اصول اپناؤ۔ غریب اور مساکین کی فی سبیل اللہ مدد کرو۔ بڑوں کا ادب کرو، چھوٹوں پر رحم کرو۔ رعایا بھی افراد خانہ کی طرح ہوتی ہے ان کے ساتھ گھر کے افراد جیسا سلوک کرو۔ کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنا حرام ہے۔ اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اپنے آپ کو اسقدر گراں بار مت کرو کہ اس کے بوجھ تلے دب جاؤ۔"

(خط 5 ستمبر 1951)

انہیں عادل خان کے پاس حضرت قبلہ بابو جیؒ کی شادی کے موقع پر حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہؒ صاحب کی طرف سے عادل خان کے والد محمد شہباز خان کو بھیجا ہوا دعوت نامہ بھی محفوظ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اکتیسواں باب

بابوجیؒ کے پسندیدہ اشعار

ذیل میں دیئے گئے اشعار ان خطوط سے لئے گئے ہیں جو آپ نے جناب اسماعیل سیٹھی کو تحریر فرمائے تھے۔

10-3-1958

وصلت به حسن نشد میسّر
بے چاره هزار چاره کرده

29-7-1939

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعا
فانی است دوستِ او دستِ خدا
در دست نہ تیرا ست نہ بردوش کمان است
این سادگئی ہست کہ بسمل دو جہاں است

2-2-1952

ہستی سے تیری جب کہ نہ اک تارِ مُو رہے
میدانِ عشق میں تری تب آرزو رہے
تو ہی تو کا تکرار ہے

27-5-1953

کرم کردی الٰہی زندہ باشی

17-2-1953

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد ازنظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

27-4-1940

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

30-7-1959

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

تیرے عشق نچائیاں کر کے تھیا، تھیا

26-7-1954

اُس کا مآل دیکھئے اس کا ملال پوچھئے

جو نہ انہیں بلا سکے جو خود وہاں نہ جا سکے

7-3-1961

تیرے خیال کو کعبہ بنا لیا میں نے

19-8-1946

نہ ہنستے بنے اور نہ روتے ہی بیدم

محبت کا ہے کچھ عجب کارخانہ

ہوا ختم ہستی کا میری فسانہ

بدلتا رہے کروٹیں اب زمانہ

12-01-1946

گم گشتہ ام در ذات او

اِنّا الیہ راجعوں

8-9-1939

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مُشتِ غبار ہوں

☆

سار باناں! مہرباناں! راہیا! شالا جیویں، خیر تھیوی ماہیا

3-9-1950

اے ولی اس بے وفا کی مہربانی پر نہ پھول
دل کا دشمن ہے اگر کرتا ہے باتیں پیار کی

2-12-1939

دل بھر گیا ہے کثرت رنج و ملال سے
پھر بھی جو دیکھتا ہوں تو خالی ہے جائے دوست

7-6-1941

قافلے پہنچے ہزاروں منزل مقصود تک
میں اکیلا رہ گیا نقش کفِ پا دیکھتا

1964ء

جان من قربان بر مولائے رومؒ

29-3-1942

تمہاری دوستی کی انتہا آخر یہی ہوگی
کہ جن سے دوستی ہوگی اُنہی سے دشمنی ہوگی
غلط ہے یہ گماں تیرا کہ چاہت میں کمی ہوگی
تیری بے التفاتی سے تو حسرت اور بھی ہوگی

14-8-1946

چوٹ وہ کھائی ہے دل پر جو کبھی کھائی نہ تھی

☆

احنّ شوقاً الی دیارٍ لقیت فیھا جمال سلمیٰ

کہ می رساند اَزآں نواحی نوید وصلت بہ جانب ما

(جامیؒ)

22-2-1942

کُنجِ تنہائی سہی لیکن بہل جاتا ہے دل

کچھ تمہاری یاد سے کچھ نالہ وفریاد سے

☆

کعبہ ہرچندے کہ خانۂ بر اوست

خلت من نیز خانہ سر اوست

قاضی غلام احمد کو لکھے گئے خطوط سے لئے گئے اشعار:

13-9-1934

خیر اچھا ہے کہ ہم پر مہرباں کوئی نہ ہو

وہ خفا ' تقدیر برگشتہ ' زمانہ مدعی

☆

ہزاروں غم ' کروڑوں حسرتیں ' لاکھوں تمنائیں

بہت کچھ لکھنے والے نے میری قسمت میں لکھا ہے

☆

ہمیں وہ قتل کرتے ہیں زمانہ دیکھ لے آ کر

نصیحت کی نصیحت ہے تماشے کا تماشہ ہے

سب کی نظروں سے گرے ان کی نظر سے کیا گرے
ہوگئی دنیا کو نفرت، ان کو نفرت کیا ہوئی

22-8-1935

جب وہ آتے ہیں تو ہوتی ہے مسرت مجھ کو
جب وہ جاتے ہیں تو اک طرح کا غم ہوتا ہے
مختصر یہ ہے کہ سچ کہتے ہیں کہنے والے
جس کو ہوتی ہے خوشی اس کو الم ہوتا ہے

6-7-1939

موت وحیات میری دونوں تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

21-3-1944

نصابِ حسن در حدِ کمال است
زکوٰتم دہ کہ مسکین و فقیرم

☆

یادِ اُو سرمایہ ایماں بُود
ہرگدا از یادِ او سلطاں بُود
یادِ اُوگر مُونس جانت بُود
ہر دو عالم زیرِ فرمانت بُود

قاضی اشتیاق احمد کو لکھے گئے خطوط سے اشعار

19-12-1956

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی است
اسیر بندِ تو از ہر دو عالم آزاد است

14-5-1958

شنیدم کہ در روزِ امیدوبیم
بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

☆

ہے یاد صفت دل کی نہ کاغذنہ قلم کی
جب یاد ہودل میں نہیں حاجت ہے رقم کی

حضرت شیخ الجامعہ ؒ کو لکھے گئے خطوط سے اشعار

20-6-1934

اللہ اللہ یک نظر برمافگن
لا تقنطنا فقد طال الحزن

26-3-1934

سید و سَروَر محمدؐ نورجاں
بہتر و مہتر شفیع مجرماں

☆

بصدق وصفا گشت بیچارہ جامیؒ
غلامِ غلامانِ آلِ محمدؐ

18-9.1934

دوچار دن کی زندگی مستعار ہے
کیا اعتبارہو کہ یہ بے اعتبار ہے
ممکن نہیں ہے رشتہ الفت کا ٹوٹنا
یہ یار کی قسم ہے نہ پیمانِ یار ہے

حاضر ہوں خواہ قتل کرو خواہ بخش دو

میرے برے بھلے کا تجھے اختیار ہے

10-8-1934

مجھے کام کیا تھا رکوع سے مجھے ہوش کب تھا سجود کا

تیرے نقشِ پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

16-1-1935

خواجۂ ما درمیان اولیاء

چوں محمدؐ درمیانِ انبیاء

کن فیکون جداں آکھیا آہا تاں اساں بھی کولے آہسے

ہکے لامکاں مکاں اساڈا ہکے بت وچ آں پھتیا سے

کن فیکون تاں کل دی گل ہے اساں اگے دی پریت لگائی

توں میں حرف نشانِ نہ آہا جدوں دتی میم گواہی

2-6-1935

روز کے صدموں نے مجھ کو کردیا افسردہ دل

جو طبیعت پیشتر تھی وہ طبیعت کیا ہوئی

11-6-1935

کارسازِ ما بہ فکرِ کار ما

فکر ما در کارِ ما آزار ما

24-9-1935

چشم دل بکشاء جمال یار بیں

ہرطرف ہر سو رخِ دلدار بیں

☆

من ندیدم غیر جاناں در جہاں

درحقیقت اوست پیدا وُ نہاں

2-10-1935

ہم کسی قابل نہیں یہ بات ہے مانی ہوئی

9-2-1936

میں کسی قابل نہیں یہ بات ہے مانی ہوئی

3-9-1937

چوٹ وہ کھائی ہے دل پر جو کبھی کھائی نہ تھی

☆

بازار وکیندا کلفا ،خوش دس وے ماہی دیا ملکا

تے اسیں پردیسی جی وے ڈھولا

ڈھول جانی ساڈی گلی آویں تینڈی مہربانی

نمی گوئم کہ درچشمت عزیزم

کنیزانِ ترا کمتر کنیزم

12-9-1937

میں جو ہوں سو ہوں وہ جو ہے سو ہے

8-5-1938

آباد خدا رکھے میخانہ محمدؐ کا

14-6-1938

سکون وصبر نے جس دن سے میرا ساتھ چھوڑا ہے

کہا کرتے ہیں اب وہ یوسف بے کارواں مجھ کو

2-6-1942

شہ جیلانؒ مددگارِ تو باشد

معین الدینؒ غمخوارِ تو باشد

☆

نمی گویم کہ از عالم جدا باش

بہر جائیکہ باشی باخدا باش

1944ء

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

از ل سے دونوں عالم جستجو میں جس کی رہتے ہیں

وہ میرے ساتھ رہتا ہے مگر پوشیدہ پوشیدہ

جناب چشتی صاحب کو لکھے گئے خطوط سے اشعار

18-7-1951

چوں کشائی چشمہ اہل یقیں

ہرطرف تاباں جمال یار بیں

بندۂ خود خواند احمد دردِ شاد

جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

10-2-1965

میرا سر اٹھانہ اٹھے ترے سنگ آستاں سے

☆

نبا شد خالی از تو ہیچ بزم و ہیچ میخانہ

ز تست آبادی عالم، جہاں بے تست ویرانہ

جناب میاں منظور حسین کو لکھے گئے خطوط سے اشعار

8-6-1959

عیدگاہِ ماغریباں کوئے تو
انبساطِ عید دیدن روُے تو
یفعل اللہ مایشاء چوں خواندۂ
پس چرا در فکر حیراں ماندۂ

دیگر عقیدت مندوں کو بھیجے گئے خطوط سے اشعار

26-9-1968

مردم ز دردِ عشقت بہر خدا نگاہے
پیوستہ گر نباشد درعمر گاہے گاہے
خوردم خدنگ عشقت اے نازنیں نگاہے
ظاہر اگر نباشد پوشیدہ گاہے گاہے

23-11-1968

رنج گنج آمد کہ رحمتہا در اوست
مغز تازہ شد چو بخراشد پوست
آں بہاراں مضمرست اندر خزاں
دربہارست آں خزاں مگریز ازاں

17-12-1968

دردِ دل سے کبھی جدا نہ ہوا
اک یہی دوست بے وفانہ ہوا
زندگی لُٹ گئی عبادت میں
ایک سجدہ بھی کام کا نہ ہوا

8-12-1968

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم

خاکت شوم وزیر پائے تو زیم

مقصود من بندہِ ز کونین توئی

از بہر تو میرم وزبرائے توزیم

کرنل عبدالغفار خان کو لکھے گئے خطوط سے اشعار

6-7-1966

ہیچ کسے بخویشتن رہ نہ برد بسوئے او

بلکہ بہ پائے او رود ہر کہ رود بکوئے او

15-10-1966

نیاوردم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیزومن چیزے تست

13-10-1963

کفر کافر را و دیں دیندار را

ذرۂ دردے دل عطار را

نہ بشرخوانمت اے دوست نہ حور و پری

ایں ہمہ بر تر حجاب اند و تو چیزے دگری

ہیچ صورت نتواند کہ کند بند تُرا

درصور ظاہری اما نہ اسیر صُوری

(جامیؒ)

مزید حوالے

زندگی اور موت

وہ کونسی موت ہے جس کے بعد ایک اور زندگی ہے اور وہ کونسی زندگی ہے جسکے بعد کوئی موت نہیں ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانی نے جواب دیا:

''وہ موت جس کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے یہ ایسے لوگوں کی موت ہے جو اس دنیا کی زندگی کو ہی اصل اور سب کچھ سمجھ لیتے ہیں وہ اپنی تمام خواہشات اور مقاصد کی تکمیل اسی دنیا میں کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں۔ ان کا انتہائی مقصد حیات یہی مادی دنیا ہے اور بس یہی ان کی آخری موت ہے۔ دوسری دنیا میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ اور وہ زندگی جس کے بعد کوئی موت نہیں ہے یہ ایک ابدی زندگی ہے جس میں جسم باقی نہیں رہے گا لیکن اللہ کی ذات میں فنا ہونے کے بعد یہ اطمینان ابدیت حاصل کرلے گا۔ اللہ کی ذات میں فنا ہونے کا نام ہی درحقیقت زندگی ہے۔''

بابو جیؒ اپنے صاحبزادوں کو تلقین فرماتے کہ وہ کوشش کریں کہ یہ ابدی زندگی حاصل ہو جائے۔

''جہاں تک اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ رشتہ کا تعلق ہے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کیلئے ایسا وقف کردے کہ اس کے ذہن میں مخلوق کا تصور ہی نہ آئے۔ اور بندگان خدا کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے اپنے نفس امارہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے جب تم تخلیق کے پردے کو اٹھا کر اللہ کی طرف بڑھو گے تو تم اسے پالو گے اور باقی مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔'' اس کیلئے عربی زبان کے قواعدِ لغت سے بسم اللہ کی ترکیب میں الفِ وصال کی مثال سامنے رکھی جا سکتی ہے جہاں ''بسم'' درحقیقت ''باسم'' ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ بیرونی انفرادیت کو ترک کرنے سے ''وجودِ عینی'' کی نفی اور ''وجودِ علمی'' کا اثبات ہوتا ہے جبکہ ''عین ثابتہ'' خالق حقیقی کے ساتھ وحدت کا مظہر ہوتے ہیں۔ اللہ کے ولی کا

دل جس میں الٰہیاتی اور صفاتی وجود کا ظہور ہوتا ہے حجابِ زمان و مکاں کی تاریکیوں میں سے انوارِ حقیقی کی جھلک دکھاتا ہے۔

شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ نے کہا ہے انسان اور خدا کے درمیان پردہ نہ زمین ہے اور نہ آسمان' نہ عرش ہے اور نہ کرسی' یہ پردہ تمہاری خود فریبی اور انانیت ہے تم جب ان کو ہٹادو گے تو خدا کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ (نفحات الانس 345)

حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے "یہ دنیا ایک لمحہ ہے یعنی ایک تجلی۔ یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت لیکن ہمارے ذہنوں میں یہ وقت کا گمان پیدا کرتی ہے اور ہم دنیا کو قائم و دائم سمجھتے ہیں۔ حقیقت تک پہنچنا مشکل ہے۔ صرف صوفیائے کرام اس حقیقت تک پہنچنے کیلئے اپنے آپ کو زمان و مکان کی قید سے آزاد کر کے ذاتِ خداوندی کے ساتھ ایک ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ انسان کامل خدا کی مثل یعنی (نسخہ حق) ہوتا ہے جس میں تمام اسرار و رموز موجود ہوتے ہیں۔" (ترجمہ مثنوی جلال الدین رومیؒ صفحہ 96 مولف آرائے نکلسن)

درحقیقت تمام مظاہر قدرت ہمہ وقت بنتے اور مٹتے رہتے ہیں اور اس عمل کے پیچھے قادر مطلق کی "کن فیکون۔ کی خلقیت کارفرما ہوتی ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔"

منہ دل دریں دیر ناپائیدار
زسعدیؒ ہمیں یک سخن یاد دار

یعنی جو کوئی مالک حقیقی کے ساتھ ملنے کی توقع رکھتا ہے تو اسے نیک اعمال کرنے چاہئیں کیونکہ وہی عبادت کے لائق ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہئے۔

فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولایشرک بعبادۃ ربہ احدا

(پارہ۔١٦۔سورہ الکہف۔آیت ١١٠)

انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کما حقہ شکر ادا کرنا چاہئے اور تسلیم کرنا چاہئے کہ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور اس میں انسان کے ذاتی علم' صلاحیت اور عقل و دانش کو کوئی دخل نہیں ہے یہ نعمتیں اللہ نے پیدا کی ہیں اور وہی مسبب الاسباب اور معطی ہے۔

وما بکم من نعمة فمن اللّٰہ (پارہ ۔۱۴۔سورۃ النحل ۔آیت ۵۳)

تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں

واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة (پارہ ۔۲۱۔سورت لقمان ۔آیت ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا نعمتیں انسانوں پر نچھاور کر دیں

وان تعدوا نعمة اللّٰہ لا تحصوھا (پارہ ۔۱۳۔سورت ابراہیم ۔آیت ۳۴)

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو کبھی نہیں گن پاؤ گے

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولیک ھم الکفرون (پارہ ۔۶ ۔سورت المائدہ ۔آیت ۴۴)

وہ لوگ جو اللہ کی جانب سے نازل کئے گئے احکامات پر عمل نہیں کرتے وہ کفر کرتے ہیں

بابو جیؒ نے کرنل عبدالغفار خان کو تحریر فرمایا:

''توکل کا پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جب انسان اپنے آپ کو ایک نعش کی مانند سمجھ لے۔ جسے غسل دینے والا غسل دیتے وقت اپنی مرضی سے جس طرف چاہے الٹ پلٹ کرا سے صاف کرتا ہے جبکہ نعش نہ ہی کوئی حرکت کرتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اختیار ہوتا ہے۔''

(سہلؒ بن عبداللہ التستری کا قول)

''ہم اللہ کے غلام ہیں مکمل طور پر اس کے مرضی کے تابع اور اس کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں ہم نہایت عاجزی کے ساتھ اس کی رحمت کی التجا کرتے ہیں''

اور بابو جیؒ یہی تلقین اپنے صاحبزادوں اور پیروکاروں کو فرماتے تھے۔

''اور جب تم دنیادار لوگوں کے پاس دولت دیکھو تو اس سے اپنی آنکھیں پھیر لیا کرو تا کہ تم اس کی بدی سے بچ سکو۔ دنیاوی مال و دولت کی بہت چمک دمک ہوتی ہے لیکن آخرت کی شان و شوکت کے مقابلے میں یہ ہیچ ہے۔''

ولا تمدنّ عینیک الی ما متعنا به ازواجاً منهم زهرة الحیوة الدنیا لنفتنهم فیه ورزق ربّک خیرٌ وّابقیٰ (پارہ ۔۱۶۔سورت طٰہٰ ۔آیت ۔۱۳۱)

اور اپنی آنکھوں کو اُن لوگوں پر مرکوز مت کرو جن کو ہم نے زندگانی کی آرائشوں سے حصہ

دیا تا کہ ہم ان کی آزمائش کرسکیں اور تمہارے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق ہی سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

طریقت کے اصول

حضرت شیخ عبدالقادر الگیلانیؒ اپنی کتاب فتوح الغیب کے باب ''طریقت کے دس اصول'' میں اہل مجاہدہ ومحاسبہ اور اولوالعزم لوگوں کی حسبِ ذیل خوبیاں بیان فرماتے ہیں:

1۔ انسان کو کسی معاملے میں بھی اللہ کی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ چاہے جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے ہو اور معاملہ صحیح ہو یا غلط۔

2۔ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا چاہئے قصداً ہو یا مذاقاً۔

3۔ وعدے کا پابند ہونا چاہئے۔

4۔ کسی کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

5۔ کسی کو بددعا نہیں دینی چاہئے اگرچہ اس نے زیادتی بھی کی ہو۔

6۔ کسی اہل قبلہ کے خلاف کفر، شرک یا نفاق کا فتویٰ صادر نہیں کرنا چاہئے۔

7۔ ظاہری یا باطنی گناہوں سے باز رہنا چاہئے۔

8۔ کسی دوسرے شخص پر چھوٹا یا بڑا بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے۔ بلکہ دوسروں کا بوجھ اٹھانا چاہئے۔

9۔ کسی مومن سے کسی قسم کا لالچ نہیں رکھنا چاہئے۔ دوسروں کے پاس مال ومنال دیکھ کر اپنے دل میں اس کی خواہش پیدا نہیں کرنی چاہئے۔

10۔ اسے عاجز ہونا چاہئے۔ عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نگاہ میں اس کا درجہ دوسروں کے مقابلے میں کمتر ہے اور دوسرے سب لوگ اُسکی نسبت بالا و برتر ہیں۔

بابو جیؒ بدرجہ اتم ان تمام خوبیوں کے مالک تھے۔

پاکستان کی آزادی کے دوران بابو جیؒ نے مہاجرین اور غیر مسلم لوگوں کے ساتھ انسانی ہمدردی کے تحت جو امداد فرمائی تھی اس کے تشکر کے طور پر جو خطوط موصول ہوئے تھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ بابو جیؒ کی کس حد تک تعظیم وتکریم کرتے تھے اور وہ آپؒ کے کتنے عقیدت

مند تھے۔

مولوی فرید احمد صاحب کی ڈائری

مولوی فرید احمد صاحب کی کتاب بعنوان ''مولوی فرید احمد کی ڈائری'' سے اقتباس صفحہ 27 جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابو جیؒ کے دل میں اسلام کیلئے کتنی تڑپ تھی اور آپ نے اس سلسلے میں کیا کیا اقدامات کئے۔

3 جون 1968ء

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ عصر اور مغرب کی نماز کیلئے چاولہ گیراج گیا۔ وہاں ملک خضر حیات ٹوانہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بابو جیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے۔ جب وہ پنڈی میں ہوتے ہیں تو بابو جیؒ سے ضرور ملتے ہیں۔ بابو جیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ایک کتاب ''اسلام'' کے نام سے لکھی ہے جس میں اس نے دین کے بنیادی اصولوں کے متعلق شکوک اور متنازعہ بیانات کا اظہار کیا ہے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اسلامی تحقیقی ادارے کے ڈائریکٹر اور اسلامی مشاورتی بورڈ کے رکن ہیں اس لئے اس کی کتاب پاکستان اور غیر ممالک میں اہمیت کی حامل ہے اور اسے حکومت پاکستان کا قومی نقطہ نظر سمجھا جائیگا۔ بابو جیؒ چاہتے تھے کہ میں قومی اسمبلی میں اس معاملے کو زیر بحث لاؤں تا کہ یہ معاملہ عوام کے علم میں بھی آ جائے انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے قومی اسمبلی کے دوسرے ارکان سے بھی اس سلسلے میں درخواست کی ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی کچھ کرنے کیلئے تیار نہیں اور اب صرف میں ان کی آخری امید ہوں۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ حتی المقدور کوشش کروں گا لیکن معاملے کو اسمبلی میں لے جانے سے پہلے میں خود کتاب کا مطالعہ کروں گا۔''

5 جون 1968ء

میں نے کتاب پڑھی اور معلوم ہوا کہ اس میں اسلام کے بنیادی تصورات پر حملے کئے گئے ہیں جو کہ یہ ہیں۔

1۔ جلیل القدر فرشتے جبرئیل علیہ السلام سے انکار۔

2۔ ''معراج'' ایک بناوٹی کہانی ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنے کے بعد آسمان پر اٹھایا جانا۔

3۔ قرآن پاک وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ رسول پاک ﷺ کی تخلیق ہے۔

4۔ قرآن مجید میں تین نمازوں پر زور دیا گیا ہے نہ کہ پانچ نمازوں پر۔ رسول پاک ﷺ خود روزانہ تین نمازوں پر زور دیا کرتے تھے نہ کہ پانچ نمازوں پر۔ رسول پاک خود روزانہ تین نمازیں ادا کرتے تھے۔

5۔ زکوٰۃ مذہبی فریضہ نہیں ہے بلکہ محض ایک ٹیکس ہے۔

6۔ آخرت کے دن حضور پاک ﷺ اپنی امت کی شفاعت کے ذمہ دار نہیں ہونگے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی خود ساختہ باتوں کو پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام دشمن طاقتوں نے اس عظیم المرتبت عہدے پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تقرر کرایا ہے۔ الزامات عام لوگوں کے علم میں لائے گئے۔ ملک بھر میں کتاب کے مصنف کے خلاف ریلیاں اور ہڑتالیں ہوئیں۔

بابو جیؒ کا روزانہ معمول

نماز عصر کے بعد پنڈی تشریف لے جانے کا معمول:

بابو جیؒ روزانہ بعد از نماز عصر راولپنڈی تشریف لے جاتے تھے۔ بابو جیؒ کے اس معمول کو حضور پاک ﷺ کی اس حدیث شریف کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے جو مولانا محمد زکریا صاحب نے فضائل اعمال میں درج کی ہے۔ (صفحہ 441-440)

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یذکر عن ربہ تبارک وتعالیٰ اذکرنی بعد العصر وبعد الفجر ساعۃ اکفک فیما بینھما

(اخرجہ احمد کذا فی الدر)

حضور پاک ﷺ کی حدیث قدسی یوں ہے۔

''اگر تم نماز فجر اور نماز عصر کے بعد کچھ وقت میری یاد کیلئے وقف کر دو تو میں ان دونوں نمازوں کے بیچ کا وقت تمہارے لئے وقف کر دوں گا''۔ یعنی اس دوران اللہ کی پناہ حاصل ہو گی۔

حضور پاک ﷺ کی ایک اور حدیث شریف میں فرمان یہ ہے:

''میں ان نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے کو ترجیح دیتا ہوں جو صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک خدا کو یاد کرتے ہیں بہ نسبت ان کے جو چار عرب غلاموں کو آزاد کرتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کو ترجیح دیتا ہوں جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔''

بابو جیؒ کا خط بنام سر سکندر حیات خان سابقہ وزیر اعلیٰ پنجاب:

له الملک وله الحمد وهو علی کلی شئی قدیر

صورت از بے صورتی آمد بروں

بازشد انا الیه راجعون

آباد خدا رکھے میخانہ محمدؐ کا

میرے مکرم و مہرباں جناب سر سکندر حیات صاحب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آپ کا اخلاص نامہ ملا پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی۔

مہربان! اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسلام کے تحفظ کیلئے آپ کو استعداد عطا فرمائی ہے اور آپ کے دل میں اسلام کے لئے محبت پیدا کی ہے میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں اور شریعت محمدیہؐ کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہوں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ گویم مشکل وگرنگویم مشکل، کاش میں آپ کو ان لوگوں کی حالت زار سے آگاہ کرسکوں جو ظلم مصیبت اور بے بسی کے گہرے سائے تلے اپنی زندگی گزار رہے ہیں اگر ان کی فریاد آپ تک پہنچائی جائے تو بھی مجرم قرار دیا جاتا ہوں اور اگر بموجب حکم آنجناب آپ کی بات اُن تک پہنچائی جائے تو وہ واویلا کرنے لگتے ہیں۔ ایسے میں نہایت ہی دقت کا سامنا آپڑا ہے صرف وہی مالک الملک صبر واستقلال دے سکتا ہے اور امداد کرسکتا ہے۔

مہربانا! آپ نے اپنے فرمان میں اس بات پر زور دیا ہے کہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کی جائے تو اس ضمن میں آپ کو بھی زور دیکر کہنے پر مجبور ہوں کہ جس مکان کی حفاظت آپ کرنا چاہتے ہیں اس کام کے

لئے خلق خدا کو بھی تیار کرنا چاہئے سب سے پہلے جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی بنیادوں کا خیال رکھا جائے جو کہ ہر قسم کے ظلم وتشدد کی وجہ سے کھوکھلی ہو چکی ہیں ناجائز بے انصافیوں سے انسانی حقوق پامال کئے جارہے ہیں اور اگر ایسے حالات جاری رہے تو آخرکار اس مسکن کا گرنا یقینی ہے اگر آپ اپنا دور حکومت کامیابی سے چلانا چاہتے ہیں تو ظلم وتشدد کی کبھی اجازت نہ دیں اپنی طاقت کا غلط استعمال کبھی نہ کریں۔ بے بسوں کے ساتھ برا سلوک نہ کریں آخرت کو یاد رکھیں ظلم وتشدد سے آنکھیں نہ چرائیں۔ دکھی دلوں کی آہیں نہ لیں پس میرے مہرباں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور عوام کے ساتھ منصفانہ' ہمدردانہ اور مروّت کا سلوک کریں صرف اسی صورت میں عوام آگے بڑھیں گے جس مسکن کی حفاظت کی آپ کو فکر ہے اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔ جس صورتحال سے میں نے آپ کو آگاہ کرنا تھا میں نے اپنا فرض پورا کرلیا ہے اب یہ آپ کا کام ہے کہ اسکو اہمیت دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو نیکی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اپنی نعمتوں سے ہم کو نوازدے۔

آپ کا سچا خیر خواہ

مگر مسافر چندروزہ۔۔غلام محی الدین از گولڑہ

اپنے صاحبزادوں کے نام بابو جیؒ کا خط

786

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

آباد خدا رکھے میخانہ محمدؐ کا

میرے عزیز معین الدین وشاہ عبدالحق خدا تمہیں عزیز کرے اور ہمیشہ اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

تمہارا خط ملا اور ملاحظہ کیا۔ الحمدللہ کہ تم بفضل تعالیٰ خیریت سے ہو اور اپنے کام میں مشغول ہو۔ خدا تمہیں باہمت کرے اور شوق دے تاکہ اس کی وجہ سے تم دونوں بھائی اپنی منزل مقصود پر جلد تر پہنچ سکو۔ عزیزم! جہاں تک ہو سکے وقت کو ضائع نہ ہونے دو۔ وقت کو غنیمت سمجھو

جس نے تمہیں یہ وقت دیا ہے۔ اس کی یاد میں صرف کرو۔ اس کی یاد سے تمہارا دل زندہ رہے گا چنانچہ کسی صاحب دل نے کیا خوب کہا ہے۔

کے بمیرد ہر کہ رابا اوست دل

یعنی جس نے خدا کی یاد کو اپنے دل میں بسا لیا وہ کب مر سکتا ہے۔

جب تم اس لافانی ذات سے رشتے استوار کر لو گے تو تم خود بھی لافانی ہو جاؤ گے۔ یہ دنیا دار فانی ہے۔ بے لذت غم کی جگہ اس کے ساتھ دل لگا کر کوئی آرام نہ پائیگا بلکہ پریشان ہوگا۔ حیراں ہوگا۔ غمناک ہوگا۔ چنانچہ مولاناؒ فرماتے ہیں۔

''یعنی جب تم اپنا دل اس دنیا کے ساتھ لگا لو گے تو تمہیں سوائے غم اور تنگی دل کے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ اس کے ساتھ دل کو کیوں اڑاتے ہو جبکہ اسکو بقا ہی نہیں تم باخبر ہو پھر بھی باز نہیں آتے۔ اس دنیا کو ٹھکرا دو کیونکہ اس میں کچھ نہیں رکھا۔ اس کی یاد میں کھو جاؤ۔ اپنی زندگی مت گنواؤ۔

میرے عزیز! اس کے بن کر رہو جو غالب ہے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! میری بات کو غور سے سنو۔ دن رات اسی کی یاد میں بسر کرو۔ اپنی خودی کی نفی کر کے اس ذات میں کھو جاؤ۔ قرۃ عینی! میں تمہیں نیک راستہ بتانا چاہتا ہوں اور تمہاری ذات کی نفی چاہتا ہوں۔ تاکہ تمہاری روحانی طاقت سے میری روح کو سکون ملے۔ مجھے اجر ملے اور میری مرقد منور ہو۔

میرے عزیز! علم کو اس ذات تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھو۔ جو کہ اصل مقصد ہے۔ علم احادیث فقہ تفسیر حقیقی اور دائمی علم ہے۔ بری صحبت سے بچ کر رہو اپنی زندگی کو مت ضائع کرو۔ جیسا کہ میں نے کہا روحانی منزل حاصل کرنے کیلئے ثابت قدم رہو۔ احمقوں کی صحبت سے باز رہو۔ کیونکہ اس سے بدنامی ہوتی ہے اور روحانی جہد میں کمی واقع ہوتی ہے۔

یہاں موجود سب کی طرف سے تمہیں اور تمہارے احباب کو آداب۔ حافظ صاحب پوٹھی والے کل یہاں آئے تھے۔ تمہیں دعائیں اور سلام عرض کر رہے تھے۔ یہی خط عزیزی شاہ عبدالحق کو سمجھانا۔

وہی تمہارا دلی خیر خواہ

مسافر چند روزہ — از گولڑہ

حضرات لالہ جی صاحبان کے نام لکھے گئے ایک اور خط میں آپؒ نے ارشاد فرمایا:۔

''حافظ صاحب ناتھی والوں کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا ہے کہ اس نے تمہیں ایک خط بھیجا ہے جس کا کوئی جواب اسے نہیں ملا۔ اسے جلدی جواب لکھ دو۔

حرفے کہ یا بم از قلمِ مشک بارِ اُو

سازم حمائلِ دل وجاں یادگارِ اُو''

(جامیؒ)

حضرت بابوجیؒ کے وصال کے موقع پر کئی مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات کی جانب سے تعزیتی پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

1۔ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو

''بلاشبہ! آپ کا وجود ایک روحانی عظمت تھا۔''

2۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر

''قرنِ اول کی دینی حمیت کا مجسمہ تھے۔''

3۔ ایئر مارشل اصغر خان

''اسلاف کی آخری تصویر تھے''

4۔ نوابزادہ نصر اللہ خان

''فقر و استغناء کا نمونہ کامل تھے۔''

5۔ چوہدری ظہور الٰہی

''اہل اللہ کی معجز نمائیوں کا مجسمہ تھے۔''

6۔ حضرت مفتی محمود

''فی الواقعہ تحریک ختم نبوت کے موروثی رہنما تھے۔''

7۔ خان عبدالولی خان

''علم و تقویٰ کا نادرۂ روزگار وجود تھے۔''

8۔ پروفیسر غفور احمد (ایم این اے)

''ان کا وجود آئینہ رحمت تھا۔''

9۔ حضرت شاہ احمد نورانی

''اساطیر اولیٰ کی تصویر تھے''

10۔ میاں طفیل محمد سابق امیر جماعت اسلامی

''ان کے روئیں روئیں میں اسلام ہی اسلام تھا۔''

11۔ چوہدری غلام جیلانی (سابق امیر جماعت اسلامی پنجاب)

''ان کا وجود صداقت اسلام کی دلیل تھا''

12۔ علامہ عبدالعزیز خالد

''انہیں دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیغمبر کی''

13۔ ملک خضر حیات ٹوانہ

''وہ قطب الاقطاب تھے''

14۔ پیر صاحب دیول شریف

''شیخ العصر تھے۔''

15۔ علامہ محمود رضوی (حزب الاحناف)

''آپ تربیت یافتگانِ رسالت مآب کا مجسمہ تھے۔''

16۔ مولانا ابوالبرکات

''تھا ان میں رنگِ علیؓ اور ان میں بوئے رسولؐ''

17۔ مولانا تاج محمود صاحب (لائل پور)

''قامت ان کی غیرتِ اسلام کی تصویر تھی۔''

18۔ مجید نظامی (ایڈیٹر نوائے وقت)

''اس خدا کی سرزمیں پر نور کا پیکر تھے وہ''

19۔ اقبال زبیری (ایڈیٹر مشرق لاہور)

''فقر اسلام کی دلیلِ محکم تھے۔''

20۔ ہارون سعد (ایڈیٹر امروز لاہور)

''انہیں دیکھتے ہی مادیت کا طلسم خانہ پاش پاش ہو جاتا تھا۔''

21۔ شاعر اسلام حضرت احسان دانش

''وہ آدمی تھا مگر دیکھنے کی تاب نہ تھی۔''

22۔ جناب ذاکر حسین قریشی

''ان کے اوصاف حسنہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔''

23۔ خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لاء

''وہ سچے دلوں کے فاتح تھے۔''

24۔ ملک عباس حسین الخُبر سعودی عربیہ

''سخاوت کا آبشار تھے۔''

25۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری

''میں نے ان کے آستاں سے فیض پایا تھا بہت۔''

26۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی

''انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔''

27۔ سردار شوکت حیات

''اٹھ گئے تو ایک روحانی خلاء پیدا ہوا''

28۔ حضرت شفیق کوٹی

''اس وطن کے بت کدے میں نعرۂ تکبیر تھے۔''

29۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی

''قدرت حق آدمی کے روپ میں''

30۔سید مظفر علی شمسی

''ایک انسان امر بالمعروف کی آواز تھا۔''

31۔سید خلیل احمد قادری خلف الرشید مولانا ابوالحسنات

''مظہرِ حق وصداقت حجتِ دینِ ھدیٰ''

32 عزیز انصاری گوجرانوالہ

''فی الواقعہ ان کا وجود عطیہ ربانی تھا۔''

33 بیگم شورش کاشمیری

''ہادیِ کامل، مرشدِ دوراں، جود وسخا کا چشمہء صافی۔''

34۔مولانا غلام اللہ خان

''وہ خانوادہ طریقت کا لعل شب چراغ تھے۔''

اولیائے کرام کا مرتبہ

ولی اللہ کو ضرر پہنچانے سے باز رہیں۔

اے وہ انسان کہ جو اللہ والے پر خنجر چلاتا ہے وہ دراصل اپنے آپ پر خنجر چلاتا ہے خبردار! اللہ والا چل بسا لیکن وہ محفوظ ہے وہ دائمی حفاظت میں رہتا ہے اس کا جسم چل بسا اور اب وہ آئینہ بن چکا ہے اب وہاں مصنف کے چہرے کے عکس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جناب آر۔اے۔نکلسن کی کتاب ''رومی بطور ایک شاعر اور صوفی (1207-1273)''
باب xlvii صفحہ 87 سے ماخوذ

ولی کامل سچائی کا آئینہ ہوتا ہے جس میں تمام اشیاء کی اصلی صورتوں کا عکس دکھائی دیتا ہے اچھی چیز اچھی نظر آتی ہے اور بری چیز بری۔

پس شاعر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ حسام الدین میں اسے صرف روحانی خوبصورتی اور پاکیزگی نظر آتی ہے۔اگر آپ اولیاء اللہ کے دشمن ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کو اپنے نفرت آمیز چہرے کا عکس دکھاتے ہیں۔(مثنوی IV 38-21)

یہ سطریں حکایت کا اخلاقی سبق بتاتی ہیں جس کا تعلق حضرت بایزید بسطامیؒ سے ہے جسے شاعر نے ماخوذ کیا ہے۔

نقشِ اُو فانی شد و اُو شد آئینہ
غیر نقش روئے غیر آں جائے نہ

(مثنوی ١٧ صفحہ ٣٨٧) کلیات مثنوی ومعنوی ایران

قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ

بحوالہ ''لونگ ٹروتھ''

بابو جیؒ کی حضور پاک ﷺ سے محبت

1۔سورہ البقرہ

''اے ہمارے پروردگار۔اس جماعت کے اندران ہی میں کا ایک ایسا پیغمبر بھی مبعوث فرما جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اوران کو آسمانی کتاب کی اورحکمت کی تعلیم دیا کرے اوران کو پاک کردے۔بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرۃ کامل الانتظام۔''

2۔سورۂ آل عمران

''آپؐ فرما دیجئے کہ اگرتم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہوتو تم لوگ میری اتباع کروتو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے۔اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔''

3۔سورہ فتح

''جولوگ آپؐ سے بیعت کررہے ہیں تو وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کررہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔''

4۔سورہ فتح

''وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت دی اور سچا دین (اسلام) دے کر (دنیا میں)'' بھیجا ہے تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اللہ والوں کے ساتھ محبت

1۔ سورہ البقرہ

''اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا بچا کر) نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے۔''

2۔ سورہ التوبہ

''اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔''

3۔ سورۂ یونس

''یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے دوست ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ خوف وحزن سے بچنے کی) خوشخبری ہے۔''

4۔ سورہ المائدہ

''اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے''

5۔ سورہ الاحزاب

''اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ اور صبح وشام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو۔''

6۔ سورہ البقرہ

''مشرق اور مغرب اللہ کے ہیں تم جہاں کہیں بھی ہو اس خدا کی جانب اپنا چہرہ کر رکھو۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور حکمت والا ہے۔''

7۔سورہ الذاریات

''اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا۔''

8۔سورہ حٰم

''ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گردونواح میں بھی دکھا دینگے اور خود ان کی ذات میں بھی اور یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا۔ وہ قرآن حق ہے تو کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کے لئے حقیقت کی شہادت کیلئے) کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔''

بابو جیؒ کا نظریہ تعلیم

(مزید حوالہ)

حضرت بابو جیؒ صاحب حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہؒ کی کتاب ''ملفوظات مہریہ'' کے صفحہ 38 باب بعنوان ''فصوص'' جس کا تعلق وحدیت سے ہے۔ پر گفتگو فرما رہے تھے۔ آپؒ نے حضرت اعلیٰ کے فلسفہ وحدیت کی یوں تشریح فرمائی ہے:

''پوری کائنات (عالم) حضرات اسماء کا ظہور ہے یعنی ہر عین ثابت کیلئے ایک اسم ہے۔ جو اس عین کے رب پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ رب عین ثابت کو اپنے محور کے گرد گھومنے کے قابل بناتا ہے۔ کسی واقعہ کے حتمی طور پر ظہور پذیر ہونے سے پہلے حضرات اسماء جلال اور تنازع کی کیفیت میں موجود ہوتے ہیں پس جو اسم غالب ہو جاتا ہے تو وہ ظہور خارج میں واقع ہوتا ہے۔ اس قسم کا علم اس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک مندرجہ ذیل چار کتابوں کا مطالعہ نہ کیا جائے۔

1۔ انسان

2۔ کائنات یعنی کل عالم

3۔ حضرات اسماء (عین اور اسم کے درمیان رشتہ)

4۔ ذات بحت

اور ان کتابوں کو اچھی طرح پڑھنے کے بعد کوئی شخص ''مولوی'' کہلانے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

مولوی گشتی و آگاہ نیستی

خود کجا و از کجا و کیستی

یعنی تم مولوی تو بن گئے ہو لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تم کیا ہو۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

مظہر جمیع اسماء خود آدم ہے اور مسمی الاسماء کے اسرار کی کلید بھی درحقیقت اس میں مضمر ہے۔''

وظائف کے حوالہ جات

پاس انفاس

ہر سانس کے ساتھ پڑھیں

اللہ ھو۔ ھو اللہ

نماز فجر کے بعد ایک تسبیح درود شریف کی ورد کریں۔

نماز عشاء کے بعد ایک تسبیح کلمہ شریف کی ورد کریں۔

ایک تسبیح یا حی یا قیوم کا ورد کریں۔

ایک تسبیح اللہ الصمد کا ورد کریں

الانسان سری وانا سرہ

صورت انسان میں

جس کی ہے جلوہ نمائی عالم امکان میں
حق نے دکھلائی وہ صورت، صورتِ انسان میں

اتنا بتلائیں کہ محبوب خدا تھے یا خدا
آنا جانا عرش پر جن کا ہوا اک آن میں

روپ بدلے اس نے لاکھوں پھر بھی وہ تنہا رہا
ہو بہو پایا ہے اس کو اس کی اپنی شان میں

حسن مطلق ہورہا ہے ذرہ ذرہ سے عیاں
دیکھ لے اے چشم حق بیں صورت اعیان میں

اس جہاں میں، اُس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں
ہے وہی ہر شکل میں، ہر رنگ وجسم وجان میں

اول و آخر وہی ہے ظاہر وباطن وہی
خوب کھیلا کھیل اس نے پردۂ امکان میں

جب نظر تیری پڑی اس عالمِ تکوین پر
دیکھئے پھر اس کے پرتو ہر گھڑی اک شان میں

عالم کونین دونوں اس کے جلوؤں کا ہے نام
کچھ نہیں اس کے سوا اس نقشہ امکان میں

عالم تکوین جس سے زندہ و تابندہ ہے
اک تجلی ہورہی ہے غیب سے ہر آن میں

خود ہی محبوب خداؐ بن کر ہوا جب جلوہ گر
ہوگیا نقشہ دگرگوں گلشن ویران میں

لفظ کن کس نے کہا ' کس سے کہا ' وہ کون تھا؟
کس کی آمد سے ہوئیں آبادیاں ایوان میں
دیکھنے والوں نے دیکھا ہے اسے ہر رنگ میں
لاکھ پردوں میں چھپے وہ پھر بھی ہے پہچان میں
درجہ اطلاق میں صورت نہ تھی ' بے کیف تھا
صورتیں آ کر دکھائیں درجۂ امکان میں
دیکھ کر بے رنگ کی بے رنگیاں حیرت میں ہوں
اس کی ہر ایک شان کو دیکھا انوکھی شان میں
ایک ہی تھا ایک ہی ہے ' اور رہے گا ایک ہی
آ رہی ہیں ہر طرف سے یہ صدائیں کان میں
کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف کہا
پھر محبت نے دکھایا رنگ اپنی شان میں
رنگ ہی کچھ اور ہے مشتاق اس کا دیکھئے
جس نے رکھا ہے قدم وحدت کے اس میدان میں

کلام: حضرت پیر سیّد غلام معین الدین گیلانیؒ

ارمغانِ معین

حبیبِ ربِّ عُلا ہے غلام محی الدینؒ!
چراغِ نُورِ ہدیٰ ہے غلام محی الدینؒ!

نہیں ہے راہزنی کا ذرا بھی خوف ہمیں
ہمارا راہنما ہے غلام محی الدینؒ!

وہ صدر ، بزمِ حقیقت کے نکتہ دانوں کا
امیرِ اہلِ صفا ہے ، غلام محی الدینؒ!

نہیں انیس کوئی جس کا ، یہ رفیق اُس کا
امیرِ شہرِ وفا ہے ، غلام محی الدینؒ!

غرورِ شرک کو برق و شرر نظر اُس کی
عدو کو تیغِ قضا ہے ، غلام محی الدینؒ!

ملا نہ چین کہیں بھی اُسے زمانے میں
ہوا تُو جس سے خفا ہے ، غلام محی الدینؒ!

جہاں کو اُس نے عطا کی ضیائے مہرِ علیؒ
علیؒ کے گھر کی ضیا ہے ، غلام محی الدینؒ!

مخالفوں کی نہ بن آئے سامنے اُس کے
پہاڑ بن کے کھڑا ہے ، غلام محی الدینؒ!

وہ کھولتا چلا جاتا ہے ایک ایک گرہ
گرہ کُشائے بلا ہے ، غلام محی الدینؒ!

شگفتگی ملی پھولوں کو ، جس کے آنے سے
بہار اور صبا ہے ، غلام محی الدینؒ!

ترا یہ حرفِ تسلّی ، تری نگاہِ کرم
دلِ حزیں کی دوا ہے ، غلام محی الدینؒ!

جو آ گیا تری چوکھٹ پہ بامراد گیا
سبھی پہ فضلِ خدا ہے ، غلام محی الدینؒ!

تری نگاہِ عنایت سے بھر گئے دامن
قبول تیری دعا ہے ، غلام محی الدینؒ!

تُو مہر اور خلوص و وفا کا پیکر ہے
حسین تیری ادا ہے ، غلام محی الدینؒ!

خدا نے بخشا ہے تجھ کو جو نُور باطن کا
وہ حسنِ ارض و سما ہے ، غلام محی الدینؒ!

تری یہ طرزِ سخا ، اور تری یہ شانِ عطا
یہ سب جہاں سے جدا ہے ، غلام محی الدینؒ!

کبھی بھی ان کے دلوں سے نکل نہیں سکتا
وہ جن کے دل میں بسا ہے ، غلام محی الدینؒ!

ہزار دام سے دامن بچا کے تُو گزرا
یہ خاص لطفِ خدا ہے ، غلام محی الدینؒ!

دُعائیں ہوں گی یقیناً قبولِ ذاتِ خدا
بہم وسیلہ ترا ہے ، غلام محی الدینؒ!

تُو اِک نظر سے سیہ بخت کو کرے روشن
یہ تیرا رنگ عطا ہے ، غلام محی الدینؒ!

سہا ہے بارِ گراں غم کا جس نے تیرے لیے
رِہا وہ غم سے ہُوا ہے ، غلام محی الدینؒ!

تمام عُمر کیا کفر کے خلاف جہاد

برائے حق تُو لڑا ہے ، غلام محی الدینؒ!

ترا وجود ہے رحمت کا چشمۂ صافی

تُو شمعِ حق کی ضیا ہے ، غلام محی الدینؒ!

تُو مفلسوں کے دلوں کا ہے مایۂ عشرت

تُو بے نوا کی نوا ہے ، غلام محی الدینؒ!

تُو رازدانِ خدا ، رازداں خدا تیرا

یہ راز ہم پہ کُھلا ہے ، غلام محی الدینؒ!

ورائے عرشِ بریں ، تیرے فکر کی پرواز

ترا خیال رسا ہے ، غلام محی الدینؒ!

ترا جمال ہے صد جاذبِ نظر ، واللہ

یہ وصف دادِ خدا ہے ، غلام محی الدینؒ!

نبیؐ کا تُجھ پہ کرم ہے ، خدا کی رحمت ہے

یہ لُطف تُجھ پہ سَوا ہے ، غلام محی الدینؒ!

''بغیرِ شاہِ رسلؐ وصلِ حق ہے ناممکن''

تری یہ بات بجا ہے ، غلام محی الدینؒ!

پکار کر اسے دیکھا قدم قدم پہ معینؔ

مری مدد کو بڑھا ہے ، غلام محی الدینؒ!

قبول کیجیے خواجہؒ ! یہ ارمغانِ معینؔ

دلِ حزیں کی صدا ہے ، غلام محی الدینؒ!

کلام: پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی مدظلہ العالی